تذکرہ
شاعراتِ اُردو

آغاز سے موجودہ دور تک کی عفت مآب شاعرہ خواتین کا تذکرہ، معہ انتخاب کلام و تبصرہ

تالیف

محمد جمیل احمد ایم، اے بریلوی

ناشر
قومی کتب خانہ بریلی

طبع اول ایک ہزار

۱۹۴۴ء

(مطبوعہ بریلی الکٹرک پریس بریلی - آر-ایس - لال رستوگی پرنٹر)

تذکرہ شاعراتِ اردو

محمد جمیل احمد

547

مندرجات

تعارف ۔ از جناب ڈاکٹر عندلیب صاحب شادانی ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی ۱۳

پیش لفظ از جناب پروفیسر محمد طاہر صاحب فاروقی ایم۔اے ۱۷

انتساب صفحہ ۱۹

وجود زن الخ ۲۱

التماس مؤلف ۲۳

مقدمہ مؤلف ۲۷

تذکرہ نویس اور اُردو شاعرات
شاعرات کے کلام کی تدوین کی ضرورت ۳۹

اُردو زبان کی تخلیق وارتقا اور اس میں شاعری کا آغاز ۴۳

اُردو شاعرہ خواتین کے کلام پر ایک نظر ۶۴

خواتین میں اُردو شاعری کی ابتداء! ملکہ نورجہاں؟ ۶۴

شہزادی زیب النسا مخفی ۷۱

شاعرات اُردو کا دہلی اسکول ۷۹

شاعرات اُردو کا لکھنؤ اسکول ۸۴

دورِ حاضر ۹۱

مستقبل پر ایک نظر ۴۷

شاعرات اُردو ۱۳۱

موجدین ۱۳۳

شاہزادی زیب النساء مخفی ۱۳۵

شاعرات اُردو کا دہلی اسکول ۱۵۱

بیگم (بنت میر تقی میر) ۱۵۱

جینا بیگم ۱۵۲

تصویر ۱۵۳

بسم اللہ بیگم ۱۵۴

جعفری کاملہ بیگم ۱۵۴

قادری، قادری بیگم ۱۵۵

حیا، حیات النساء ۱۵۶

بی بی، اللہ بندی ۱۵۶

بی بی علیمہ ۱۵۷

حرماں، سیدۃ النساء ۱۵۷

حیدری، حیدری خانم ۱۵۸

کیفی ۱۵۸

فاطمہ، اللہ داد ۱۵۸

عصمت ۱۵۹

یاد ۱۵۹

اختر، نواب اختر محل	۱۵۹
زہرہ فاطمہ	۱۶۲
حجاب	۱۶۲
خفی، بادشاہ بیگم	۱۶۲
خاکساری	۱۶۳
حاکم	۱۶۳
اشک	۱۶۴
اُمراؤ حسینی بیگم	۱۶۴
مومی	۱۶۴
ناز، عالم آرا	۱۶۵
ثریا، بڑی بیگم	۱۶۵
اسیر، امیر بیگم	۱۶۵
مبارک، مبارک النساء	۱۶۶
مخفی، سلطان جہاں	۱۶۶
نازنین	۱۶۷
احمدی، احمدی بیگم	۱۶۷
راویہ	۱۶۸
یاس، آفتاب بیگم	۱۶۹
شوخ، اگنا بیگم	۱۶۹
ضرورت شرف النساء	۱۷۱
طلب	۱۷۱
ماہ	۱۷۲
قمر، قمر النساء	۱۷۲

گوہر، گوہر بیگم ۱۷۳
فاطمہ، فاطمہ بیگم ۱۷۴
ملکہ، اِنّی ۱۷۵
جمعیت ۱۷۵
خورشید ۱۷۶
رعنائی، قدسیہ بیگم ۱۷۶
غریب، امیر النساء ۱۷۶
عفت ۱۷۷
ضیا، سکندر جہاں بیگم ۱۷۷

شاعرات اردو کا لکھنؤ اسکول ۱۸۱

حرم نواب آصف الدولہ ۱۸۳
جانی، بیگم جان ۱۸۳
دلہن ۱۸۴

حرم نواب واجد علی شاہ ۱۸۵
قمر، حیدری بیگم ۱۸۵
حجاب، نواب بیگم ۱۸۶
صدر، نواب صدر محل ۱۸۸
عالم ۱۸۹
محبوب، سلطان جہاں ۱۹۰

دیگر خواتین ۱۹۱
کنیز فاطمہ بیگم ۱۹۱
ذلیل، نوبہار ۱۹۱

سلطان، سلطان بیگم ۱۹۱
یاسمن، چنبیلی ۱۹۲
ضیا، ضیائی بیگم ۱۹۳
بہو بیگم ۱۹۴
عابدہ، نواب امراؤ بیگم ۱۹۴
پارسا ۱۹۵
شرم، شمس النساء بیگم ۱۹۵
حجاب، عسکری بیگم ۱۹۶
شیریں، نواب شاہجہاں بیگم ۱۹۷
مستور، مستورہ بیگم ۱۹۸
عفت، نجم النساء ۱۹۸
مطلوب، فضل النساء ۱۹۹
لطیف، لطیف النساء ۱۹۹
معشوق، حیدری خانم ۱۹۹
نظیر ۲۰۰
ماہ، منجھلی بیگم ۲۰۰
کنیز، کنیز فاطمہ ۲۰۰
شریر، مس میری فلورا سارکس ۲۰۱

دورِ حاضر ۲۰۵

الف

اختر، اختر قریشی بی-اے، بی-ٹی، دہلوی ۲۰۷
اختر، ج بیگم صدیقی سندیلوی ۲۱۹

اختر، سیدہ سردار بیگم ۲۲۱ (۲۵۹)

اختر، م-ج بیگم ۲۳۰

ادا، عزیز جہاں (بدایونی) ۲۳۰

ادا، ف بیگم ۲۵۷

ادیب، شبیر خالدہ ۲۵۸

اسیر، رحمت بیگم ۲۵۹

اظہری، اظہر سلطانہ معظم ۲۶۰

اعجاز، دلہن پادشاہ بیگم ۲۶۱

آفتاب، آفتاب جہاں ۲۶۱

اکبری، اکبری خانم بیرا نگینیا ۲۶۲

ما، شرمتی لیلا دیوی ۲۶۴

انجم، عارفہ بیگم ۲۶۵

انجم، عقیلہ خاتون ۲۶۶

انور، انور جہاں بیگم ۲۶۷

آہ، میمونہ بیگم ۲۶۸

ب

باطن، حسینی بیگم ۲۶۹

بانو، جہاں بانو بیگم ۲۶۹

بدر، بدر النساء ۲۷۲

بدر، بدر جہاں قریشی ۲۷۳

بشیر، بشیر النساء ۲۷۴

بیگم، اسمٰعیل، اشرف زمانی ۲۷۹

بیگم افضال ۲۷۹

بیگم رضا ۲۸۱
بیگم رسوا ۲۸۱
بیگم عروج ۲۸۲

پ

پروین، زینت پروین ۲۸۳
پروین، عابدہ خانم ۲۸۵
پنہاں، سپہر آرا خاتون المخاطب بہ رابعہ ۲۸۵

ت

تسنیم، جمیلہ خاتون ۳۰۱

ث

ثریا، احمد النساء بیگم ۳۰۱
ثریا، ثریا سلیم ۳۰۳
ثریا، عائشہ حسین (کاکوروی) ۳۰۴
ثروت، ثروت جمیل (مظفر نگری) ۳۰۵

ج

جمال، جمالہ، بلقیس جمال بریلوی ۳۰۷

ح

حافظ، افسر نساء بیگم ۳۲۴
حجاب، تیمور جہاں (دہلوی) ۳۲۵
حجاب، حمیدہ خانم ۳۳۳
حجاب، فخر النساء ۳۳۴
حزیں، صابرہ سلطان ۳۳۶
حمیدہ، سلطان احمد (دہلوی) ۳۴۰

حمیدہ، حمیدہ خاتون ۳۴۲
حور، گوہر اقبال (میرٹھی) ۳۴۳
حیا، خورشید اقبال (میرٹھی) ۳۵۰
حیا، کنیز فاطمہ (لکھنوی) ۳۵۹

خ

خالدہ، خالدہ بیگم ۳۸۵
خورشید، خورشید آرا بیگم (ابرار) ۳۹۰

د

درخشاں، آر۔ کے (بجنوری) ۳۹۷
دلآرا، دل آرا بانو ۳۹۸

ر

راز، امتہ الشکور ۳۹۹
راز، سید جمیل (مظفر نگری) ۴۰۰
رفعت، سکندر جہاں (لکھنوی) ۴۰۱
روشن، روشن آرا (دہلوی) ۴۰۲
ریحاں، حسن آرا ۴۰۳
رئیسہ، رئیسہ خاتون ۴۰۵

ز

زیب صاحبہ ۴۰۵
زہرش، زاہدہ خاتون شروانیہ (علیگڑھی) ۴۰۷
زاہدہ، خلیق الزماں ۴۳۵
زریں، زہرہ خاتون ۴۴۰
زہرہ، امّ زہرہ ہاشمی (بدایونی) ۴۴۳

زہرہ، زہرہ بیگم ۴۵۱
زہرہ، کے ۔ ایف ۔ خاتون (بابادی) ۴۵۲
زیب، تاجور زیب عثمانیہ (لدھیانوی) ۴۵۹
زینت، زینت بیگم (ڈھاکہ) ۴۸۰

س

ساجدہ، ساجدہ بیگم (شاہجہانپوری) ۴۸۱
ساجدہ، ساجدہ خاتون (منگھپوری) ۴۸۵
سارہ، سارہ بیگم (حیدرآبادی) ۴۸۷
سائرہ، ۴۸۸
سردار، منظور فاطمہ بیگم ۴۸۹
سروپ رانی ۴۹۰
سعیدہ، سعیدہ خاتون شوکت دلہن ۴۹۱
سکینہ، سکینہ محمود ۴۹۳
سلمیٰ، (لاہوری) ۴۹۳
سلمیٰ، جمال النساء بیگم (حیدرآبادی) ۴۹۴
سیدہ، سیدہ (خیرآبادی) ۴۹۵

ش

شبنم، طاہرہ خاتون ۴۹۸
شکیل، شکیلہ خاتون ۴۹۹
شمس، صفیہ بانو ۵۰۰
شمیم، انوار فاطمہ (لکھنوی) ۵۰۲
شمیم، ش، ا (جالندھری) ۵۱۷
شمیم، صفیہ شمیم (ملیح آبادی) ۵۱۸

شہناز، شہناز زیدی ۵۴۴
شیریں، شیریں خانم ۵۴۴

ص

صغریٰ، صغریٰ بیگم (حیدرآبادی) ۵۴۵
صفیہ، صفیہ بیگم (") ۵۴۷

ظ

ظریفہ ۵۴۸

ع

عابدہ، عابدۃ النساء (حیدرآبادی) ۵۴۹
عاصیہ ۵۵۰
عبرت، زینت بیگم ۵۵۰
عذرا، سیدہ عذرا جمال (دہلوی) ۵۵۶
عصمت، خورشید عصمت ۵۵۸
عصمت، عصمت جہاں بیگم (مظفرنگری) ۵۵۹
عظمت، عظمت اقبال (لکھنوی) (شمع) ۵۶۰ (۸۰۸)
عفت، آمنہ خاتون ۵۶۳
عفت، ۵۶۶

غ

غزالہ، حسن آراء بیگم (بریلوی) ۵۶۸
غمخوار، منورما کنول (دہلوی) ۵۷۴

ق

قمر، ۵۷۵
قمر، جمیلہ خاتون ۵۷۶

قمر، صفیہ بیگم (حیدرآبادی)	۵۷۷
قمر، قمر سلطان بیگم (دہلوی)	۵۷۷
قمر، نواب قمر جہاں بیگم (لکھنوی)	۵۷۹
قیصر، قیصر جہاں مسولی	۵۸۲

ک

کافر، فرخ جمال (جہان آبادی)	۵۸۴
کاملہ	۵۸۵
کلثوم	۵۸۶
کنیز، کنیز میمونہ (مانڈہ)	۵۸۹

ل

لطیف۔ لطیف النساء بیگم (حیدرآبادی)	۵۹۰
لیلیٰ۔ لیلیٰ بیگم (حیدرآبادی)	۵۹۱

م

محجوب، محجوب جہاں	۵۹۲
مخفی۔ سعیدہ جہاں (بریلوی)	۵۹۳
مخفی، صالحہ بیگم	۶۰۴
مدنی، شہناز بیگم (حیدرآبادی)	۶۰۴
مضمر، رفیعہ بانو رضویہ (دہلوی)	۶۰۵
ممتاز، ممتاز رفیع بیگم (مارہروی)	۶۲۲

ن

ناز، ناز بلگرامی (اورنگ آبادی)	۶۲۳
ناز، شفیق بیگم	۶۲۵
ناز، ممتاز جہاں	۶۲۵

نازش، برجیس جو عرف للین	۶۲۷
نازک، نازک بیگم (کسمنڈوی)	۶۳۷
نثار، نثار فاطمہ	۶۳۷
نجمہ، شمشاد نجمہ تصدق ام اے، بی ٹی	۶۳۸
نجمہ، نجمہ رحمت اللہ بی اے (لاہوری)	۶۹۳
نجمی، طاہرہ نجمی	۷۰۱
نسرین، شہر بانو (اورنگ آبادی)	۷۰۲
نسرین، عابدہ خانم (متھرا)	۷۰۴
نسیم، نسیم فاطمہ (آگرہ)	۷۰۷
نشتر، قیصر جہاں (لکھنوی)	۷۰۸
نقاب	۷۰۹
نکہت، رفعت جہاں (گلشن آبادی)	۷۱۰
نکہت، شکیلہ بیگم (کھنڈوی)	۷۱۰
نو بیلا، شریمتی نو بیلا سنگھا	۷۱۲
نور، نورجہاں بیگم (بدایونی)	۷۱۳
نوشابہ، نوشابہ خاتون قریشی (حیدرآبادی)	۷۴۴

و

وفا (ٹونکی)	۷۴۹
وفا، ح ن	۷۵۲

وحید، وحیدالنساء (آگرہ) ۷۵۳

ہ

ہمایوں، ہمایوں بیگم (میرٹھی) ۷۵۴

ضمیمہ

التماس ۷۵۷

اختر، سیدہ سردار بیگم (حیدرآبادی) ۷۵۸

برجیس، آمنہ برجیس (لکھنوی) ۷۵۹

بیدل، رسول جہاں بیگم (بدایونی) ۷۶۹

بیکس، بلقیس فاطمہ (گوالیار) ۷۷۶

شمع، عظمت اقبال (عظمت) ۷۹۸

۸۰۸

چند مضامین حواشی

"اردو" اور "ریختہ" ۵۱

مثنوی کدم راؤ و پدم راؤ کا عہد تصنیف ۵۳

"نورس" ۵۴

"طوطی نامہ نخشبی" ۵۶

ملکہ نور جہاں کے سوانح حیات ۶۴ تا ۶۸

موسیو گارسن دتاسی ۷۱ تا ۷۳

شاہ نواز صفوی ۱۳۵

ملّا سعید اشرف مازندرانی ۱۳۶
اورنگ زیب کے خلاف راجپوتوں کی بغاوت ۱۳۷
زیب النساء کے بھائی بہن ۱۳۹
ڈاکٹر برنیئر ۱۴۴
زیب النساء اور عاقل خاں ۱۴۴ تا ۱۴۵
شہزادی زیب النساء کی شعر گوئی کے متعلق مولوی احمد علی سندیلوی اور مولانا علی آزاد کا خیال ۱۴۷
اذکار خواتین مصنفہ خدیجۃ النساء ۱۵۱ تا ۱۵۲
محترمہ تصویر کا تلمذ ۱۵۳
حالات نواب آصف الدولہ ۱۸۳
حالات نواب واجد علی شاہ ۱۸۵ تا ۱۸۷
"آئینہ اور نظم" ۲۴۸ تا ۲۵۷
پنہاں کے فارسی کلام کا نمونہ ۲۸۷ تا ۲۹۱
بلقیس جمال کے فارسی کلام کا نمونہ ۳۱۲
ز۔خ۔ش کے عربی کلام کا نمونہ ۴۱۲
ز۔خ۔ش کے فارسی کلام کا نمونہ ۴۱۲ تا ۴۱۴
"تذکرہ شمیم" ۵۰۲ تا ۵۰۳
مولانا آسی اور انوار فاطمہ شمیم ۵۰۹
سانیٹ، تاریخی اور ادبی حیثیت سے ۶۸۲ تا ۶۸۷

×××××××××××

فہرست تصاویر

محمد جمیل احمد (مؤلف) ۲۱

شاہزادی زیب النساء مخفی ۱۳۵

سیدہ سردار اختر ۲۲۱

کنیز فاطمہ، حیا ۳۶۰

خالدہ بیگم، خالدہ ۳۸۶

زاہدہ خلیق الزماں ۴۳۶

برجیس جود خاتون نازش ۶۲۷

نجمہ تصدق ام اے، بی ٹی ۶۳۹

آمنہ برجیس ۷۶۹

عظمت اقبال شمع ۸۰۸

تعارف

[از محترم جناب ڈاکٹر عندلیب شادانی ام اے، پی۔ایچ۔ڈی (لندن)]

اس میں کوئی شک نہیں کہ شعر اپنے وسیع مفہوم میں وزن و بحر کی قید سے آزاد رہ کر بھی شعر ہی رہتا ہے لیکن عرف عام میں جسے ہم شعر کہتے ہیں اس کا منظوم ہونا لازمی ہے۔ تو گویا اب شاعری کے بنیادی عناصر دو ٹھہرے۔ تخیل اور موزونی طبع۔ یہ دونوں چیزیں فطری ہیں کسبی نہیں۔ لیکن قدرت نے اپنے اس انعام کے لئے صرف مردوں کو مخصوص نہیں کیا۔ فیض کا دروازہ مستورات پر بند نہیں۔ یہ ایک بدیہی بات ہے اور کسی دلیل کی محتاج نہیں چنانچہ ہر متمدن عہد میں ایسی خواتین گذری ہیں جو ہر اعتبار سے شاعرہ تھیں۔

یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب فطرت نے اس باب میں عورتوں کے ساتھ کسی قسم کی ناانصافی نہیں کی۔ تو شاعرات کی تعداد اتنی مختصر اور ان کے کلام کی تعداد اس قدر کم کیوں ہے کہ مرد شاعروں کے مقابلے میں ان کا عدم و وجود برابر ہے؟ وجہ ظاہر ہے۔ جہاں تک جسمانی زور و قوت کا تعلق ہے قدرت نے مرد کو عورت کے مقابلے میں بدرجہا غالب و قاہر بنایا ہے اسی زور و قوت کی بنا پر مرد نے کبھی عورت کو اپنا ہم مرتبہ نہیں سمجھا اور اس کی ذہنی استعداد اور دماغی قابلیتوں کو کبھی نشو و نما کا موقعہ نہیں دیا۔ نتیجہ ظاہر ہے، عورت کے اکثر فطری ملکات معطل رہتے رہتے بالآخر بیکار ہو گئے اور وہ زندگی کے کسی شعبہ میں کوئی کارنمایاں نہ کر سکی۔ بایں ہمہ بعض طبیعتوں کا جوش اور زور طوفان و سیلاب کے مانند تھا جو مرد کے تعصب کی پیدا کی ہوئی گوناگوں رکاوٹوں کے باوجود نہ رُک سکا اور قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ

شعر کی دنیا میں بہت سے تابناک جواہر پارے عورت کے دل و دماغ کے خزانوں سے نکل کر عالم وجود میں آئے، لیکن مرد کی "غیرت" نے گوارا نہ کیا کہ انھیں منظرِ عام پر آنے دے۔ میرؔ صاحب نے شعرا کا تذکرہ لکھا لیکن کسی شاعرہ کا ذکر کرنا یا اس کا کوئی شعر نقل کرنا ایک زبردست اخلاقی گناہ سمجھا۔ حالانکہ خود ان کی صاحبزادی شعر کہتی تھیں اور اچھا کہتی تھیں یہی حال میرؔ صاحب کے بعد آنے والے اکثر دوسرے تذکرہ نویسوں کا ہے کہ عورت کے ذکر سے اُن کی "اخلاقی غیرت" کو شرم کا پسینہ آنے لگتا ہے۔ زمانہ کی دستبرد اور مردوں کی اس داروگیر کے باوجود خواتین کے کلام کا کچھ حصّہ ہم تک پہنچ ہی گیا ہے اور اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر مستورات کے ذوق شعری کی مناسب تربیت کی جاتی تو وہ اس میدان میں کسی طرح مردوں سے پیچھے نہ رہتیں۔

زمانہ کبھی ایک حال پر نہیں رہتا۔ چنانچہ رفتہ رفتہ ہمارے "جنسی اخلاق" کا آئین، آزادی کی ہوا سے متاثر ہونا شروع ہوا۔ وہ اگلی سی پابندیاں اور سختیاں نہ رہیں اور ہمارے شعرا کے تذکروں میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کا ذکر بھی خال خال کیا جانے لگا۔ چنانچہ نواب مصطفٰے خاں شیفتہ نے "گلشنِ بے خار" میں چند شاعرہ خواتین کا نہایت مختصر حال اور نمونہ کلام درج کیا ہے۔ مولوی عبدالغفور نساخ، شیفتہ سے چند قدم آگے بڑھے اور "سخن شعرا" میں بطور ضمیمہ شاعرات کا مختصر تذکرہ شامل کتاب کیا۔ جوں جوں زمانہ آگے بڑھتا گیا۔ آزادی کی راہیں کھلتی گئیں اور شاعرات کے مستقل تذکرے لکھے جانے لگے چنانچہ "شمیم سخن" اور "تذکرۃ الخواتین" وغیرہ وجود میں آئے۔

شاعرات کے ان تمام تذکروں میں دو باتیں خصوصیت کے ساتھ مشترک ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان میں جن شاعرہ عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ زیادہ تر

طوائفیں ہیں۔ دوسرے یہ کہ شاعرات کے حالات نہایت نامکمل اور نمونہ کلام بیحد مختصر ہے بعض شاعرات کا محض تخلص اور صرف ایک شعر نقل کرنے پر اکتفا کی گئی ہے۔ حالات جب صرف نام یا تخلص تک محدود ہوں تو پڑھنے والے کو شاعرہ کے ماحول کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا، اور نہ وہ یہ معلوم کر سکتا ہے کہ شاعرہ کن کن چیزوں سے کس حد تک متاثر ہوئی ہے۔ اسی طرح جب نمونۂ کلام ایک دو شعروں سے زیادہ نہ ہو تو لکھنے والے کے میلانات اور رجحانات کے متعلق کوئی صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ میر صاحب کا سوز و گداز آج ضرب المثل ہے لیکن اگر ان کے صرف یہ دو شعر ہم تک پہنچے ہوتے :-

ہے تیرہ روز اپنا لونڈوں کی دوستی سے :: اس دن ہی کو کہے تھا اکثر پدر ہمارا

میں جو نرمی کی تو دونا سر چڑھا وہ بدمعاش :: کھلنے ہی کو دوڑتا ہے اب مجھے حلوا سمجھ

تو ظاہر ہے کہ ہم ان کے متعلق جو رائے قائم کرتے وہ سراسر لغو ہوتی یہی حال دوسرے اکابر شعراء کا ہے۔ انشا کی ٹھٹول بازی سے کون واقف نہیں، لیکن اگر ان کی صرف یہ غزل :-

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں :: بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

نمونہ کے طور پر ہمارے سامنے موجود ہوتی تو یقیناً ہم انھیں ایک نہایت سنجیدہ گو شاعر سمجھتے، اور ظاہر ہے کہ ہماری یہ رائے حقیقت کے سراسر خلاف ہوتی بنابریں شاعرات کے حالات اور ان کا کلام مہیا کرنے میں جس بے توجہی سے کام لیا ہے اب اس کی تلافی کا بھی کوئی امکان نہیں۔ لیکن دورِ حاضر کے تذکرہ نگار کا یہ فرض ہے کہ وہ کم سے کم اپنی ہمعصر شاعرات کے حالات اور ان کا معتدبہ کلام پوری کوشش کے ساتھ فراہم کرے۔ کلام کا نمونہ مختصر ہوتے ہوئے بھی اتنا تو ہو کہ پڑھنے والا اس کے مطالعہ کے بعد لکھنے والی کی رنگِ طبیعت کو سمجھ سکے۔

مسٹر محمد جمیل احمد ایم۔ اے ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے

شاعرات کا یہ مبسوط تذکرہ موسوم بہ "شاعراتِ اردو" مرتب کیا۔ اس میں شاعرات کے حالات بھی ہیں اور کلام کا معقول نمونہ بھی اور اس کے ساتھ ساتھ ادبی نکتے اور تنقیدی اشارے بھی عصرِ حاضر سے پہلے کی شاعرات کے متعلق انھوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ دوسرے تذکروں سے ماخوذ ہے۔ اس لئے لازمی طور پر نا تمام ہے۔ البتہ دورِ حاضر کی شاعرات کے حالات اور کلام کی فراہمی میں بڑی کد و کاوش کی ہے اس آزادی کے دور میں بھی شاعرہ خواتین کے حالات اور کلام کا مہیا کرنا "ہفتخوانِ رستم" کو طے کرنے سے کم نہیں، حیرت ہوتی ہے کہ جمیل صاحب دورِ حاضر کی شاعرات کے متعلق اتنا کثیر سوانحی اور شعری مواد کیونکر فراہم کر سکے۔

"شاعراتِ اردو" کی ایک اور خصوصیت بھی قابلِ ذکر ہے۔ دوسرے تذکروں کے برعکس "شاعراتِ اردو" میں ان شاعرات کا ذکر یکقلم ترک کر دیا گیا ہے جو زنانِ بازاری کے طبقہ میں شامل ہیں جمیل صاحب کا خیال ہے کہ اگرچہ بعض طوائفیں خود بھی شعر کہتی تھیں اور اچھا کہتی تھیں لیکن اکثر و بیشتر ان کا کلام ان کے مردِ احباب کا کہا ہوا ہے اور جمیل صاحب کا یہ خیال بے بنیاد نہیں۔

کسی تذکرہ کے متعلق یہ دعوے نہیں کیا جا سکتا کہ وہ بہمہ وجوہ مکمل ہے۔ اپنی ان کوتاہیوں کے باوجود جن کا ازالہ موجودہ حالات میں تقریباً نا ممکن تھا۔ "شاعراتِ اردو" اردو ادب میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے خدا اسے حسنِ قبول روزی کرے اور جواں سال مولف کی سعی مشکور ہو۔ آمین۔

(ڈاکٹر) عندلیب شادانی ایم اے، پی۔ ایچ۔ ڈی (لندن)

ڈھاکہ یونیورسٹی۔ ڈھاکہ

پیش لفظ

[از جناب پروفیسر محمد طاہر صاحب فاروقی ایم اے، دبیر کامل منشی فاضل، ایچ پی اے، رجسٹرار جامعہ اردو و صدر شعبۂ فارسی و اردو آگرہ کالج آگرہ]

ہر ملک کی خواتین نے جہاں تمدن، معاشرت اور سیاست میں کم و بیش حصہ لیا ہے وہاں زبان و ادب، اور شعر و شاعری کی ترقی میں بھی انھیں ایک حد تک شریک پایا جاتا ہے۔ یورپ ہو یا ایشیا، چین ہو یا جاپان، ایران ہو یا ہندوستان، ہر ملک میں وہاں کے ماحول اور تمدن کے مطابق ایسی خواتین پیدا ہوتی رہی ہیں جو ادبیات کے گلستاں کو سدا بہار بنانے میں ساعی ہوئیں۔ یوں بھی عورت میں فنون لطیفہ سے لذگیر ہونے کے جذبات مرد سے کچھ زیادہ ہی ہوتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ معاشرت اور ماحول اسے اپنے جذبات کے اظہار کا موقعہ نہ دے۔ مصوری، موسیقی، شاعری کے لئے جن لطیف احساسات اور نازک جذبات کی ضرورت ہوتی ہے وہ عورت میں بدرجۂ اتم موجود ہوتے ہیں۔ مگر ہندوستانی ماحول نے خواتین کے ان احساسات و جذبات کو بہت کم ابھرنے اور ظاہر ہونے کا موقعہ دیا ہے۔ خواتین کی جانب سے اس تغافل کا ہی نتیجہ ہے کہ شاعرات سلف کے حالات اور کلام سے ہم بالکل تاریکی میں ہیں۔ آج ان کے احوال و کلام کی تدوین کی کوشش ظلمات میں آب حیات کی تلاش سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ اس دور میں معاشرت کی اک گونہ تبدیلی اور نشر و اشاعت کی سہولت کے باعث، ہم کو کچھ ادیب اور شاعر خواتین کے نام نمایاں نظر آنے لگے ہیں اگر خواتین کا یہ علمی ذوق، اور ادبی خدمات کا شوق، اسی طرح ابھرتا رہا، اور افراط و تفریط کی بے اعتدالیوں سے محفوظ رہ سکا، تو شاید ہماری ادیب و شاعر خواتین قابل عزت جگہ پانے کی مستحق ٹھہر سکیں گی۔ مگر تعجب ہے کہ پہلے کی طرح اب بھی اردو ادبیات کے مؤرخ اور ناقد، خواتین کی ہمت افزائی اور ادبی خدمات کا

اعتراف و تذکرہ کرنے سے بے نیاز نظر آتے ہیں۔
جناب جمیل صاحب بریلوی ایم۔اے (مصنف "اردو شاعری کی مختصر تاریخ")
ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اس کمی کو محسوس کیا اور تنہا اس زبردست
اور مشکل کام کو سر انجام دینے کے لئے آمادہ ہو گئے "شاعرات اردو" شاعر خواتین کا
تذکرہ ہے جس میں جمیل صاحب نے نہایت کاوش اور تحقیق کے بعد ابتدا سے لیکر موجودہ
دور تک کی شاعرات کا کلام اور حالات فراہم کئے ہیں اس کتاب سے تاریخ و تنقید
ادب اردو میں ایک قابل قدر اضافہ ہوا ہے۔ اردو میں مدت مدید سے تذکرے
لکھے گئے، لیکن اس تمام عرصہ میں شاعر خواتین کے متعلق "شاعرات اردو" جیسا
کوئی تذکرہ مرتب نہیں ہوا۔ اس لئے تاریخ ادبیات کے مطالعہ کرنے والوں
کی نظر میں مصنف کی یہ محنت جو مرتبہ رکھتی ہے ظاہر ہے!
کتاب کے مقدمہ سے جمیل صاحب کی متانت طبع، ذوق سلیم اور وسیع مطالعہ کا
اندازہ ہوتا ہے۔ شاعرات کے مختلف دور اور اسکول قائم کرنے میں مصنف نے محنت سے
کام لیا ہے۔ دہلی اور لکھنؤ اسکول کے تحت ان تمام خواتین کا تذکرہ آگیا ہے جن کے
نام یا دو ایک شعر قدیم تذکروں میں نظر آتے ہیں۔ کتاب کا زیادہ حصہ دور حاضر
کی شاعرات پر مشتمل ہے جس میں تذکرہ کے ساتھ ساتھ کلام پر تنقید و تبصرہ کا
فرض بھی ادا کیا ہے۔ اور اکثر شاعرات کا انتخاب کلام بھی تفصیل سے درج کیا ہے۔
شاعرات کے خود نوشتہ حالات اور خود کردہ انتخاب کا شمول اس کتاب کی ایک
دلچسپ خصوصیت ہے جس کی قدر و منزلت کا اندازہ مورخ اور نقاد ہی خوب
کر سکتے ہیں۔ نہ معلوم اس کے لئے مصنف کو کس قدر خلوص و نیاز، اور صبر و
استقلال سے کام لینا پڑا ہوگا۔
میں جمیل صاحب کی اس تصنیف اور محنت کو کامیاب اور لائق مبارکباد سمجھتا ہوں۔
مجھے یقین ہے کہ ان کی یہ ادبی خدمت علمی حلقوں میں خراج تحسین حاصل کرے گی۔

محمد طاہر فاروقی

انتساب

خواہرانِ محترم

آمنہ و بنّو

کے نام

جنکی

آج صرف یاد باقی ہے

جمیلہ

نام مصنّف - محمد جمیل احمد

پیدائش ۲۲؍جون سنہ ۱۹۲۱ء

مولد - بدایوں

مسکن - بریلی

تعلیم - ام - اے (اقتصادیات) فرسٹ ڈویژن سنہ ۱۹۴۰ء

ال - ٹی سنہ ۱۹۴۱ء

پتہ - معرفت قومی کتب خانہ - بریلی - یو - پی

دیگر تصانیف :-

(الف) مطبوعہ :-

(۱) اُردو شاعری کی مختصر تاریخ

(۲) غزالہ

(۳) ٹوٹے ہوئے دل

(۴) تاثرات

(ب) زیر طبع :-

(۱) اقبالیات

(۲) آئینۂ سخن

(۳) ساز و مضراب

(۴) سراب

(۵) وداع آخر



مصنف

محمد جمیل احمد ایم-اے بریلوی

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں

شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشتِ خاک اسکی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا درِ مکنوں

مکالماتِ فلاطوں نہ لکھ سکی، لیکن
اسی کے شعلہ سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں

علامہ اقبالؒ ضربِ کلیم صہ ۹۲

التماس

موجودہ صفحات میں اردو شاعرات کا ایک مکمل تذکرہ اور اُن کے
کلام کا ایک مختصر انتخاب پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کا
خیال تو اسوقت آیا تھا جب میں اپنی کتاب "اردو شاعری کی مختصر تاریخ"
(مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ) مرتب کر رہا تھا۔ لیکن اس وقت چند در چند
وجوہات کی بنا پر یہ چیز صرف عالم خیال ہی میں رہی۔ عموماً زمانہ نقوش
کو ہلکا کرتے کرتے مٹا دیا کرتا ہے۔ مگر یہ نقش کچھ اس طرح کا تھا کہ
وقت کے ساتھ ساتھ کچھ زیادہ گہرا ہوتا گیا۔ نیرنگ خیال بابتہ ماہ جون
۱۹۴۰ء میں میں نے "شاعرات ہند" کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا
جو بہت پسند کیا گیا اور پھر ہر طرف سے اس خیال کو تکمیل تک پہنچانے کی
تاکید ہونے لگی۔ اور بالآخر میں نے اس کارِ مشکل کو شروع کر ہی دیا۔
لیکن جتنا کام کرتا گیا اتنا ہی یہ کام اور زیادہ مشکل نظر آتا گیا۔ آخر مسودہ
کو نامکمل حالت میں چھوڑ کر خاموش ہو گیا۔ اتفاقاً کچھ عرصہ بعد محترمی
پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی (علیگ) نے اس مسودہ کو اسی طرح
غیر مکمل صورت میں دیکھا۔ آپ نے میری ہمت افزائی فرمائی اور کہا،
"مجھے آپ کی یہ کتاب بہت پسند ہے۔ آپ نے اچھا کام کیا ہے"

اس کے بعد پھر میری کچھ ہمت بندھی اور پھر میں نے کام کرنا شروع کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد ڈاکٹر عندلیب شادانی سے اتفاقیہ ملاقات ہو گئی۔ آپ نے بھی مسودہ دیکھ کر میری ہمت افزائی کی اور کچھ مفید مشورے بھی دئیے۔ عام طور پر یہ خیال پسند کیا گیا۔ طبقۂ نسواں اور خصوصاً شاعرات نے میرے اس خیال کو سراہا اور میری ہمت بندھائی؛

مسز بی حق نے لکھا۔

"کتاب شاعراتِ اردو" کی ترتیب کا خیال قابلِ ستائش ہے"

محترمہ عزیز جہاں بیگم ادا نے لکھا:۔

"شاعراتِ اردو کی ترتیب کا خیال مفید بھی ہے اور دلچسپ بھی، مجھے یقین ہے کہ ادبی دنیا میں آپ کی اس کوشش کو تحسین کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا"

محترمہ آمنہ خاتون عفت نے لکھا:۔

"آپ کے قومی جذبات اور جنس نسواں کی قدر قابلِ مبارکباد ہے"

ایک اور گرامی نامہ میں تحریر فرمایا:۔

"جملہ خواتین آپ کی اس محنت کی داد دینگی"

شہزادی تیمور جہاں حجاب نے لکھا:۔

آپ نے جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے وہ واقعی شاعرات بیویوں کی حقیقی دلی ترجمانی ہے اس چیز کا تو گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ کوئی روئے زمین پر مذاقِ سخن رکھنے والی عورتوں کی حوصلہ افزائی کریگا۔

بلکہ ہم لوگ اس بات سے تنگ آچکے تھے۔ ہر زمانہ مشاعرہ پر اظہار تنقید کیا جاتا رہا جس کے سبب ہم لوگوں کے حوصلے پست ہو چکے تھے مراد آباد۔ دہلی میرٹھ اور مظفر نگر کے مشاعروں کے بعد جن جن کی بیلنے صدارت کی متذکرہ بالا نتائج نکلتے رہے ہیں آپ نے زمانہ حاضرہ کی شاعرات کو صفحۂ قرطاس پر لاکر ان پر بہت بڑا احسان کیا ہے' علاوہ اس کمزوری کو پورا کرنیکے جس کی ضرورت اسوقت ہمارے ملک کی تمام لائبریریوں کو تھی۔"...........

ایک اور مکتوب میں آپ نے تحریر فرمایا:۔

"خبر نہیں آپ نے ان منتشر ٹکڑوں کو کیسے یکجا کر دیا ہے واقعی آپکو بڑی تلاش اور کاوش کرنا پڑی ہوگی۔"

محترمہ صابرہ سلطان حزیں نے لکھا:۔

"کتاب مذکور کی اشاعت اردو ادب پر آپ کا ایک احسانِ عظیم ہوگا عورت کی جہاں ہر چیز کو پس پشت ڈالا جاتا رہا ہے وہاں اسکی شاعری بھی ناقابلِ التفات سمجھی گئی۔"

محترمہ خدیجہ مستور لکھنوی نے لکھا:۔

"یہ معلوم ہو کر بے انتہا مسرت ہوئی کہ آپ نے اردو شاعرات کا ایک تذکرہ مرتب کیا ہے۔ شکر ہے کہ اردو ادب کی ایک بہت بڑی کمی پوری ہو رہی ہے۔"

محترم جناب رازق الخیری صاحب (ایڈیٹر رسالہ عصمت) فرماتے ہیں:۔

"میری دلی دعا ہے کہ آپ اس کوشش میں کامیاب ہوں۔ اللہ آپ کی مدد کرے۔"

بہر حال ان ہمت افزائیوں نے میری دستگیری کی اور آج کسی نہ کسی طرح ان صفحات کو ختم کر رہا ہوں۔ ایک غیر متعلق شخص اسکو دیکھ کر کہے گا کہ اس میں کیا رکھا ہے، چند بے ربط جملے، دو چار شعر اور بس! لیکن جو لوگ اس قسم کا کام کرنے کے کچھ تھوڑے بہت بھی عادی ہیں وہ جانتے ہیں کہ "یہ اور بس" بھی کس قدر جگر کاوی اور محنت پڑوہی چاہتا ہے۔

موجودہ مجموعہ میں شاعرات کا جو انتخاب کلام پیش کیا گیا ہے اس میں کوئی خاص معیار قائم نہیں کیا گیا نہ کسی خاص اصول کی سختی سے پابندی کی گئی ہے، واقعہ یہ ہے کہ اکثر مختلف خواتین کے کلام کے انتخاب میں مختلف معیار قائم کرنا پڑے ہیں! اور اس کی وجہ تھی۔ شاعرات خصوصاً شاعرات گزشتہ کا اتنا زیادہ اور ایسا کلام دستیاب نہیں ہو سکا کہ ان سب کا انتخاب کسی ایک خاص معیار کے مطابق کیا جا سکتا۔ اگر ایک بلند معیار قائم کر کے انتخاب کی کوشش کی جاتی تو اکثر ان خواتین کو جو اس تذکرہ میں شامل ہیں۔ نظر انداز کر دینا پڑتا۔ اور اگر کوئی پست معیار قائم کیا جاتا تو یہ مجموعہ بجائے ذوق سلیم کو تسکین بخشنے کے اس پر ایک بار بن جاتا۔ علاوہ ازیں پھر اکثر خواتین کا کم و بیش تمام کلام پیش کر دینا پڑا۔ جو موجودہ مجموعہ کا مقصد نہیں حقیقت یہ ہے کہ کسی انتخاب میں کوئی خاص معیار قائم نہیں کیا جا سکتا۔ معیار انتخاب کرنیوالے کے ذوق پر

منحصر ہوتا ہے اور خود ذوق قانونِ تغیر کا ماتحت ہے۔ قطع نظر اس سے کہ مختلف شخصوں کا ذوق مختلف ہوتا ہے، خود ایک ہی شخص کا ذوق مختلف اوقات اور مختلف زمانوں میں بدلتا رہتا ہے، کیفیت کے کسی ایک خاص لمحہ میں ایک شعر اس کو اشکبار کر دیتا ہے اور دوسرے لمحہ میں وہی شعر بے کیف و سادہ نظر آتا ہے، البتہ اس بات کی کوشش ضرور کی گئی ہے کہ خواتین کا جو کچھ کلام راقم الحروف کی نظر سے گزرا ہے منتخبہ اشعار اس میں بہتر ہوں۔ ان شاعرات کے کلام کی نمائندگی اور ان کی خصوصیات کی طرف رہبری کر سکیں، صاف اور اگر ممکن ہو تو پُر کیف، پُر اثر ہوں اور حتی المقدور معائب سے پاک ہوں۔ انتخاب میں جذبات کو الفاظ پر ہر جگہ ترجیح دی گئی ہے! اس لئے کہ میرا نظریۂ شاعری خوبصورت الفاظ کا چناؤ نہیں بلکہ خوبصورت جذبات کا صداقت آگیں اظہار ہے۔ اکثر شاعرات سلف کا صرف ایک ایک شعر پیش کیا گیا ہے، جسکی وجہ یہ ہے کہ دستبرد زمانہ سے ان کا صرف ایک ہی شعر یادگار رہ گیا ہے اور ان کا زیادہ کلام دستیاب نہیں ہو سکا۔

شاعرات کے کلام — اور اس سے زیادہ ان کے حالات — کی فراہمی میں مشکلات پیش آئیں۔ اردو کے جتنے خاص خاص تذکرے ہیں وہ سب شعراء سے متعلق ہیں البتہ تلاش و کاوش کے بعد چند چھوٹے چھوٹے تذکرے ایسے ملتے ہیں جن میں کچھ خواتین کے اشعار

ہیں، لیکن قریب قریب ان سب تذکروں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ شاعرات کے زمانے اور مقام کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ اکثر پورا نام ونشان بھی نہیں ملتا۔ حالات نہایت ناکافی اور تشنہ ہیں، کلام پر تنقید و تبصرہ کا بالکل فقدان ہے، کلام کے نمونے جو پیش کئے گئے ہیں وہ نہایت مختصر، غیر تسکین بخش اور اکثر پوچ ولچر ہیں! یہ تو خیر شاعرات گزشتہ کے متعلق تھا۔ لیکن شاعرات حاضرہ کے متعلق یہ بھی نہیں ہے۔ ان حالات میں میری مشکلات ظاہر ہیں۔ میں نے سوچا کہ خود شاعرات کو لکھوں اور خود ان سے ان کے حالات اور انتخاب کلام حاصل کروں۔ لیکن سوال یہ تھا کہ پتے کیسے حاصل ہوں۔ میں نے لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن، دہلی ریڈیو اسٹیشن، اور مختلف رسالوں (خصوصاً زنانہ رسالہ) کے اڈیٹروں کو لکھا، ہر جگہ جواب ایک مستقل خاموشی تھی۔ میں ایک گداے مبرم کی طرح برابر تقاضہ کرتا رہا۔ بالآخر لکھنؤ اور دہلی ریڈیو اسٹیشن کا جواب ملا کہ اس سلسلے میں ہم کسی قسم کی مدد کرنے سے قاصر ہیں۔ اس کے بعد محترم رازق الخیری صاحب اڈیٹر رسالہ عصمت نے تحریر فرمایا:-

"اصولاً میں کسی خاتون یا کسی مضمون نگار کا پتہ کسی کو نہیں لکھ سکتا۔ چونکہ یہ اصول کی بات ہے اس لئے مجھے امید ہے کہ آپ کو ناگوار نہ ہوگی۔"

خیر۔ ان بزرگوں نے اتنا کرم تو کیا کہ جواب دیا۔ اوروں نے اسکی زحمت بھی گوارا نہ فرمائی۔ پھر بھی جتنے پتے مجھے معلوم ہو سکے میں نے

ان پر عریضے ارسال کئے۔ اور مجھے خوشی ہے کہ میری آواز بالکل صدا بصحرا ثابت نہ ہوئی۔ اس طرح میں اس مجموعہ میں کچھ شاعرات کے خود منتخبہ اشعار اور خود مرسلہ حالات بھی پیش کرنے کا فخر حاصل کر رہا ہوں ان ذریعوں کے علاوہ میں نے ملک کے ادبی رسالوں اور صحیفوں سے بھی بہت مدد لی ہے!

ہماری شاعرات کی کوئی ترتیب و تفہیم بھی نہیں کی گئی۔ اور کی بھی کیسے جاتی جب ان کے کلام ہی کو محفوظ رکھنے کی طرف توجہ نہ کی گئی۔ تو ترتیب و تقسیم و تنقید کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ میں نے صفحاتِ ذیل میں اس امر کی پہلی مرتبہ کوشش کی ہے اور یہاں جو ترتیب و تقسیم پیش کی گئی ہے وہ راقم الحروف ہی کی کاوش کا نتیجہ ہے چونکہ اس کے بغیر کوئی تذکرہ بھی تاریخی، تنقیدی اور ادبی حیثیت سے قابلِ وقعت نہیں۔ ہمارے تذکرہ نویسوں نے شعراء کو مختلف ادوار اور اسکولوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ میں نے بھی اسی روش کی تقلید میں شاعرات کے مذکورہ ذیل ادوار و اسکول قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔

(۱) موجدین

(۲) شاعرات اردو کا دہلی اسکول

(۳) شاعرات اردو کا لکھنؤ اسکول

(۴) دورِ حاضر

مختلف ادوار کو سمجھنے اور اس وقت کی زبان اور شاعری کا اندازہ

کرنے کے لئے اردو زبان کے ارتقا کا ایک مختصر سا خاکہ بھی ضروری تھا اس لئے آغاز میں وہ بھی پیش کر دیا گیا ہے، ہجری اور عیسوی سنہ جہاں تک ممکن ہوا ہے "مختصر تاریخ ہند" مصنفہ مولٰنا سید ابو ظفر صاحب ندوی رفیق دار المصنفین اور "داستان تاریخ اردو" مصنفہ پروفیسر حامد حسن قادری سے لیے گئے ہیں۔ ان کتابوں میں مصنفوں نے بڑی کاوش اور احتیاط سے ہر جگہ تمام اصل ہجری سنہ اور حسابی عیسوی سنہ درج کئے ہیں۔

شروع میں بطور مقدمہ شاعرات کے کلام پر ایک مختصر ریویو پیش کر دیا گیا ہے۔ اس میں مختلف ادوار اور اسکولوں کی شاعرات کے کلام کی نمایاں خصوصیات پیش کر دینے کی کوشش کی گئی ہے خصوصًا دور حاضر کی شاعرات کے مختصر حالات درج کرنے کے بعد ان کے کلام پر مجمل تنقیدی نوٹ بھی شامل کر دئے گئے ہیں، ان تنقیدی نوٹوں کے متعلق ایک بات عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

کچھ گرامی قدر شاعرات سے قطع نظر مجموعی حیثیت سے شاعرات کا کلام ابھی سخت اور شدید تنقیدوں کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اور یوں بھی عیب جوئی اور عیب نمائی میرا مسلک نہیں۔ اسلئے ان تنقیدی نوٹوں میں تحسین، ہمدردی اور ہمت افزائی کا پہلو غالب ہے۔ چونکہ میرا مقصد تعمیر ہے تخریب نہیں۔ پھر بھی کوشش کی گئی ہے کہ واقعات سے انحراف نہ ہو اور تنقید تنقید ہی رہے۔

ادوار گزشتہ میں شاعرات کے ناموں کی ترتیب میں زمانہ اور

وقت کا حتی الامکان لحاظ رکھا گیا ہے۔ مگر موجودہ دور میں چونکہ زمانہ کا کوئی خاص سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے کی گئی ہے جس میں کسی تخلص کو تلاش کرنا نسبتہً آسان تر ہے۔

موجودہ مجموعہ میں صرف عفت مآب خواتین کو شامل کیا گیا ہے اس میں شاہدان بازاری کے اشعار و حالات پیش نہیں کئے گئے اسکا سبب یہ نہیں ہے کہ شاہدانِ بازاری کا شمار عورتوں میں نہیں، یا ان کے جذبات قابل اعتنا نہیں اس کے کئی سبب ہیں:۔ اول یہ کہ شاہدانِ بازاری کے کلام کی بابت وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ انہیں کا کلام ہے یا ان کے مداحوں میں سے کسی نے ان کے نام سے کہدیا ہے۔ لیکن یہی اعتراض بعض مواقع پر شاعرات پر بھی صادق آسکتا ہے، اور مجھے اس میں کلام نہیں۔ لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں اس شبہ کے لئے ہر ممکن گنجائش موجود ہے اور یہاں بظاہر اس کے امکانات کم ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ عورت فطرتاً شرم و حیا کا مجسمہ ہے اور یہ چیز نسوانی فطرت کا ایک ضروری جزو ہے۔ ہمارے ذہن میں عورت کے تصور کی لطافت اسی وقت تک قائم ہے جبتک حیا و شرم کے جذبات اس کے ساتھ ہوں یہی وجہ ہے کہ ابتذال و فحاشی ایک دفعہ مرد کی زبان سے اس قدر گراں نہیں

ا۔ میں انگریزی پڑھنے کے بعد بھی اپنے نظریوں میں خالص مشرقی ہوں۔ اور یہ نظریہ بھی مشرقی نظریہ ہے۔ اسکو مغربی کسوٹی پر نہ جانچئے۔ یہ لطافت اس کثافت کی متحمل نہ ہو سکے گی۔

گذرتی اور اس قدر بےحیا سوز نہیں ہوتی جتنی کہ عورت کی زبان سے ہوتی ہے۔ شاہدان بازاری کے کلام کا زیادہ تر حصہ فحاشی و ابتذال پر مشتمل ہے ا مجھے اس سے انکار نہیں کہ شاعرات کے یہاں بھی اکثر مبتذل اشعار ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر یاسمن۔ گوہر۔ ضیاء۔ شرم اور کنیز (فاطمہ بیگم) وغیرہ کے نام پیش کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن واضح رہے کہ ان میں بھی یاسمن اور کنیز دونوں لونڈیاں تھیں بیگمات میں سے نہیں تھیں۔ لیکن پھر بھی فحاشی ان کے کلام میں کہیں کہیں ملتی ہے ان کا عام رنگ نہیں۔ برخلاف اس کے شاہدان بازاری کا عام رنگ یہی ہے چند مثالیں جو بغیر کسی خاص کاوش و اہتمام کے لے لی گئی ہیں ملاحظہ ہوں۔

دلبر (اکبرآبادی)

قسمت میں ہماری نہ ہوا ہائے صد افسوس
اک روز لپٹ کر شب مہتاب میں سونا

امراؤجان زہرہ (لکھنؤ چوک)

سو بوسے گر دیئے ہیں تو دس اور دیجئے
تسبیح میں ضرور ہیں دانے شمار کے

شیریں (لکھنؤ چوک)

رات باقی ہے ٹھہر جا ابھی جلدی کیا ہے
دل شیدا مجھے بیتاب نہ کر وصل کی رات

بگن جان زینب (لکھنؤ چوک)

اچل جو حسرت بوس و کنار میں آئی
چمٹ کے لاش کو قاتل نے خوب پیار کیا

صاحب جان جان

جان و دل بیچتے ہیں ہم اپنا
ایک بوسہ پہ لے لو سستا ہے

بندی جان ناز (آرہ)

منھ سے بولو تو سہی کاہے کی گھبراہٹ ہے

بات کی بات میں ہوتی ہے سحر وصل کی رات

منی بائی حجاب (کلکتہ۔ رامپور میں آکر رہی تھی حجاب اور داغ کے اکثر افسانے مشہور ہیں)

اُنسے کہدو کہ ہمیں تمسے یہ امید نہ تھی
وعدہ ہم سے ہو رہو غیر کے گھر وصل کی رات

شوخ ہو بیباک ہو سفاک ہو چالاک ہو
کیوں شب وصلت میں مجھسے آپ شرمانے لگی

زہرہ (انبالہ)

جان جاتی ہے تمھارے ہجر میں
اب لپٹ جاؤ خدا کے واسطے

خورشید جہاں خورشید (کانپور)

ہم تڑپتے ہیں تو ہنس ہنس کے یہ فرماتے ہیں

کیا ہوا تھا یہ ترا دردِ جگر وصل کی رات

فہمین جان صنم (کلکتہ)

چھاگلیں یار کی کرتی ہیں قیامت برپا
سیکڑوں بار بجاتی ہیں گجر وصل کی رات

یہ کس قدر مخرب اخلاق اور حیا سوز اشعار ہیں! اور ان کا ابتذال فحاشی اور سوقیت کس قدر شدید اور گھناؤنی ہو جاتی ہے جب یہ احساس باقی رہے کہ یہ ایک عورت کی زبان سے نکلے ہیں

یہاں پر بھی یہ رکیک و مبتذل اشعار قاری کے ذوقِ سلیم پر غالباً گراں گزریں گے، مگر ان کو یہاں پیش کرنے کا مقصد ناظرین پر یہ واضح کرنا

ہے کہ اس حیاسوز فحاشی اور اس ابتذال میں جو کچھ شاعرات سلف کے کلام میں بہ اقتضائے رنگ زمانہ ملتا ہے، کیا فرق ہے۔

تیسری وجہ شاہدانِ بازاری کو یہاں شامل نہ کرنے کی یہ ہے کہ ان کو عفت مآب خواتین و بیگمات کے دوش بدوش ایک ہی بزم میں پیش کرنا ان خواتین و بیگمات کی توہین ہے۔ اس لئے میں نے موجودہ مجموعہ کو شاہدانِ بازاری کے کلام سے ملوث نہیں ہونے دیا ہے، البتہ اگر وقت نے فرصت اور واقعات نے اجازت دی تو شاہدانِ بازاری کا ایک تذکرہ علیحدہ مرتب کرونگا۔ اور اسمیں عفت مآب خواتین شامل نہیں کیجائینگی۔

میں موجودہ مجموعہ کیلئے معذرت خواہ نہیں۔ اس لئے کہ مجھے اپنا جرم خود تسلیم ہے، فضلائے ادب کی بے نیازی، اور زمانہ کے گرد و غبار میں چھپے ہوئے ایک گوشۂ ادب کو چراکر میں منظرِ عام پر لانے کی کوشش کر رہا ہوں، اور اس جرم کیلئے ہر سزا کا مستوجب ہوں۔

لیکن! ــــ مجھے اس تذکرہ کے نقائص اور خامیوں کا پوری طرح احساس ہے۔ ان مساعی کی کامیابی وصحت کا دعویٰ نہیں۔ البتہ ادب کے اس شعبہ میں جس کے ساتھ بد قسمتی سے تجاہلِ عارفانہ برتا گیا اور برتا جارہا ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی کوشش ہے۔ تشنہ و غیر مکمل لیکن التفات طلب، اگر آپ نے اس مجموعہ کو اس نظر سے دیکھا کہ کیا ہونا چاہیئے تھا اور کیا ہوا ہے تو میرے گھبرائے ہوئے ضمیر کی وحشت کچھ اور بڑھ جائے گی لیکن اگر آپ کی نظریں اس پر اسطرح پڑیں کہ اس ضمن میں کیا ہو چکا ہے اور

اب کیا کیا گیا ہے تو میں آج بھی اپنے آپ کو محفوظ خیال کرتا ہوں۔

مجھے احساس ہے کہ موجودہ تذکرہ میں اکثر وہ خواتین شامل ہونے سے رہ گئی ہونگی جن کو شامل ہونا چاہیئے تھا۔ مگر اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ مجھے انکی شعر گوئی سے انحراف یا انکی شاعرانہ عظمت سے انکار ہے بلکہ اس کی وجہ ان کے کلام اور حالات کا اسوقت دستیاب نہ ہو سکنا ہے۔ اگر شاعرات نے توجہ فرمائی اور اپنے حالات و کلام وغیرہ مجھے ارسال فرما دیئے تو انشاء اللہ آئندہ اڈیشن میں نہ صرف یہ کہ یہ کمی پوری ہو جائے گی بلکہ موجودہ دور کی زیادہ سے زیادہ شاعرات کے خود نوشتہ حالات اور انتخاب کلام بھی پیش کر سکوں گا جبکی ابتدا اسی اڈیشن سے کر دی گئی ہے نیز ادب نواز حضرات و خواتین سے میری التجا ہے کہ وہ آئندہ اڈیشن کو زیادہ سے زیادہ مکمل صورت میں پیش کرنے کیلئے میری اعانت فرمائیں اور اپنے مفید مشوروں اور پُر خلوص مدد سے مجھے استفادہ کا موقعہ دیں۔

آخر میں ان تمام خواتین کا بہ دل مشکور ہوں جنھوں نے اپنا کلام اور اپنے حالات مجھے ارسال فرمائے، یا دوسری خواتین کے حالات و کلام کی فراہمی میں میری مدد فرمائی۔ میں اس دلچسپی اس ہمت افزائی، اس پُر خلوص اعانت کے لئے بے حد ممنون ہوں ——— اور یہ جذبۂ ممنونیت، یہ اظہار تشکر رسمی نہیں قلبی ہے۔

بریلی
یکم جنوری ۱۹۷۴ء

جمیل

مقدمه

مُقدمہ

تذکرہ نویس اور اُردو شاعرات

شاعرات کے کلام کی تدوین کی ضرورت

اُردو ادب کا ایک نہایت تعجب خیز اور تاسف زا واقعہ یہ ہے کہ جہاں شعراء کے کلام کو شروع ہی سے محفوظ رکھنے اور سراہنے کی کوشش کی گئی وہاں خواتین کی مساعی شعری کو نہایت بے پرواہی سے نظر انداز کیا جاتا رہا۔ مستثنیات زندگی میں ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ اس ضمن میں بھی کہا جا سکتا ہے کہ نساخ نے اپنے تذکرہ "سخن شعراء" (۱۲۸۱ھ) میں کچھ شاعرات کا ضمناً ذکر کر دیا ہے یا اسی طرح دو چار نام اور بھی بتلائے جا سکتے ہیں جہاں کہیں کہیں دو ایک شاعرات کے نام بھی نظر آ جاتے ہیں۔ لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ شاعرات کے ساتھ اس ادبی التفات کا عشر عشیر بھی نہیں برتا گیا جو شعراء کے ساتھ برتا جاتا رہا ہے اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے ممکن ہے اس اغماض کی تھوڑی بہت ذمہ دار ہماری قدیم مشرقی تہذیب اور اخلاق ہو جس میں عورت کو کسی عنوان سے بھی منظر عام پر لانا ایک عیب اور گناہ سمجھا جاتا تھا لیکن افسوس اس کا ہے کہ

یہ تجاہلِ عارفانہ صرف اسلاف تک ہی محدود نہ تھا بلکہ آج اس روشنی ترقی اور تہذیب کے زمانہ میں بھی جو تذکرے اُردو میں قابلِ قدر کہے جا سکتے ہیں ان میں کہیں خواتین کا نام تک نظر نہیں آتا، ممکن ہے ان بزرگوں کے نزدیک صنفِ نازک کے جذبات قابلِ احترام نہ ہوں اور کمال بے نیازی و بیدردی سے تلف کئے جا سکتے ہوں، لیکن کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ جب شاعروں کے کلام کو محفوظ رکھنے کی کوشش کیگئی اور کیجا رہی ہے تو کیوں نہ ان ہی اغراض و مقاصد کے ماتحت خواتین کا کلام بھی مدوّن کیا جائے۔ ممکن ہے جواب میں یہ عذر پیش کیا جائے کہ شاعرات کا کلام شعراء کے کلام سے پست ہے اور اس معیار پر پورا نہیں اُترتا اور اسوجہ سے اسے محفوظ رکھنے کی کوشش نہیں کی گئی اور نہیں کیجا رہی ہے، لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا بہمنی دَور کے اردو شاعروں مثلاً نظامی، نصرتی، رستمی وغیرہ کا کلام آج کی شاعری کے معیار پر پورا اُترتا ہے؟ کیا ولی۔ انشا اور نظیر اکبر آبادی کا تمام تر کلام اس معیارِ شاعری پر پورا اُترتا ہے؟ کیا ناسخ اور ان کے تلامذہ کا بیشتر حصّہ کلام اس معیارِ شاعری پر پورا اُترتا ہے جس کو آج صحیح معنوں میں شاعری سمجھا جا رہا ہے؟ —— اور پھر بھی ان حضرات کا کلام محفوظ رکھا گیا اور آج بھی رکھا جا رہا ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ کوئی معقول عذر ہی نہیں۔ خواتین میں جہاں کچھ شاعرانہ حیثیت سے نومشق اور مبتدی ہیں وہاں بہت سی ایسی خواتین کے نام بھی پیش کئے جا سکتے ہیں جو نہایت

کہنہ مشق، قادر الکلام، صاحبِ ذوق اور خوش گو ہیں۔ یوں تو خود شعراء میں بھی بعض کا کلام بعض سے پست ہے اور پھر بھی محفوظ رکھا گیا اور رکھا جا رہا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ عموماً خواتین کا کلام اس قدر بلند نہیں کہ اساتذہ کے کلام کے مقابلہ پر لایا جا سکے، تاہم صدہا شاعر ایسے نکالے جا سکتے ہیں جن کا کلام اکثر خواتین کے کلام سے پست ہے۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ قلم چونکہ اب تک زیادہ تر مرد کے ہاتھ میں رہا ہے اسلئے وہ عام طور پر عورت کو ٹھکراتا رہا ہے۔ حیاتِ انسانی کا یہ بھی ایک عجیب واقعہ ہے کہ جہاں مرد کی جذباتی تاریخ میں عورت سب سے پیش پیش رہی ہے وہاں اسی عورت کو ہمیشہ پس پشت ڈالا جاتا رہا۔ یہانتک کہ اس کے جذبات تک کو قابلِ احترام نہیں سمجھا گیا۔ کس قدر افسوس اور ناانصافی کی بات ہے کہ دنیا کے تمام ادیبوں کا بیشتر حصہ جس "عورت" کے گرد حلقہ زن ہو اسی عورت کے جذباتِ لطیف اور ادبی کارناموں کو یوں مٹا ڈالا جائے اور اس پر کوئی التفات نہ کیا جائے! میں نہیں سمجھتا کہ فضلائے ادب اپنی شہرت کی پُرنخوت بلندیوں پر پہنچکر بھی کس طرح اپنے اس ادبی جُرم کا جواز پیش کر سکیں گے، وجدانی حیثیت سے بھی جذباتِ عورت کی زبان سے ادا ہونیکے بعد شدید تر ہو جاتے ہیں۔ وہی بات اگر مرد کی زبان سے ادا ہو تو اس میں اتنا کیف و اثر نہیں ہوتا جتنا کہ ایک عورت کی زبان سے ادا ہونیکے بعد اس میں پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ ایک

نفسیاتی حقیقت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد کے جذبات کو عورت سے ایک فطری و جبلی لگاؤ ہے۔ ہندی شاعری میں جو کشش، جو شیرینی اور جو کیف و اثر ہے اس کی ایک بہت بڑی وجہ —— جو اور تمام وجوہات پر فوق ہے —— یہ ہے کہ اس میں جذبات کا اظہار بجائے مرد کے عورت کی زبان سے ہوتا ہے، اسلئے یہ ایک مزید سبب ہے جس کی بناء پر خود عورت کی زبان سے ادا کئے ہوئے جذبات کو محفوظ رکھنا اور اسکی قدر کرنا چاہیئے تھی۔

حیاتِ انسانی کے اس دورِ نہضت میں "عورت" نے جو اہمیت حاصل کرلی ہے وہ چنداں تشنۂ اظہار نہیں۔ زمانہ کروٹ بدل چکا ہے، صدیوں کا جمود ٹوٹ رہا ہے، معاشرت اور تمدن، تہذیب و اخلاق کے خود ساختہ اصول گریزاں ہیں، زمانہ مجبوراً مساوات کیطرف آرہا ہے۔ اسلئے اب خواتین کے ساتھ وہی تجاہلِ ماضی برتنا ان کے جذباتِ لطیف کو ٹھکرانا اور ان کے کارناموں کو قابلِ التفات نہ سمجھنا، انصاف کا خون کرنا ہے۔

چنانچہ ضرورت ہے کہ ان کے کلام کو جمع کیا جائے اور ملک کے اس گرانمایہ ادبی سرمایہ کو محفوظ رکھنے کی کوشش کیجائے۔

اُردو زبان کی تخلیق و ارتقا اور اسمیں شاعری کا آغاز

ہر قوم و ملک کی زبان پر اس کی تاریخ اسکے تمدّن اسکی معاشرت کا بہت اثر پڑتا ہے اُردو بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں اگر ہندوستان کی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کسطرح تاریخی اثرات اس زبان کی تخلیق کا باعث ہوئے۔

اس وقت سے کہ جس وقت کی کوئی مستند تاریخ بھی موجود نہیں ہے، مختلف قومیں شمالی مغربی راستوں سے ہندوستان میں آتی اور بستی رہیں، تاریخ نے ان قوموں کو "غیر آرین" اقوام کے نام سے موسوم کیا ہے، یہ قومیں اپنی اپنی زبانیں اپنے ہمراہ لائیں جو کچھ تبدیل شدہ صورت میں "پراکرت" کے نام سے موسوم ہوئیں۔

تقریباً ساڑھے تین ہزار برس کا زمانہ گزرا بحیرۂ اسود اور بحیرۂ اخضر کے مابین سیحوں اور جیحوں کے سواحل پر اور کوہ قاف کے ارد گرد ایک قوم آباد تھی جو اقتصادی ضروریات کی بناء پر کچھ مغرب کیطرف چلی گئی اور کچھ یورپ میں آباد ہوگئی اور کچھ مشرق میں آکر ایران اور ہندوستان میں آباد ہوگئی۔ ہندوستان میں یہ لوگ "آرین" کہلائے۔ یہ لوگ اپنی زبان اپنے ہمراہ لائے جو "سنسکرت" کہلائی۔

بدھ مذہب کے بانی شاکیا منی مہاتما بدھ ۵۴۳ قبل مسیح میں پیدا ہوئے تھے، انھوں نے پالی زبان میں اپنے مذہب کی اشاعت کی۔ مہاتما بدھ کے یہ فقرے سید محمود رضوی مخمور اکبر آبادی نے نقل کئے ہیں۔

"دھرم کرو۔ دھرم کرو۔ دھرم کا سنکھ پھونکو۔ دھرم کا ڈنڈ مچاؤ۔"

اگر محمود صاحب کی یہ تحقیق صحیح ہے اور واقعی یہ فقرے مہاتما بدھ کے ہیں تو ان سے معلوم ہوتا ہے کہ پالی زبان کس قدر اُردو کے قریب آچکی تھی؛

آرین قوم اپنی زبان کو متبرک سمجھتی تھی اسلئے اس کو دوسرے اثرات سے پاک رکھنے کی انتہائی کوشش کیگئی، تقریباً چار سو برس تک ان کی یہ کوشش کامیاب رہی لیکن پھر رفتہ رفتہ یہ زبان مغلوب قوم دڑوڑوں کی زبان سے خلط ملط ہونے لگی اور اس طرح یہ خفیف تغیر مختلف پراکرتیں ظہور میں آتی رہیں اور مٹتی رہیں؛

مولانا سید سلیمان ندوی نے "نقوش سلیمانی" میں ایک ہندو فاضل کے ایک محققانہ خطبہ کی مدد سے ان پراکرتوں پر کچھ روشنی ڈالی ہے۔ مولانا رقمطراز ہیں :-

"ایک ہندو فاضل مہا مہوپادھیائے گوری شنکر ہیراچند اوجھا نے قرون وسطیٰ میں ہندوستانی تہذیب۔ کے عنوان سے چند خطبے دئے تھے جنکو ہندوستانی اکاڈمی نے اُردو میں ترجمہ کر کے شائع کردیا ہے۔ فاضل موصوف نے اپنی دوسری تقریر کے خاتمہ میں سنسکرت کے بعد یہاں کی پراکرت زبانوں کا کچھ کچھ حال بیان کیا ہے اور ان کی حسب ذیل چھ قسمیں بتائی ہیں :-
ماگدھی۔ شورسینی۔ مہاراشٹری۔ پیشاچی۔ اونتک اور آپ بھرنش۔

۱۔ **ماگدھی** ۔ مگدھ اور اس کے قرب وجوار کے عوام کی زبان تھی قدیم "ماگدھی" اشوک کے کتبوں میں ملتی ہے۔ عام طور پر سنسکرت کے ناٹکوں کے چھوٹے ملازم مثلاً دھیوںد۔ سپاہی بدیسی، جین، سادھو اور بچّوں سے اسی زبان میں باتیں کرائی جاتی ہیں

۲۔ **شورسینی** ۔ شورسین یا متھرا کے قرب وجوار کے علاقہ کی زبان تھی سنسکرت ناٹکوں میں عورتوں اور مسخروں کی بات چیت میں اسکا استعمال اکثر کیا گیا ہے۔

۳۔ **مہاراشٹری** ۔ مہاراشٹرا یعنی مرہٹہ کی زبان۔ اس کا استعمال بالخصوص پراکرت زبان کی شاعرانہ تصانیف کیلئے کیا جاتا تھا۔

۴۔ **پیشاچی** ۔ پیشاچی زبان کشمیر اور ہندوستان کے مغربی و شمالی حصّوں کی زبان تھی۔

۵۔ **اونتکا** ۔ اونتی یعنی مالوہ کی عام زبان تھی یہ زبان اُجین اور مندسور میں رائج تھی۔

۶۔ **آپ بھرنش** ۔ اس زبان کا رواج گجرات، مارواڑ، جنوبی پنجاب، راجپوتانہ اُجین اور مندسور وغیرہ مقامات میں تھا۔ دراصل یہ کوئی زبان نہ تھی بلکہ ماگدھی وغیرہ مختلف پراکرت بھاشاؤں کی بگڑی ہوئی مخلوط بھاشا کا نام ہے۔ راجپوتانہ مالوہ، کاٹھیاوار اور کچھ وغیرہ مقامات کے ڈِنگل بھاشا کے

گیت اس بھاشا کی بگڑی ہوئی صورت ہیں۔ ہیں؛ قدیم ہندی بھی

بیشتر اس بھاشا سے نکلی ہے۔

جنوبی ہند کی بھاشائیں ان کے علاوہ ہیں:-

۱- ٹامل- جنوبی ہند کی زبانوں میں سب سے قدیم اور فایق

ٹامل ہے- اس زبان کا نشوونما زیادہ تر جینیوں کے ہاتھوں ہوا

اس کا رسم الخط سب سے الگ ہے-

۲- ملیالم- ملیبار کی زبان ہے مگر اس میں سنسکرت الفاظ بکثرت

مل گئے ہیں؛

۳- کنڑی- اس زبان کے ادبیات کی پرورش و پرداخت بھی

جینیوں نے کی؛

۴- تیلنگو- اندھرا صوبہ میں مروج ہے؛

(ہندوستان میں ہندوستانی" نقوشِ سلیمانی- از سید سلیمان ندوی) ص ۲۴-۲۵

محمد بن قاسمؒ نے ۹۳ھ ۷۱۱ء میں سندھ پر حملہ کیا اور تین برس تک وہاں قیام کیا- اس زمانہ میں بہت سے عرب سپاہیوں نے ہندوستان میں شادیاں کیں اور یہیں بس گئے ان واقعات نے بھی یہاں کی زبان پر بہت اثر ڈالا- اور یہاں کی مقامی پراکرتوں میں بہت سے عربی الفاظ شامل ہونے لگے-

اس کے بعد محمود غزنویؒ کے متواتر سترہ کامیاب حملوں سے یہاں کی زبان بہت متاثر ہوئی اور رفتہ رفتہ ملکی زبان میں عربی کے

ساتھ ساتھ فارسی الفاظ بھی شامل ہونے لگے۔ محمد غوری کے حملوں نے اس اختلاط کو اور مدد پہنچائی۔ محمد غوری نے ۱۱۹۲ء ۵۸۸ھ میں پرتھی راج کو شکست دیکر اسلامی حکومت مستقلاً ہندوستان میں قائم کردی، اسلئے مسلمانوں کی تہذیب، تمدّن، معاشرت اور زبان کا جو اثر یہاں کی ملکی زندگی اور زبان پر پڑ رہا تھا اس نے بھی زیادہ گہری دیرپا اور مستقل صورت اختیار کرلی۔

مولانا محمد حسین آزاد نے آب حیات میں لکھا ہے، اور اکثر مصنفین نے ان کی نقل کی ہے کہ پرتھی راج کے درباری شاعر چند کوی نے ایک کتاب "پرتھی راج راسو" تین جلدوں اور ستّر حصّوں میں لکھی ہے جو اس وقت کی ہندی کی آئینہ دار ہے۔ اس میں بکثرت عربی و فارسی الفاظ ملتے ہیں لیکن یہ نظریہ کہ یہ کتاب غوریوں کے زمانہ میں لکھی گئی اب قطعی طور سے غلط ثابت ہوچکا ہے اور معلوم ہوچکا ہے کہ شاہجہاں کے عہد سے پہلے نہیں لکھی گئی[1]۔ اس کتاب پر حافظ محمود خاں شیرانی کے فاضلانہ تبصروں نے جو اورنٹیل کالج میگزین میں چھپے ہیں اس بھید کو پوری طرح کھول کر رکھدیا ہے۔ البتہ اس سے پہلے کی ایک ہندی کتاب کا پتہ چلا ہے۔ اس کتاب کا نام "دیسل رائے" ہے احدیہ" نوبت لال" کی تصنیف ہے۔ اسمیں عربی و فارسی آمیز

---

[1] ملاحظہ ہو "نقوش سلیمانی" از سید سلیمان ندوی صد حاشیہ

ہندی کے نمونے ملتے ہیں [۱] اس کے علاوہ مسعود، سلمان اور ابو عبداللہ کے کلام سے بھی زبانوں کے باہمی اختلاط پر بہت روشنی پڑتی ہے!

محمد غوری کے بعد سلطان بلبن۔ سلطان تغلق اور سلطان فیروز کی علم پروری نے اس اختلاط کو بہت ترقی دی سلطان فیروز نے نگر کوٹ سے بہت سی سنسکرت کی کتابیں منگوا کر ترجمہ کروائیں۔ لودیوں میں سکندر علم و ادب کا عاشق تھا اس نے حکام کا انتخاب ذاتی قابلیت پر رکھا۔ ہندوؤں نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا اور خصوصاً کایستھوں نے حصول منصب و جاہ کیلئے فارسی پڑھنا شروع کی۔ فارسی و بھاشا کا یہ اتحاد دراصل موجودہ اردو کا آغاز تھا اسلئے یہ خیال کہ اردو کی بنیادیں شاہجہانی دور میں قائم ہوئیں، داستانِ پارینہ بن چکا ہے۔! دراصل یہی زمانہ اردو کی تخلیق کا زمانہ ہے۔

افغانوں کا زمانہ تاریخ ہند کا نہایت پُر آشوب زمانہ گزرا ہے! لیکن اردو ادب کی تاریخ کا یہ ایک اہم دور ہے، فارسی و بھاشا کا یہ اختلاط و اتحاد ابھی اپنی ابتدائی منزلوں میں تھا کہ ۶۵۲ھ ۱۲۵۵ء میں بہار ادب کے اس نیرِ اعظم نے طلوع کیا جسکو عرفِ عام میں "خسرو" کہتے ہیں یہ پہلی ہستی تھی جس نے اس ساز کے خاموش تاروں کو پہلی دفعہ چھیڑا!

---

[۱] ملاحظہ ہو اردو سروے کمیٹی رپورٹ موسومہ "اردو زبان اور ادب" مرتبہ سید ضامن علی صاحب ایم۔اے۔ صدر شعبہ اردو الٰہ آباد یونیورسٹی۔

اس ساز کی آواز ملک میں پہلی مرتبہ گونجی ــــ یہ آواز سرودِ اُردو کا اوّلین نغمہ تھی! امیر علیہ الرحمۃ کے اُردو کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو:-

سب کوئی اس کو جانے ہے ـــ پر ایک ہی نہیں پہچانے ہے
آٹھ گھڑی میں میکھا ہے ـــ فکر کیا اُن دیکھا ہے ؎۱

امیرؒ کے بعد نظر کبیر (۱۴۴۰ء/۸۴۳ھ تا ۱۵۱۸ء/۹۲۴ھ) پر پڑتی ہیں۔ ہر چند کہ کبیر ہندی کے شاعر تھے پھر بھی ان کے یہاں اکثر صاف اُردو کے اشعار نظر آتے ہیں

کر گذران غریبی پر ـــ مغروری کس پر کرتا ہے

یہ تن ہے کاغذ کی پڑیا ـــ بوند پڑے گل جاؤ گے
کہیں کبیر سنو بھئی سادھو ـــ اک نام بنا پچھتاؤ گے

گنگا جاؤں نہ جمنا جاؤں ـــ نہ کوئی تیرتھ نہاؤں
ڈالی چھیڑوں نہ پتہ چھیڑوں ـــ نہ کوئی جیو ستاؤں
کہیں کبیر سنو بھئی سادھو ـــ میں واہی کے بھجن گاؤں

جب مغلوں کا زمانہ آیا تو یہی مخلوط زبان، ایک نئے رنگ میں ظاہر

؎۱ ملاحظہ ہو "اُردوئے قدیم" یہ دونوں شعر حمد باری میں ہیں۔

ہوئی کیونکہ کھانے پینے کی چیزوں اور رہنے سہنے کی جگہوں کیلئے اب تقریباً تمام عربی و فارسی الفاظ استعمال ہونے لگے تھے اور ان ہی زبانوں کی صرف و نحو اور لغات اب ہندی میں آگئے تھے۔ اسکی ایک بڑی وجہ خود اکبر کی سیاسی پالیسی تھی، ہندو شہزادیوں کے محل میں آنے، ہندوؤں سے ربط ضبط بڑھنے اور خود محل کے اندر ہندو تہوار منائے جانے کی وجہ سے فارسی اور بھاشا کے اس اختلاط کو بہت تقویت پہنچی اور اس طرح خود شاہی محل میں اس نوزائیدہ زبان کی پرورش ہونے لگی۔ اس کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ شاہجہاں اپنے بھائی کو "شاہ بھائی" اور دادا کو "شاہ دادا" کہتا تھا۔ اسی زمانہ میں اُردو زبان فارسی نظم کے سانچے میں ڈھلی اور اسوقت سے اس میں اور ہندی میں فرق پیدا ہو گیا۔ اس زمانہ سے اُردو کا علمی دَور شروع ہوتا ہے۔ اس لئے مغلوں کا زمانہ کتابی اور تحریری اُردو کے ظہور کا زمانہ ہے۔

امیر خسروؒ نے اُردو شاعری کا آغاز ضرور کیا — لیکن یہ صرف آغاز ہی تھا اُردو زبان کے اوّلین شعراء دکن میں پیدا ہوئے۔ ابتک سمجھا جاتا تھا کہ دکن اسکول کے قیام کا زمانہ ۹۸۹ھ ۱۵۸۱ء یعنی محمد قلی قطب شاہ کا عہد ہے۔ لیکن حال ہی میں تحقیقات جدیدہ سے اس سے بھی پہلے بہمنی دَور کے کچھ اُردو شاعروں کا پتہ چلا ہے جس سے اب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ دکن اسکول کے قیام کا زمانہ قطب شاہی دور نہیں بلکہ بہمنی

دورِ (۷۴۸ھ ۱۳۴۷ء تا ۹۳۲ھ ۱۵۲۵ء) ہے - دکن میں اردو کا مکمل خاکہ اس وقت تیار ہو چکا تھا -

خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رح جو حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کے مرید اور خلیفہ تھے بہمنی حکومت کے زمانہ میں ۸۰۱ھ ۱۳۹۷ء میں دکن گئے اور وہیں ۸۲۵ھ ۱۴۲۲ء میں انتقال فرمایا اسوقت دکن میں اردو (جسکے دوسرے قدیم نام ہندی، ہندوی، ہندوستانی اور دکھنی وغیرہ بھی ہیں) [1] عام طور سے رائج ہو چکی تھی، نثر میں خواجہ صاحب کے اکثر جملے تو کچھ مصنفین نے نقل کئے ہیں مگر مولانا عبد الحق صاحب بی - اے معتمد انجمن ترقی اردو نے اپنی تالیف "اردو کی ابتدائی نشو ونما

---

[1] ملاحظہ ہو "نقوش سلیمانی" از سید سلیمان ندوی،

یہ خیال کہ اس زمانہ میں دکن میں اردو ریختہ کے نام سے پکاری جاتی تھی غلط ہے - یہ غلطی اکثر مصنفین نے کی ہے یہاں تک کہ خود اردو سروے کمیٹی کی رپورٹ میں یہ غلطی موجود ہے، صفحہ ۱۱ پر تحریر ہے ؛

"دکن میں اردو نہ محض پورے طور پر بولی جاتی تھی بلکہ رفتہ رفتہ ادبی زبان ہو گئی تھی اور ریختہ کے نام سے پکاری جاتی تھی"

واقعہ یہ ہے کہ دکن میں ولی سے پہلے اردو کبھی ریختہ کے نام سے نہیں پکاری گئی - سب سے پہلے ولی نے (اور وہ بھی غالباً سفر دہلی یعنی تقریباً ۱۱۲۰ھ ۱۷۰۰ء کے بعد) اس لفظ کا استعمال اردو کیلئے کیا ہے

یہ ریختہ ولی کا جاکر اسے سنا دو ٭ رکھتا ہے فکر روشن جو انوری کے مانند

ملاحظہ ہو :- مقالات ہاشمی از جناب نصیر الدین ہاشمی حصہ اول ص ۳۰۸ - ۳۱۰

میں صوفیاء کرام کا کام" میں ایک قدیم بیاض کے حوالہ سے خواجہ صاحب کے کچھ اشعار بھی نقل کئے ہیں اور سید نصیر الدین ہاشمی نے اپنی کتاب "مقالات ہاشمی" حصہ اول میں "خواجہ بندہ نوازؒ کی ہندوستانی شاعری" کے نام سے ایک مقالہ تحریر کیا ہے جس میں خواجہ صاحب کے نام سے کچھ اردو اشعار پیش کئے گئے ہیں۔ اگر یہ اشعار واقعی خواجہ صاحب کے ہیں، اور بعد کو ان کے کسی معتقد نے کہہ کر ان کے نام سے وابستہ نہیں کر دیئے ہیں تو ہمیں دکن میں اردو شاعری کا آغاز قطب شاہی دور سے تقریباً سو برس پہلے سے کرنا چاہیے۔ ان اشعار میں جو خواجہ صاحب کے نام سے مولانا عبدالحق صاحب نے کسی قدیم بیاض سے نقل کئے ہیں ایک مثلث بھی ہے جو ہاشمی صاحب نے بھی نقل کیا ہے۔ وہ مثلث یہ ہے:

او معشوق بے مثال نور نبی نہ پایا
اور نبی رسول کا میرے جیو میں بھایا
اپیں اپیں دکھاونے کیسی آرسی لایا

خواجہ صاحب کا ایک اور نعتیہ شعر ملاحظہ ہو۔ جو ہاشمی صاحب نے نقل کیا ہے،

اے محمدؐ ہجلو جم جم جلوہ تیرا ذات تجلی ہوگی سیں پور نہ سہرا

بہمنی دور حکومت کے ایک قدیم ممتاز دکنی شاعر کا حال ہی میں پتہ چلا ہے، جس کا تخلص نظامی تھا اس کا زمانہ ۸۶۳ھ / ۱۴۵۸ء ہے اس کی مثنوی "کدم راؤ پدم راؤ" ہے جس کے چار شعر یہ ہیں:۔

کہوں سد سانچی نظامی دھرم پدم سب سنے بات پانچی کدم

شہنشاہ بڑا شاہ احمد کنوار[1] پرت پال اسپنا کو تار ادھار

عطارد مسخر ہوا اسے قلم مسخر کیا سو روے بہت علم

چمکنے لگے جب کنک ماہتیر پرہاوا کیا دھرت آکاس پر

اس کے بعد دکن میں قطب شاہی (گولکنڈہ) اور عادل شاہی (بیجاپور) دَور کے اُردو شاعر ملتے ہیں۔

قطب شاہی دَور کے شاعروں میں سب سے پہلے خود محمد قلی قطب شاہ (۹۸۸ھ/۱۵۸۰ء تا ۱۰۲۰ھ/۱۶۱۱ء) کا نام آتا ہے جو ابراہیم عادل شاہ بیجاپور اور جہانگیر کا ہمعصر تھا[2]۔ فارسی اور اُردو میں شعر کہتا تھا اس کے اُردو کے دو شعر یہ ہیں:—

ہے محمد قطب شہ بارہ اماماں کا غلام میں سو عاجز داس ٹھیرایا علی سنج دستگیر
آیت قرآں جیوں نازل ہوا حضرت کی تئیں مرتضیٰ ہیا بس دو جگ میں جیوں محمد بینظیر

---

[1] یہ مثنوی احمد شاہ ثالث (۸۶۵ھ/۱۴۶۰ء تا ۸۶۷ھ/۱۴۶۲ء) کے عہد میں لکھی گئی تھی، جو خاندان بہمنی کے گیارھویں حکمراں علاء الدین ہمایوں شاہ (۸۶۲ھ/۱۴۵۷ء تا ۸۶۵ھ/۱۴۶۰ء) کا لڑکا تھا۔

[2] سید عبدالحی صاحب نے گل رعنا میں اسی قطب شاہ کی بابتہ لکھا ہے کہ "یہ اُردو کا پہلا شاعر ہے جس تک ہماری نظریں پہنچ سکی ہیں"۔

محمد قطب شاہ (۱۰۲۰ھ ۱۶۱۱ء تا ۱۰۳۵ھ ۱۶۲۵ء) بھی جو محمد قلی قطب شاہ کا بھتیجہ، داماد اور جانشین تھا، اردو میں شعر کہتا تھا اس کے صاف اشعار کا انداز یہ ہے:

ساقیا! شراب ناب کہاں چندر کی پیالی میں آفتاب کہاں

پیا سانولا من ہمارا لبھایا نزاکت عجب سبز رنگ میں دکھایا

اس کا بیٹا عبد اللہ قطب شاہ (۱۰۳۵ھ ۱۶۲۵ء تا ۱۰۸۳ھ ۱۶۷۲ء) بھی جو اس کے بعد تخت پر بیٹھا شاعر تھا۔

عادل شاہی دور کے شاعروں میں دو نام بہت ممتاز ہیں۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی الملخاطب بہ "جگت گرو" والی بیجاپور (۹۸۸ھ ۱۵۸۰ء تا ۱۰۳۷ھ ۱۶۲۷ء) جو عادل شاہی خاندان کا چھٹا حکمراں تھا اور کمال خاں دبیر رستمی جو محمد عادل شاہ (۱۰۳۷ھ ۱۶۲۷ء تا ۱۰۶۷ھ ۱۶۵۶ء) کے عہد کا شاعر گذرا ہے۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی کی مشہور تصنیف "نورس" [۱] ہے۔ اس کی ابتدا

---

[۱] اس کتاب کا ذکر گل رعنا، تاریخ ادب اردو مترجمہ مرزا محمد عسکری اور اردو شہ پارے وغیرہ میں آیا ہے لیکن ان سب نے اس کو علم موسیقی کی ایک کتاب کہا ہے (ملاحظہ ہو گل رعنا صـ۲۳ - تاریخ ادب اردو صـ۷۵ - اردو شہ پارے صـ۳۴ - صـ۳۵) لیکن سید نصیر الدین ہاشمی جنھوں نے اس کتاب کو خود دیکھا ہے وہ رقمطراز ہیں "اب تک خیال یہ تھا کہ "نورس" فن موسیقی کی کتاب ہے اور اس میں راگ راگنیوں کی تفصیل و تشریح درج ہوگی مگر دراصل اس میں ہندی راگ راگنیوں کے اقسام یا ان کے قواعد درج نہیں ہیں بلکہ بعض راگوں کے تحت دکھنی نظمیں لکھی گئی ہیں"۔ (مقالات ہاشمی حصہ اول صـ۳۹)

حسب ذیل عنوان اور شعر سے ہوئی ہے۔

"اپنچلی در مقام کوری"

سید محمدؒ[1] میرے دل پر نانو جیوں رسول کر لکھے عرش تھانو

خاتمہ ذیل کے شعر پر ہوا ہے،

رام گیری راگنی گستوری سیا سو کیس کیس دھملا

اس کے دو اور شعر جن میں "نورس" کا نام آیا ہے یہ ہیں،

سہلا "نورس" کلیاں بدھاوے ابراہیم گر گنی گاوے

بن بیچ تھاوی "نورس" کا آتی بھر بھر دارو پیالا پیلانی

رستمی نے "خاور نامہ دکھنی" کے نام سے ایک رزمیہ مثنوی تصنیف کی جو دراصل فارسی خاور نامہ مصنفہ حسام کا ترجمہ ہے اسکے دو شعر ہیں۔

خلق کہتی ہے مجھکو کمال خاں دبیر تخلص سو ہے رستمی بینظیر

خاور نامہ دکنی کیتا ہوں نام ہوا خاوران پر قصہ تمام

ان کے علاوہ قطب شاہی اور عادل شاہی دور کے مشہور شاعروں میں وجہی، ابن نشاطی، غواصی، احمد جنیدی شاہی مرزا شغور نصرتی اور ہاشمی وغیرہ گزرے ہیں۔ غواصی کی تصنیف

---

[1] سید محمدؒ سے مراد خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ ہیں۔

"طوطی نامہ نخشبی"[اھ] مولانا نصرتی کی مثنویاں "گلشن عشق" اور "علی نامہ" مشہور ہیں۔ ہاشم علی برہانپوری۔ کاظم علی، رام راؤ سیوا، اور قلی خاں اس دور کے مشہور مرثیہ گو گزرے ہیں۔

اھ۔ یہ کتاب نخشبی کے طوطی نامہ کا ترجمہ ہے۔ اور بالکلیہ دکنی نظم ہے۔ اس کتاب کے متعلق ابتک عام طور سے یہ مشہور ہے کہ اسکا ایک مصرعہ اردو اور ایک فارسی میں ہے۔ "شعر الہند" اور "اردو سروے کمیٹی کی رپورٹ" تک میں اسکے متعلق یہی صراحت ملتی ہے، مولانا عبد السلام صاحب ندوی شعر الہند میں لکھتے ہیں "غواصی نے طوطی نامہ نخشبی کو نظم کیا جسکا ایک مصرعہ ہندی اور ایک مصرعہ فارسی تھا"۔ اردو سروے کمیٹی کی رپورٹ میں اسکے متعلق لکھا ہے "غواصی نے نخشبی کے طوطی نامہ کا ترجمہ کیا تھا جس کا ایک مصرعہ ریختہ اور ایک فارسی تھا" اس قسم کے تمام بیانات غالباً میر حسن کے تذکرہ سے ماخوذ ہیں جس میں اس کتاب کے متعلق یہ صراحت ملتی ہے۔

"غواصی تخلص در وقت جہانگیر بادشاہ بود، طوطی نامہ نخشبی را نظم نمودہ است بزبان قدیم نصفے فارسی و نصفے ہندی بطور ریختہ کہا فی ؟"

لیکن دراصل یہ تمام بیانات غلط ہیں۔ سید نصیر الدین ہاشمی صاحب نے جنھوں نے خود اس کتاب کو دیکھا ہے، نیرنگ خیال بابتہ ماہ جولائی ۱۹۲۹ء میں اسکے متعلق ایک مفصل مضمون لکھکر اس غلطی کا ازالہ کر دیا ہے، جیسا کہ اوپر بتایا گیا، یہ کتاب بالکل دکنی نظم ہے، اس کے چند شعر ملاحظہ ہوں:-

رتن غواص دریائے لولاک کا	جھلک لامکاں نور افلاک کا
محمد نبی سید المرسلین	سدا روشنا اسنے دنیا ہور دین
کہتے ہیں جو تھا کوئی سوداگر ایک	وجاہت سنے پاک صورت میں نیک
جہاں میں جھلکتا اچھو جم مدام	بحق محمد علیہ السلام
غواصی اگر توں ہے سچا غواص	لگا عشق اپنا خدا سات خاص

اس کتاب کے دو نسخے برٹش میوزیم میں موجود ہیں۔

دکن کے حملوں کے سلسلے میں عالمگیرؒ کی عمر کا ایک بڑا حصہ اورنگ آباد میں بسر ہوا۔ حیدر آباد کی تباہی کے بعد شعراء اورنگ آباد آکر بس گئے اور ایک عرصہ تک یہ علم و ادب اور اُردو شاعری کا گہوارہ رہا۔ ان شعراء کی زبان نسبتاً کچھ صاف ہوگئی تھی پھر بھی دکن کے الفاظ و محاورات ان کے یہاں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اس دَور کے شعراء میں سب سے زیادہ عروج شمس الدین ولیؒ[1] کو حاصل ہوا۔ ولی کا اثر اُردو شاعری پر دو طرح سے پڑا۔ اوّل یہ کہ فارسی کی تمام بحریں اُردو میں آگئیں اور آئندہ کیلئے اُردو شاعری کا نمونہ بن گئیں۔ دوم یہ کہ ان بحروں کے ساتھ فارسی کی اصطلاحات، شاعرانہ محاورے، استعارے اور تشبیہیں بھی تمام اُردو میں آگئیں۔ یہ چیز ابتدائی دَور میں اُردو شاعری کے لئے معین و مددگار ثابت ہوئی۔ چونکہ اسوقت تک اُردو شاعری کا کوئی مستقل انفرادی خاکہ تیار نہیں ہوا تھا، اور اسے کسی بیرونی ملدنہ اور نمونہ کی ضرورت تھی مگر بعد کی یہی چیز اُسکے لئے بہت مضر بھی ثابت ہوئی۔ اُردو کے شاعر صرف فارسی شاعری کی

---

[1] اب تک ولی کے متعلق جو معلومات حاصل تھیں وہ آبحیات اور دوسرے تذکروں تک محدود تھیں۔ مگر پروفیسر سیّد ابراہیم صاحب سیانی ام۔اے کی مساعی قابل داد ہیں کہ انھوں نے ولی کے کلام کو مدون کر کے "دیوان ولی" کے نام سے شایع کر دیا ہے۔ ولی کے متعلق یہ ایک قابل قدر کتاب ہے۔

تقلید میں اُلجھ کر رہ گئے۔ اور اس وجہ سے اُردو شاعری کا کوئی علحدہ انفرادی قالب تیار نہیں ہو سکا اور اس طرح اسکی اصلی ترقی رک گئی۔

سنہ ۱۱۱۸ھ (۱۷۰۶ء) میں دکن میں اورنگ زیب رح کا انتقال ہو گیا اور اس طرح دکن کی مہم کا جو بیس برس سے جاری تھی خاتمہ ہو گیا۔ امرا بھی برسوں کی جنگ سے پریشان ہو چکے تھے، عالمگیرؒ کے بعد جب محمد شاہ رنگیلے تخت پر بیٹھے تو دلّی شعراء کا مرکز بن گیا۔ امرا بھی شعر و شاعری میں دلچسپی لینے لگے۔ مشاعرے منعقد ہونا شروع ہو گئے اور اب اُردو شاعری کی نشو و نما بجائے دکن کے دہلی میں ہونے لگی۔ ولیؔ اور دیگر شعراء بھی دکن سے آئے۔ یہ دراصل دہلی اسکول کا قیام تھا۔ ولیؔ کی پیرانہ سالی کے زمانہ میں سوداؔ و میرؔ کا شباب تھا مظہر جانجاناںؔ۔ دردؔ۔ سوزؔ۔ قائمؔ۔ یقینؔ وغیرہ سب اسی زمانہ سے متعلق ہیں۔

دہلی میں محمد شاہ کے عہد میں اُردو کیطرف خاص توجہ کیگئی بہادر شاہ کے زمانہ میں بیدلؔ المتوفی سنہ ۱۱۳۳ھ (۱۷۲۱ء) ادھر توجہ کی ان کے شاگرد امیروں میں ایک محمد امیر خاں انجامؔ تھے۔ جب ان دونوں کو اُردو شاعری سے دلچسپی پیدا ہوئی تو ان کے ساتھ اور بھی بہت سے اُردو شاعر پیدا ہو گئے۔ انھوں نے ایک انجمن قائم کی جس کا کام الفاظ کی چھان بین اور تحقیق تھی۔ تحقیق شدہ الفاظ تمام ہندوستان میں بطور سند کے بھیجے جاتے تھے۔ محمد شاہ نے امیر خاں انجام کو "عمدۃ الملک" کا خطاب دیکر اپنا وزیر بنا لیا تھا۔ اسلئے یہ انجمن "عمدۃ الملکی انجمن" کے نام سے مشہور ہے۔ ۱؎

۱؎ ملاحظہ ہو "مغل اور اُردو" مصنفہ نواب سید نصیر حسین صاحب خیالؔ ص ۵۰

دہلی اسکول کے سلسلے میں غالب، مومن، شیفتہ اور ذوق وہ نام ہیں جو اُردو شاعری کی تاریخ میں سونے کے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں پہنچکر اُردو شاعری اپنی ترقی کے بام بلند پر پہنچ گئی۔ دہلی اسکول کی ممتاز ترین خصوصیت روحانی اور جذباتی تجربات کا شاعری میں اظہار ہے، اور شاعری کا یہی نظریہ صحیح ترین نظریہ ہے۔[۱]

جب شاہ عالم کے زمانہ میں دہلی پر تباہی آئی تو آشوب زمانہ سے مجبور ہوکر شعراء رفتہ رفتہ دلّی سے نکلکر لکھنؤ میں پناہ لینے لگے۔ یہاں آصف الدولہ کے عہد وزارت سے غازی الدین حیدر کے زمانہ تک ان خانماں برباد شعراء کی بہت قدر و منزلت ہوئی۔ اس دور میں ہر امیر کے دربار میں شعراء کا وجود شان امارت میں داخل ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مرزا سلیمان شکوہ کا نام کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا جن کے دامنِ تربیت میں مصحفی و جراٗت جیسے شاعروں کی تربیت ہوئی۔ انشا کو میر سعادت علیخاں کی مصاحبت نصیب ہوئی۔ رفتہ رفتہ اس زمانہ میں لکھنؤ شاعری کا ایک مخصوص طرز قائم ہو گیا۔ یہ لکھنؤ اسکول کا آغاز تھا۔ ناسخ اور آتش کا زمانہ لکھنؤ اسکول کے عروج کا زمانہ تھا۔ اسوقت لکھنؤ کی معاشرت میں جو نزاکت اور عیش پرستی

۱ے شعر الہند حصہ اول صد۲۷

پیدا ہوگئی تھی اس کا اثر اسوقت کی لکھنؤ شاعری پر بھی پڑا ہے

لکھنؤ شاعری کا ابتذال اسی عیش پرستی کا آئینہ دار ہے۔ سودا اور میر کے زمانے میں اگرچہ زبان بہت کچھ صاف ہوگئی تھی پھر بھی اس میں اکثر غلط، بھدّے اور ثقیل الفاظ موجود تھے۔ شیخ ناسخ نے زبان کو غلط الفاظ سے پاک کیا۔ اور اپنی تمامتر توجّہ اصلاح زبان کی طرف منعطف کردی۔ اس سے اتنا فائدہ تو ضرور ہوا کہ زبان شستہ اور پاکیزہ ہوگئی مگر اس ہنگامہ میں شاعری کا اصل مطمح نظر یعنی ترجمانی جذبات نظروں سے محو ہوگیا۔ اور شاعروں کی توجّہ خوبصورت اور صحیح الفاظ و محاورات کے چناؤ میں گھر کر رہ گئی۔

نواب یوسف علیخاں (۱۸۵۵ء تا ۱۸۶۵ء / ۱۲۷۱ھ تا ۱۲۸۱ھ) اور انکی وفات کے بعد نواب کلب علیخاں (۱۸۶۵ء تا ۱۸۸۷ء / ۱۲۸۱ھ تا ۱۳۰۴ھ) کے عہد میں رامپور میں شعراء کی بیحد قدر و منزلت ہوئی۔ نواب کلب علیخاں کی قدر افزائیاں ہر صاحب کمال کو گرویدہ کئے ہوئے تھیں۔ ان کے دربار میں اکثر اساتذہ، دہلی و لکھنؤ کا مجمع رہا اور بازار شاعری خوب گرم رہا یہ وہ زمانہ تھا کہ امیر، داغ، منیر، جلال، تسلیم وغیرہ وغیرہ جیسے باکمال شعراء سب رامپور میں موجود تھے لیکن یہ صورت زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی نواب موصوف کی وفات کے بعد یہ محفل درہم برہم ہوگئی۔ کچھ شعراء حیدرآباد چلے گئے اور کچھ نے اپنی اپنی راہ لی۔ اور دنیائے ادب کا یہ درخشندہ دور جلد ہی افسانۂ ماضی بن گیا۔

غدر ۱۸۵۷ء (۱۲۷۴ھ) کے بعد سے سیاسیات کے جدید نظم و نسق کے ساتھ انگریزی زبان ذریعۂ تعلیم قرار دی گئی اور اس کے لحاظ سے عوام کی تہذیب، اخلاق اور معاشرت پر بھی انگریزی اثرات غالب آنے لگے اور دراصل یہی اثرات شاعری میں دورِ جدید کے آغاز کے محرک ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید شاعری کا آغاز مغربی ادبیات کا منت کش ہے۔ جدید دَور کا آغاز دراصل ۱۸۷۴ء (۱۲۹۱ھ) سے ہوتا ہے جب مولانا محمد حسین آزاد نے لاہور میں ایک مشاعرہ منعقد کیا جس میں "طرح" کی بجائے "خاص" عنوان پر نظمیں لکھوائی گئی تھیں۔ آزاد نے شاعری میں لفظی صناعی سے گزر کر اس طرز کی بنا ڈالی جس کا عنصر غالب "پیغام" اور "اصلاح" ہے، جس کام کو آزاد نے صرف شروع کیا تھا۔ اس کو حالی نے عملی جامہ میں پیش کیا۔ دَورِ جدید کے علمبرداروں میں آزاد۔ حالی شبلی۔ مولانا اسمٰعیل۔ اور اکبر الہ آبادی کے نام خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ ان حضرات نے جنسی عشق و محبت کے تصور سے بلند ہو کر ملکی، ملّی اور اخلاقی مضامین پر زور دیا۔ دورِ جدید کی بہترین پیداوار اقبال کی صورت میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی اقبال رح نے ملّی و اخلاقی شاعری کو اپنا موضوعِ فکر بنا لیا اور اسکو اس مقام بلند تک پہنچا دیا جس کی مثال اُردو تو کیا عربی اور انگریزی ادب میں بھی ملنا مشکل ہے۔

موجودہ دَور میں قصیدہ، مرثیہ، اور مثنوی پر کوئی خاص

توجہ نہیں کی گئی۔ غزل گوئی کا دور بھی کم ہو گیا اور اس کی جگہ
مختلف قسم کی نظموں نے لے لی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ
موجودہ دور کے شعراء نے محسوس کیا کہ غزل جس کا ہر شعر بلحاظ معنی منفرد
اور دوسرے اشعار سے غیر مربوط ہوتا ہے، مسلسل جذبات کی ترجمانی کا
نہایت ناقص ذریعہ ہے، اور چونکہ اعلیٰ قسم کی شاعری کیلئے صرف چند
مختلف انفرادی جذبات کی انفرادی ترجمانی کافی نہیں بلکہ مسلسل جذبات
کا اظہار ضروری ہے اس لئے انھیں غزل سے بلند ہو کر نظم کو اپنے
جذبات کے اظہار کا ذریعہ بنانا پڑا۔

موجودہ دور میں کچھ مذہب پرستی، کچھ قوم نوازی، کچھ تعصب پروری
اور کچھ سیاسی اغراض و مقاصد کے تحت اردو کو مٹا دینے کی کچھ
نامحمود و نامسعود تحریکیں ملک میں اٹھ کھڑی ہوئی ہیں، اور سنیما اس
مہلک تحریک کو بہت پھیلا رہا ہے۔ لیکن ارباب نظر کا خیال ہے
کہ ع

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

اردو صرف مسلمانوں ہی کی نہیں ہندوؤں کی بھی زبان ہے اس
کی ترکیب فارسی و عربی ہی سے نہیں بھاشا اور سنسکرت سے بھی ہوئی
ہے اس کی بنیادیں مسلمانوں ہی کے نہیں ہندوؤں کے بھی جذبات
پر قائم ہوئی ہیں۔ اگر آج یہ محل مسمار کیا جاتا ہے تو دونوں قوموں کا
نقصان ہے۔ دونوں کا خسارہ ہے۔ دونوں کی صدہا سال کی مجموعی

مساعی کے نتیجہ کو صدمہ پہنچنے کا ڈر ہے۔

سر تیج بہادر سپرو کا یہ قول غور طلب ہے کہ

"اُردو ہمارے دیرینہ تمدن و تاریخ کی یادگار ہے۔ جو لوگ اُردو کی مخالفت کرتے ہیں وہ ہندوستان کی ہزار سالہ تاریخ کے بدل دینے کے خیال خام میں مبتلا ہیں۔"

اور آپ کا یہ بیان یاد رکھنے کے قابل ہے:۔

"اُردو ہمیشہ سے ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ جائداد رہی ہے اور ہے۔ اگر ہندو اُردو کو تباہ کرتے ہیں تو اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ خود اپنی جائداد کو تباہ کر رہے ہیں"[1]

---

[1] ماخوذ از تقریر "اُردو زبان" جو صاحب موصوف نے یوم آزادی کے موقعہ پر فرمائی تھی اور جو سالنامہ نیرنگ خیال بابتہ جنوری ۱۹۳۹ء میں چھپی تھی

اُردو شاعرہ خواتین کے کلام پر ایک نظر

خواتین میں اُردو شاعری کی ابتدا ملکۂ نورجہاںؒ؟

خواتین میں اُردو شاعری کی ابتداء "صاحب جلوۂ خضر" کی تحقیق کے مطابق عہدِ جہانگیری سے ہوتی ہے۔" جلوۂ خضر" میں ملکہ نورجہاں بیگم کو اُردو کی شاعرہ بتایا گیا ہے

۱۔ نورجہاں کا نام مہرالنسا تھا۔ ان کے والد مرزا غیاث بیگ بوجہ غربت تلاش معاش میں قندھار سے ہندوستان آئے۔ رفتہ رفتہ اکبر کے دربار میں انھیں ایک اچھا عہدہ مل گیا۔ مہرالنسا اپنی والدہ کے ہمراہ محل میں آنے جانے لگی اس کا حسن دیکھکر شہزادہ سلیم اس پر عاشق ہوگیا۔ اس واقعہ کی خبر جب اکبر کو ہوئی تو اس نے مہرالنسا کی شادی علی قلی خاں المعروف بہ شیر افگن سے کردی۔ جب سلیم تخت پر بیٹھا تو اس نے شیر افگن کو بنگال میں بردوان کی جاگیر عطا کی۔ (ملاحظہ ہو۔ اسمتھ۔ آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا صث ۳۷۷) بعض افترا پرداز مورخین نے لکھا ہے کہ جہانگیر بادشاہ ہوا تو اس نے شیر افگن کو دھوکے سے قتل کروادیا مگر تاریخ کا یہ ایک شرمناک دروغ ہے۔ ڈاکٹر بینی پرشاد اپنی کتاب" تاریخ جہانگیر" میں اس قصہ کو بالکل غلط بتاتے ہیں' وہ کہتے ہیں کہ بادشاہ کا دامن شیر افگن کے قتل سے بالکل آلودہ نہ تھا۔ اصل واقعہ یہ تھا کہ جہانگیر کو شیر افگن پر بعض وجوہ کی بناء پر سلطنت کے خلاف سازش کا شبہ ہوا۔ چنانچہ اس نے خود اپنے سوتیلے بھائی

اور نور جہاں کے حسب ذیل دو اُردو شعر نقل کیے گئے ہیں جو یہ ہیں ؎

دیں جگہ زخم جفا کو دلِ صد چاک میں ہم
دیکھیں گر کچھ بھی وفا اس بتِ بیباک میں ہم
نقشِ پا کی طرح اے راحتِ جانِ عاشق
تیرے قدموں سے جدا ہو کے ملے خاک میں ہم

لیکن یہ بیان مصنّف موصوف کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ ان اشعار کے

[بقیہ پچھلے صفحہ سے] قطب الدین کو کا کو بنگال روانہ کیا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ ڈاکٹر بینی پرشاد کی زبانی سُنیئے وہ لکھتے ہیں :۔

"جب شیر افگن قطب الدین سے ملنے آیا تھا تو شاہی فوج نے اس کو گھیر لیا۔ اس بات کو دیکھکر شیر افگن سخت برہم ہوا۔ اور قطب الدین اس کو دھیما کرنے کے لیئے بڑھا ہی تھا کہ شیر افگن نے اس پر تلوار کا وار کر دیا قطب الدین زخمی ہو کر تقریباً مر چکا تھا۔ لیکن اس نے بھی اپنی فوج کو حکم دیدیا کہ شیر افگن کو مار ڈالیں۔ اور ایک کشمیری سپاہی نے جو قطب الدین کی فوج میں تھا شیر افگن کو گرا دیا اور دیگر شاہی سپاہیوں نے ہر طرف سے گھیر کر اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ شیر افگن کے یوں مارے جانیکے بعد ہی قطب الدین کی روح بھی جسم سے پرواز کر گئی۔"

(تاریخ جہانگیر صہ ۱۲۶)

متعلق اب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ معین الدین معین بدایونی شاگرد مرزا سودا کے ہیں۔ میر حسن کے تذکرے میں یہ دونوں شعر اور اسی غزل کا ایک اور شعر معین کے حالات میں موجود ہیں۔
ویسے بھی ان اشعار کی زبان کو دیکھنے کے بعد اس قسم کی غلطی کرنا تعجب خیز ہے زبان کی شستگی، صفائی و سلاست اور تراکیب و بندش کی چستی سے یہ بخوبی ظاہر ہے کہ یہ اشعار بہت بعد کے زمانہ کے ہیں۔

[پچھلے صفحہ سے] یہ واقعہ ۱۰۱۶ھ ۱۶۰۷ء میں ہوا۔ اس کے بعد مہر النساء بیوہ ہو کر آگرہ چلی آئی اور تقریباً چار برس کے بعد ۱۰۲۰ھ ۱۶۱۱ء میں جہانگیر سے اس کی شادی ہو گئی اور اس کو "نور محل" اور پھر "نور جہاں" کا خطاب دیا گیا۔
نور جہاں نہایت غیور، دانشمند اور دلیر عورت تھی۔ جہانگیر کے ساتھ شادی ہوتے ہی اس نے تمام مملکت میں اپنا وقار قائم کر لیا اور وہ ہی سلطنت کا سارا انتظام کرنے لگی۔ اس کے باپ کو اعتماد الدولہ اور اس کے بھائی کو آصف خاں کا خطاب ملا اور دونوں اعلیٰ عہدوں پر مامور کیے گئے۔
جہانگیر نے سلطنت کے اکثر کام نور جہاں کے سپرد کر دیے تھے۔ وہ سب کاموں کی خود دیکھ بھال کرتی تھی۔ اور دربار میں بیٹھ کر سب لوگوں کی فریادیں سنتی تھی وہ زبانِ فارسی کی بہت بڑی ادیبہ اور شاعرہ تھی۔ اکثر نئے قسم کے زیور اور لباس اس کی ایجاد ہیں، نور جہاں فیاض اور مخیرہ بھی حد درجہ کی تھی۔ دنیا غریبوں کی ہمیشہ دستگیری اور امداد کرتی رہتی تھی۔ غریب لڑکیوں کی پرورش اور

عہد جہانگیری میں شمالی ہند میں اُردو شاعری کے متعلق ابھی تک کچھ بصراحت معلوم نہیں ہو سکا ہے۔ مولانا عبدالسلام ندوی نے شعر الہند میں جہانگیر کے زمانہ میں صرف ملّا نوری کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ فارسی کے شاعر تھے۔ لیکن ان کے قلم سے ایک آدھ مصرعے اُردو کے بھی نکل گئے ہیں۔ مثلاً ؎

ہر کس کہ خیانت کند البتہ بترسد ۔۔۔ بیچارۂ نوری نہ کرے ہو نہ ڈرے ہے

[پچھلے صفحہ سے] شادی کا انتظام وہ خود کیا کرتی تھی

وہ بہت بالغ نظر اور زبردست سیاست داں بھی تھی جس وقت ۱۶۲۶ء سنہ ۱۰۳۶ھ میں جہانگیر کابل جا رہا تھا۔ مہابت خاں نے بغاوت کی اور اس کو گرفتار کر لیا۔ نورجہاں خود فوج لیکر گئی لیکن اس کو شکست ہوئی اور وہ خود بھی مہابت خاں کے قبضہ میں آگئی لیکن اس قید کی حالت میں اس نے جس قدر دانشمندی اور ہوشیاری کا ثبوت دیا تاریخ میں اسکی مثال ملنا مشکل ہے اور نہ صرف یہ کہ وہ اپنی عقلمندی اور تدبیر کی بناء پر خود اس قید سے نکل گئی بلکہ جہانگیر کو بھی نکالکر لے گئی اور مہابت خاں جیسا زبردست سپہ سالار اور سیاست داں اس سے زک کھاکر دکھن کو بھاگ گیا۔

جہانگیر کی وفات کے بعد نور جہاں اپنے داماد "شہر یار" کو بادشاہ بنانا چاہتی تھی مگر آصف خاں نے شہر یار کو شکست دیکر خسرو کے لڑکے داور بخش کو تخت پر بٹھال دیا اور اپنے داماد خرم کو جو اس وقت دکن میں تھا بلوا بھیجا۔

لیکن ان کے متعلق بھی سید نصیر الدین صاحب ہاشمی کا خیال ہے کہ "یہ نوری بیجاپوری ہیں" (مقالات ہاشمی حصہ اول ص ۲۷۰)

اس دور کے دکنی شعراء سلطان محمد قلی قطب شاہ، اور سلطان ابراہیم عادل شاہ وغیرہ ہیں۔ ان کا زمانہ سولھویں صدی عیسوی ہے اور ان کی زبان و کلام کا اندازہ یہ ہے:

سلطان محمد قلی قطب شاہ (گولکنڈہ) ۹۸۸ھ ۱۵۸۰ء تا ۱۰۲۰ھ ۱۶۱۱ء

چلی چندنی میں جب تک ہو ہمارا — اوتن عکس دیبی چندنقی اتارا
بسی جن ھیا میں پرت ہم سجن کی — میں اسکی پرت کچ نہیں اوش پیارا

[پچھلے صفحہ سے] خرم دکن سے آکر تخت نشین ہوا اور شاہجہاں کا لقب اختیار کیا نورجہاں نے اب سلطنت کے کاموں سے بے تعلق ہو کر لاہور میں سکونت اختیار کر لی اور شاہجہاں نے دو لاکھ روپیہ سالانہ اس کی پنشن مقرر کر دی۔ آخر ۱۰۵۴ھ ۱۶۴۳ء میں اس زبردست ملکہ نے دنیا سے رحلت کی نورجہاں کی رحلت کی یہ تاریخ (۱۶۴۳ء) ڈاکٹر ایشوری پرشاد نے اپنی کتاب "اسٹوڈینٹس ہسٹری آف انڈیا" میں دی ہے (ص ۲۷۵) لیکن اسمتھ نے لکھا ہے کہ تقریباً ستر برس کی عمر میں ۱۰۵۶ھ ۱۶۴۵ء میں اسکا انتقال ہوا" (آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا ص ۳۸۳ حاشیہ)

اگر نورجہاں کی وفات کی یہ تاریخ صحیح ہے تو اس کا سنہ پیدائش تقریباً ۹۸۳ھ ۱۵۷۵ء ہوگا

چھیلی سون لگیا ہے من ہمارا
کہ اس میں نہیں ہیں ٹک دل قرارا
صبوری کو نہیں ہے ٹھار دل میں
صبوری کیوں کرے ہو کر ٹھارا

سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی (بیجاپور) ۱۵۸۵ء ۹۸۸ھ تا ۱۶۲۷ء ۱۰۳۷ھ

شامی عنبر بتّیاں پھرائے
شربت گھول امرت پلائے
بادل زما ہے بجلی بجاوے
باجی خالو شتابی آنے پاوے

میرا نیر سکندر ہوا ڈھونڈی
سیّد محمد ابراہیم کوں دکھا نگری

غواصی اور نصرتی بھی اسی دور کے شاعر ہیں۔ مگر ان کی زبان کی بھی یہی کیفیت ہے۔ غواصی کے دو شعر ہیں۔

جن اس جواہر لاں کے سمندر کا گھیر
ہے غواص اس دور میں بینظیر
سو یو جواہراں کا رلیانا ہے بہار
جو ملک ہندوستاں میں ایک ٹھار

[طوطی نامہ نخشبی]

مولانا نصرتی فرماتے ہیں:۔

خریدار کو خوب سودے سے کام
نہ دوکان کا دیکھنا سقف و بام
شہ کی ثنا نصرتی نصر قول یوں لکھی
دور کے دفتر اوپر اچھے ہر ایک بچن

حال ہی میں قطب شاہی اور عادل شاہی دور سے بھی پہلے بہمنی دورِ حکومت کے کچھ اردو شاعروں کا پتہ چلا ہے جنہیں نظامی خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ ان کا زمانہ پندرھویں صدی عیسوی ہے

مگر ان کی زبان اُن شعراء سے بھی زیادہ خراب ہے

کھراھوی جو بات میں رانکر — کہی کو تو الیوں کہ منجھکوں پکر

اگر چور و جبری باہوئے سپاہ — یکر کون تس بہتر کہوری باہ

نکر بان جی لو ہے کرا کانتہ سنگ — نہ ہوتا کدھن کا نتہ کو نہ بہنگ

ان اشعار کے بعد پھر ایک دفعہ ان اشعار کو پڑھئے جو صاحب "جلوہ خضر" نور جہاں کے بتاتے ہیں، اور یہ امر پھر خود ہی واضح ہو جائیگا کہ یہ خیال کہ یہ زبان اس زمانہ کی ہے کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے

دیں جگہ زخم جفا کو دلِ صد چاک میں ہم
دیکھیں گر کچھ بھی وفا اس بُت بیباک میں ہم
نقشِ پا کیطرح اے راحتِ جانِ عاشق
تیرے قدموں سے جدا ہو کے ملے خاک میں ہم

خود ولی اور کہیں کہیں سودا تک کے یہاں زبان میں ثقل و گرانی و سقم موجود ہے اس لئے قطع نظر اس سے کہ اب یہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ اشعار معین الدین معین بدایونی کے ہیں، ویسے بھی اس زبان کو اس دور کی زبان نہیں کہا جا سکتا۔

ممکن ہے کہ نور جہاں نے کچھ اُردو میں کہا ہو لیکن آج اسکا کوئی اُردو شعر موجود نہیں اور صرف یہ ہی نہیں بلکہ اس کا اُردو میں شعر کہنا بھی تحقیق نہیں۔ اس لئے ملکہ نور جہاں کا شمار اردو شاعرات میں نہیں کیا جا سکتا۔

شہزادی زیب النساء مخفی[۵]

ملکہ نورجہاں کا اردو میں شعر کہنا ثابت نہیں۔ نورجہاں کے بعد نظر شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کی صاحب فضل و کمال دختر شہزادی زیب النساء مخفی پر پڑتی ہے شہزادی زیب النساء فارسی کی مسلم الثبوت شاعرہ تھی گو بعض ناقدین کو اس میں کلام ہے کہ موجودہ دیوان مخفی اسی زیب النساء کا کلام ہے۔

زیب النساء کا اردو میں شعر کہنا مختلف شہادتوں سے ثابت ہے۔

(۱) مشہور فرانسیسی وقائع نویس موسیو گارسن ڈٹاسی[۶] (۱۸۲۱ء تا ۱۸۷۷ء) اپنے تذکرہ میں شہزادی زیب النساء کی اردو میں شعرگوئی کی شہادت دیتا ہے۔ یہ مغربی محقق لکھتا ہے۔

---

۵ حالات دیکھئے زیب النساء مخفی کے تذکرہ میں

۶۔ موسیو گارسن دتاسی (۱۸۲۱ء تا ۱۸۷۷ء) انیسویں صدی کا مشہور فرانسیسی عالم اور مستشرق گذرا ہے۔ اس کو اردو سے عشق تھا۔ پیرس میں بیٹھا بیٹھا اردو کی رفتار و ترقی کا غایر مطالعہ کرتا رہتا تھا۔ اپنے فرانسیسی اور انگریز احباب کے ذریعہ یہاں کے حالات اور کتب دستیاب کرتا تھا ہر سال کے اختتام پر اپنی یونیورسٹی میں اردو کی سالانہ ترقی پر نہایت مفصل اور محققانہ لکچر دیتا تھا۔ ۱۸۵۰ء سے ۱۸۶۹ء تک اس نے اردو پر اس طرح انیس ۱۹ لکچر دئیے جن کا ترجمہ آٹھ سو صفحات کی ضخیم جلد میں انجمن ترقی اردو نے شائع کردیا ہے

" میں نے زیب النساء کی اُردو نظمیں دیکھی اور پڑھی ہیں"

(۲) صاحب " جلوۂ خضر" اپنے تذکرہ میں رقمطراز ہیں:

" ایک پُرانی بیاض میں شہزادی کے اُردو شعر ہماری نظر سے گزرے ہیں"

(۳) نواب سید نصیر حسین خاں صاحب خیال اپنی کتاب " مغل اور اردو" میں رقمطراز ہیں۔

" مخفی تخلص کرتی تھی اور فارسی میں اپنے جذبات دُہراتی تھی مگر اُردو میں بھی اس نے جو کچھ کہا ہے اس زبان کا سرمایہ ناز سمجھا جاتا ہے" [زیب النساء اور اردوئے معلیٰ۔ مغل اور اردو ص۳۱]

[پچھلے صفحہ سے] اس شخص نے عربی۔ فارسی۔ سنسکرت، اُردو اور ہندی کی بڑی خدمت کی ہے اور بہت سی کتابیں تصنیف و تالیف کی ہیں۔ پروفیسر حامد حسین قادری نے اپنی کتاب " داستانِ تاریخ اُردو" میں گارسن دتاسی کے تذکرہ میں اسکی ان کتابوں کے نام گنائے ہیں جو اُردو کے متعلق ہیں، وہ کتابیں یہ ہیں:

(۱) پند آموز حکایات کا ترجمہ (مطبوعہ سنہ ۱۸۲۱ء)

(۲) انتخابِ کلام میر تقی میر معہ ترجمہ زبان فرنچ (مطبوعہ سنہ ۱۸۲۶ء)

(۳) قصہ کامروپ مصنفہ تحسین الدین کا فرنچ ترجمہ (مطبوعہ سنہ ۱۸۳۴ء)

(۴) انتخابِ کلام ولی اورنگ آبادی (مطبوعہ سنہ ۱۸۳۶ء)

(۵) کتبہ جات عربی و فارسی و اُردو (مطبوعہ سنہ ۱۸۲۸ء)

پھر نواب صاحب موصوف اسی صفحہ کے حاشیۂ زیریں میں لکھتے ہیں،

"شاہزادی کی اصل مادری زبان فارسی تھی مگر وقت کا اثر ... اور اُردو کے اقبال کو دیکھنا کہ زیب النساء اس ملکی زبان کو نہیں بھولتی اور اسے خلعتِ نظم عطا کرتی ہے۔"

[پچھلے صفحہ سے] - (۶) ذکر تذکرہ جات مشتمل بر حالاتِ شعراء و مصنفین ہندی اُردو (مطبوعہ ۱۸۳۸ء)

(۷) مسلمانانِ مشرق کا علم عروض عربی و فارسی و اُردو (مطبوعہ ۱۸۳۴ء)

(۸) ہندوؤں کے کھانے جن کا ذکر اُردو کتابوں میں ہے (مطبوعہ ۱۸۳۴ء)

(۹) انتخاب قصۂ گل بکاولی معہ ترجمہ زبان فرانسیسی (مطبوعہ ۱۸۳۵ء)

(۱۰) اُردو زبان کا ابتدائی رسالہ (مطبوعہ ۱۸۴۳ء)

(۱۱) سعدی دکھنی ہندوستان کا ایک مشہور شاعر (مطبوعہ ۱۸۴۳ء)

(۱۲) تذکرہ شعرائے اُردو (دو جلدوں میں) مطبوعہ ۱۸۴۷ء

(۱۳) انتخابات اُردو ہندی (مطبوعہ ۱۸۵۴ء)

(۱۴) تذکرہ مصنفین معہ تصانیف اُردو (مطبوعہ ۱۸۶۸ء)

(۱۵) خطبات متعلق زبان اُردو ۱۸۵۰ء سے ۱۸۶۹ء تک (مطبوعہ ۱۸۷۴ء)

(۱۶) خطبات متعلق زبان اُردو ۱۸۷۰ء سے ۱۸۷۷ء تک

(۱۷) تذکرہ شعرائے اُردو (تین جلدوں میں) پہلے تذکرہ مذکورہ نمبر (۱۲) کا ترمیم شدہ اڈیشن معہ اضافہ مقدمہ مشتمل بر تاریخ زبان و اصناف شاعری۔ اس میں تین ہزار اُردو ہندی شعراء و مصنفین کا تذکرہ ہے (مطبوعہ ۱۸۷۰ء)

(داستان تاریخ اردو صفحہ ۷۸-۷۹)

کہتے ہیں کہ شہزادی کا زیادہ تر کلام تلف ہو گیا۔ اس کا اردو کلام اب نایاب ہے۔

صاحب "جلوۂ خضر" نے زیب النساء کے تین اردو مطلعے پیش کیے ہیں جو حسب ذیل ہیں:۔

جدا ہو مجھسے مرا یار یہ خدا نہ کرے　　　خدا کسی کے تئیں دوست سے جدا نہ کرے

کہتے ہو تم نہ گھر مرے آیا کرے کوئی　　　پر دل نہ رہ سکے تو بھلا کیا کرے کوئی

آکر ہماری لاش پہ کیا یار کر چلے　　　خواب عدم سے فتنہ کو بیدار کر چلے[1]

ان اشعار کے علاوہ زیب النساء کا کوئی اردو شعر نہیں ملتا۔

میو سیو ڈ ٹاسی اور صاحب جلوۂ خضر کی روایت کے بعد ہمیں اس مسئلہ پر ورایتاً بھی نظر ڈالنا ہے اور اس کیلئے ہمیں اسوقت کے شاعرانہ ماحول پر نظر ڈالنا ہوگی۔ شہزادی زیب النساء کی تاریخ ولادت ۱۰۴۸ھ مطابق ۱۶۳۸ء ہے اور تاریخ وفات ۲۹ ذی الحجہ ۱۱۱۳ھ مطابق ۱۷۰۱ء ہے۔ زیب النساء کی وفات کا مادۂ تاریخ "وادخلی جنتی" ہے۔ اسمیں

---

[1] میری نظر سے یہی شعر "تذکرۃ الخواتین" میں گنا بیگم شوخ اہلیہ نواب عماد الملک غازی الدین خان بہادر نظام وزیر عالمگیر ثانی کے تذکرہ میں گذرا ہے۔ لیکن تذکرۂ شمیم سخن میں جو تذکرۃ الخواتین کا اکثر ماخذ رہا ہے یہ شعر شوخ کے بیان میں موجود نہیں ہے

سنہ ۱۱۱۴ھ نکلتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب انتقال ہوا تو سنہ ۱۱۱۳ھ کے ختم ہونے میں ایک دن باقی تھا۔ اس لئے تاریخ گو نے آئندہ سال کا مادۂ تاریخ کہہ دیا جو ایسی صورت میں جائز ہے جو اشعار زیب النساء کے نام سے پیش کئے گئے ہیں ان کی زبان کی صفائی اور رنگ کی پختگی اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اگر یہ اشعار واقعی زیب النساء کے ہیں تو اس کی اخیر عمر کے ہیں۔ ولی غالباً اسوقت دہلی آ چکے تھے چونکہ وہ تقریباً سنہ ۱۷۰۰ء مطابق سنہ ۱۱۱۲ھ میں دہلی آئے ہیں[1]

اس وقت دہلی میں مرزا عبدالقادر بیدل موجود تھے یہ عظیم آباد پٹنہ میں پیدا ہوئے تھے، دہلی میں پرورش پائی تھی اور شہزادہ محمد اعظم بن شہنشاہ عالمگیرؒ کی سرکار میں نوکر ہوئے تھے۔ آخر عمر گوشۂ عزلت میں فقر و توکل میں بسر کی اور سنہ ۱۷۲۱ء مطابق سنہ ۱۱۳۳ھ میں انتقال کیا۔ یہ بھی کبھی کبھی اردو میں کہا کرتے تھے۔ پرانے تذکروں میں ان کے دو ایک اردو اشعار اب تک موجود ہیں پروفیسر حامد حسن قادری نے اپنی کتاب داستان تاریخ اردو میں ان کے دو اردو شعر قائم اور میر وغیرہ کے تذکروں کے حوالہ سے دئیے ہیں۔

مت پوچھ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم میں
اس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم میں

---

[1] "تاریخ داستان اردو" مؤلفہ پروفیسر حامد حسن قادری ص ۲۵

جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پکارا

پردہ سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم میں

(داستان تاریخ اردو ص۲۸-۲۹)

علاوہ ازیں اس وقت دہلی میں اکثر شعراء پیدا ہو چکے تھے جو بعد کو اردو کے بڑے بڑے اساتذہ ہوئے۔ ان میں شاہ مبارک آبرو (المتوفی ۱۷۵۰ء) اور خان آرزو (۱۶۸۹ء تا ۱۷۵۶ء) خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ اشرف علی۔ فغاں۔ ناجی۔ احسن اور حاتم وغیرہ بھی ان ہی کے ہمعصر تھے۔ ولی اور ان شعراء کی زبان میں کہیں کہیں سقم بھی نظر آتا ہے مگر ان کے یہاں نہایت شستہ اور صاف زبان کے نمونے بھی بکثرت موجود ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:-

ولی

سفرِ عشق کا اگر ہے خیال — ہمّت دل کو زاد راہ کرو

عاشقو عاشقی کے دعوے پر — آہ و زاری کے دو گواہ کرو

گل و بلبل کا گرم ہے بازار — اس چمن میں جدھر نگاہ کرو

زندگی جامِ عیش ہے لیکن — فائدہ کیا اگر مدام نہیں

آرزوئے چشمۂ کوثر نہیں — تشنہ لب ہوں شربت دیدار کا

گر ہوا ہے طالبِ آزادگی — بند مت ہو سبحہ و زنار کا

مستی ہیں روز حشر تک کونین کو بھولا ہے وہ ؛ جو جام چشم یار سے مے پی کے متوالا ہوا

کہاں ہے آج یارب جلوۂ مستانۂ ساقی　　کہ دل سے تاب جی سے صبر سر سے ہوش لیجائے

اے ولی رہنے کو دنیا ہے مقام عاشق　　کوچۂ یار ہے یا گوشۂ تنہائی ہے

شاہ مبارک آبرو

سخن اوروں کا تشنہ ہو کے سنتا اور سب کہتا
مگر اک آبرو کی بات جب کہتے تو پی جاتا

تاجی۔

دیکھ ہم صحبت کی دولت سے نہ رکھ چشم کرم
لب صدف کے تر نہیں ہر چند ہے گوہر میں آب

احسن

لام نستعلیق کا ہے اس بت خوشخط کی زلف
ہم تو کافر ہیں اگر بندے نہ ہوں اسلام کے

شاہ حاتم

ہجر کی زندگی سے موت بھلی　　کہ جہاں سب کہیں وصال ہوا

ان اشعار سے اس وقت کی صاف زبان کا اندازہ ہوتا ہے ؎
زیب النساء فارسی کی قادر الکلام اور کہنہ مشق شاعرہ تھی جن لوگوں
نے موجودہ دیوان مخفی کے زیب النساء کا کلام ہونے پر شبہ کیا ہے

ان میں علامہ شبلی بھی ہیں۔ لیکن خود علامہ شبلی جو زبردست تاریخداں بھی تھے۔ زیب النساء کے مسلم الثبوت فارسی شاعرہ ہونے کو تسلیم کرتے ہیں۔ تمام مؤرخ اس امر پر متفق ہیں کہ شہزادی زیب النساء نہایت ذہین، طبّاع، صاحب علم وفضل اور صاحب جوہر خاتون تھی پھر جب ماحول پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت دہلی میں شعروشاعری کا چرچا ہو چکا تھا۔ اچھے اچھے شاعر پیدا ہو چکے تھے۔ ان تمام واقعات وشواہد کی روشنی میں یہ امر قابلِ قیاس ہے کہ زیب النساء نے اُردو میں بھی کچھ کہا ہو۔ اور اس کی تصدیق موسیو ڈ تاسی اور صاحب جلوۂ خضر کے بیانات سے بھی ہوتی ہے۔ جن دونوں نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ شہزادی کا اُردو کلام ان کی نظر سے گزرا۔ اب رہا یہ سوال کہ متذکرۂ بالا اشعار زیب النسا کے ہیں یا نہیں۔ ان کے متعلق صرف اتنا ہی کہا جاسکتا ہے کہ ان کی زبان بہت زیادہ صاف اور رنگ بہت پختہ ہے۔ زیب النساء کے شاعرانہ ماحول اور خود شہزادی کی فطرتی ذہانت وذکاوت کو دیکھتے ہوئے یہ امر کچھ زیادہ بعید از قیاس نہیں معلوم ہوتا کہ یہ اشعار اس نے اپنی عمر کے آخری حصے میں کہے ہوں۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ اسوقت کے شعراء کی طرح زیب النساء کے اُردو کلام میں بھی صاف اور خراب دونوں زبانوں کے نمونے موجود ہوں لیکن اب صرف یہی

اشعار باقی رہ گئے ہوں جن کی زبان اس قدر صاف تھی، باقی کلام گردشِ روزگار کے ہاتھوں تلف ہو چکا ہو۔ لیکن اگر تحقیق کسی وقت یہ بھی ثابت کر دے کہ یہ اشعار کسی اور کے ہیں زیب النسا کے نہیں تب بھی اس سے زیب النساء کی اُردو گوئی کی نفی لازم نہیں آتی۔ اس وقت ہمیں موسیو ڈاسی اور صاحب جلوۂ خضر کے بیانات کے پیشِ نظر یہ کہنا ہوگا کہ شہزادی زیب النساء اُردو میں بھی کہتی تھیں۔ لیکن آج ان کا کوئی اُردو شعر باقی نہیں۔

شاعرات اُردو کا دہلی اسکول

شہزادی زیب النسا کے بعد میر و سودا کے زمانہ کی کچھ خواتین کا کلام ملتا ہے۔ ان خواتین کا ایک دور قائم کیا جا سکتا ہے، جو اس زمانہ سے لیکر غدر سے کچھ عرصہ بعد تک کی شاعرات پر مشتمل ہے۔ خواتین بھی اپنے ماحول اور زمانہ سے متاثر ہوئی ہیں، ان کے کلام پر شعراء کا بھی اثر پڑا ہے اور شعراء کی طرح خواتین میں بھی شاعری کے دو مختلف پہلو نظر آتے ہیں۔ اس طرح شاعرات کے بھی دہلی اور لکھنؤ کے دو اسکول قائم کئے جا سکتے ہیں، یہ پہلا دور دہلی اسکول سے متعلق ہے۔

بیگم بنت میر تقی میر۔ جانیا بیگم تلمیذ سودا۔ بسم اللہ بیگم تلمیذ انعام اللہ یقین۔ کاملہ بیگم جعفری تلمیذ شاہ نصیر۔ قادری بیگم تلمیذ شاہ نصیر بھورا بیگم ضیاء تلمیذ شاہ نصیر۔ حیدری خانم حیدری۔ بادشاہ بیگم خفی، نواب

اختر محل اختر۔ نازنین۔ گنا بیگم شوخ۔ گوہر بیگم گوہر۔ اور سکندر جہاں بیگم ضیا وغیرہ وغیرہ اس دَور کی خاص شاعرات ہیں۔ ان خواتین کے کلام میں دہلی کے اساتذہ کی امتیازی خصوصیات موجود ہیں!

(۱) شاعری کا سب سے بڑا کمال ذاتی یا شخصی جذبات کا —— ان جذبات کا جو شاعر یا شاعرہ نے خود محسوس کئے ہوں —— اظہار ہے اور اس قسم کی اعلیٰ شاعری کے نمونے ان شاعرات کے یہاں موجود ہیں۔

بسم اللہ بیگم

تری اُلفت میں یہ حاصل ہوا ہے ۔۔۔ کبھی مضطر ہے دل گاہے تپاں ہے

جینا بیگم

دل ہی کو صبر نہ جی کو قرار رہتا ہے ۔۔۔ تمھارے آنیکا نت انتظار رہتا ہے

شوخ

شمع کیطرح کون رہ جانے ۔۔۔ جسکے جی کو لگی ہے سو جانے

امیر بیگم اسیر

خاک میں ملگئی ہوں جس پہ اسیر ۔۔۔ اسی دل میں غبار ہے اپنا

مخفی

خدا جانے کیا بات ہے اسمیں مخفیؔ
کہ اس ظلم پر دل کو بھاتا بہت ہے

سکندر جہاں ضیاء

یوں جو ہم نوجوان مرتے ہیں ان کی یادِ شباب ہے دل میں

واہ ری نارسائی قسمت ان کے در تک نہ ہو سکا جانا

رباعی

گم کردہ رہ غریب ہوں منزل سے دور ہوں طوفاں زدہ سفینہ ہوں ساحل سے دور ہوں
ظالم اب اپنے در سے اٹھا ہی کسلئے کیا کم ہی یہ ستم کہ ترے دل سے دور ہوں

ان اشعار کی تاثیر سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔ ہر شعر ایک نشتر ہے جو دل میں اُترتا چلا جاتا ہے، اور یہ کیفیت ان میں اس وجہ سے ہے کہ یہ جذبات شدت کے ساتھ محسوس کئے گئے ہیں اور سادگی کے ساتھ ادا ہو گئے ہیں۔ اور شاعری کا مقصود یہی ہونا چاہیے۔

ان شاعرات کی غزلوں میں تغزل کے اصلی جوہر موجود ہیں۔ سوز و گداز، درد و اثر، جوش و مستی، یاس و حسرت سب کی مثالیں ملتی ہیں۔ غزل کی زبان اصولاً نہایت شیریں، نرم، صاف اور شستہ ہونا چاہیے۔ ان خواتین کی غزلیات میں یہ جوہر بھی موجود ہے۔

جعفری

ساقیا مجھکو ترا ساغر پلانا یاد ہے کلمۂ لا تقنطوا سے دل جھکانا یاد ہے

خفی

جن سے ہم آشنائی[1] کرتے ہیں ہم سے وہ بیوفائی کرتے ہیں

[1] یہاں یہ لفظ اپنے خاص فارسی معنوں میں (دوستی) استعمال ہوا ہے اور بہت درست ہے مگر الفاظ کے طریق اُردو میں آ کر اب اس کا مفہوم ہی بدل گیا ہے۔

اے خفی اپنے اشک بے تاثیر مفت میں جگ ہنسائی کرتے ہیں

خاکساری :-

لکھا نصیب کا کوئی مٹا نہیں سکتا کہ میرے درد کو ہمدم بٹا نہیں سکتا

حاتم

دشمن کا شکوہ تم نہیں سنتے نہیں سہی میرا ہی غم سنو نہ اگر ناگوار ہو

عفت

رونے کیلئے میرے جنازہ پہ اب عفت جز یاس والم کوئی بھی غمخوار نہیں ہے

(۲) کلام میں نازک مزاجی اور عشق کی خودداری کافی حد تک موجود ہے جو میر جیسے تنک مزاج اور غیور الطبع شاعر کے اثرات کا نتیجہ ہو سکتا ہے! عشق کا وقار اور خودداری ملاحظہ ہو :-

خفی :-

خود شوق اسیری سے پھنسے دام میں صیاد شرمندہ ترے ایک بھی دانہ کے نہیں ہیں

فاطمہ :- نازک دماغ وہ ہیں تو یاں بھی ہے تمکنت
ہم خود بھی ایسے ہیں کہ منایا نہ جائے گا

(۴) اکثر پیش پا افتادہ اور فرسودہ مضامین کو اس طرح ادا کیا ہے کہ ان میں ندرت پیدا ہو گئی ہے اور طرز بیان کی خوبی اور لطافت نے ان کو اور زیادہ مؤثر بنا دیا ہے۔ مثلاً عاشق محبوب کو رقیب کے ساتھ ہنستے بولتے دیکھتا ہے اور بے اختیار اس کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔ اس کو اس طرح ادا کرنا کہ "مژہ موتی پرو رہی تھی" ندرت ادا کی

ایک اعلیٰ مثال ہے!

شوخ :- رقیبوں سے وہ جس دم ہنس رہے تھے روبرو میرے
مری ہر مژہ اُس درد جگر موتی پروتی تھی

پھر ایسے موقع پر خود "دردِ جگر" کو مخاطب کرنا بلاغت کی کیسی نادر مثال ہے!

یا مثلاً محبوب کی شرم و حیا کی تعریف شاعری میں ایک عام بات ہے لیکن ذرا یہ ندرتِ ادا ملاحظہ ہو:-

نازنین

کس حسنِ ادا کی آمد ہوئی چمن میں
نرگس نے منھ چھپایا پتوں کے پیرہن میں

یہ حسنِ تعلیل کی بھی ایک عمدہ مثال ہے۔

یا مثلاً شاعرہ محبوب کی ابرو کو تیغ سے تشبیہ دیتی ہے، بعد کو خیال آتا ہے کہ خون آشامی اور سفاکی میں تیغ ہرگز ابروئے محبوب کے مدِّمقابل نہیں لائی جا سکتی اس کو انتہائی لطافت کے ساتھ یہ کہکر ٹال دیا جاتا ہے کہ "یہ رواروی کی بات تھی"!

گوہر :-

ابرو کو جو تیرے تیغ باندھا
یہ بات تھی اک رواروی کی

۴۔ تشبیہ و استعارے اکثر نہایت نیچرل، سادہ و لطیف ہیں، ان میں بڑی شگفتگی اور تازگی ہے۔

جینا بیگم :- ڈبڈبائی آنکھ آنسو تھم رہے ہے: کاسۂ نرگس میں جوں شبنم لگے ہے

یہ کتنی نیچرل، کتنی لطیف، اور کتنی مکمل تشبیہ ہے، پورا منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔

حیا :-

ہے موتیوں کے ہار میں پرتو نگار کا
آب گہر میں عکس بناتا ہے یار کا

یہ کیسی نادر تشبیہ اور کیسا لطیف تخیّل ہے!

عصمت دہلوی

لعل لب جاں بخش ہے گویا ورق گل
اور رخ پہ پسینہ ہے تراجوں عرق گل

یوں نرمۂ گوش اسکا لچکتا ہے گہر سے
شبنم سے لچک جاتا ہے جیسے ورق گل

(۵) کلام میں کہیں کہیں شوخی کی مثالیں بھی پائی جاتی ہیں۔ مثلاً

گوہر

چھلنی داغوں سے دل ہے گوہر
انگیا ملی ہم کو سوزنی کی

مصرعہ ثانی میں ابتذال پیدا ہو گیا ہے، مگر ظاہر ہے کہ شاعرہ کا مقصو اصلی ابتذال نہیں، شوخی و ظرافت ہے۔

ان شاعرات کے یہاں خامیاں بھی ہیں۔ کلام کی ناہمواری، پستی، رکیک و عامیانہ جذبات، آورد، ان کے عیب ہیں۔ لیکن یہ عیب کہاں نہیں کیا خود میر جیسے خدائے سخن کے یہاں یہ تمام عیب اور خامیاں موجود نہیں۔

شاعرات اردو کا لکھنؤ اسکول

اس کے بعد ان خواتین کا دور آتا ہے جو لکھنؤ اسکول سے متعلق ہیں۔ خواتین کے اس دور کو دورِ ثانی

کہہ سکتے ہیں، ان میں اکثر شاعرات وہ ہیں جو نواب واجد علیشاہ کے زمانہ حکومت سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس دور کی ممتاز شاعرات یہ ہیں:۔

۱۔ حرم نواب آصف الدولہ۔ بیگم جان المعروف بہ بہو بیگم المتخلص بہ جانی۔ دلہن

۲۔ حرم نواب واجد علیشاہ۔ حیدری بیگم عرف ماہِ طلعت المتخلص بہ قمر۔ نواب بیگم حجاب۔ نواب صدر محل صدر۔ عالم۔ سلطان جہاں بیگم المخاطب بہ محبوب محل المتخلص بہ محبوب۔

۳۔ دیگر خواتین:۔ چنبیلی المتخلص بہ یاسمن کنیز و تلمیذ سید انشا۔ سلطان بیگم سلطان۔ ضیائی بیگم ضیا۔ بہو بیگم محل خاص نواب یوسف علیخاں والیٔ رامپور۔ نواب شاہجہاں بیگم شیریں فرمانروائے ریاست بھوپال۔ شمس النساء بیگم شرم تلمیذ خواجہ وزیر پارسا۔ مستور بیگم مستور۔ کنیز فاطمہ کنیز۔ ستر برہ وغیرہ وغیرہ

جیساکہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ لکھنؤ اسکول کی یہ شاعرات اپنے ماحول اور زمانہ سے بہت متاثر ہوئی ہیں۔ اسوقت لکھنؤ کی تہذیب و معاشرت میں جو عیش پرستی آگئی تھی اس کا اثر یہاں کے شعراء کی طرح شاعرات کے کلام پر بھی پڑا ہے اور لکھنؤ اسکول کے ابتذال کی ایک بڑی وجہ یہی ماحول کا اثر ہے درا صل آج جس چیز کو ہم مبتذل اور رکیک کہتے ہیں وہ اس وقت مبتذل نہیں سمجھی جاتی تھی اور اس پر

انگشت نمائی نہیں ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ شعراء تو شعراء لکھنؤ اسکول کی شاعرات تک کے یہاں مبتذل، رکیک اور سوقیانہ مضامین کثرت سے ملتے ہیں۔

ذلیل کنیز مرزا سلیمان شکوہ

تم سے اللہ رکھے اپنی اماں میں تم تو ہم سی پریوں کو بھی دیوانہ بنا لیتے ہو

میں فرشتہ کی بھی سنتی نہیں ناصح کیا ہے اپنے کرتوت پہ جس دم کہ میں آجاتی ہوں

یاسمن کنیز سید انشا

دختر رز سے رات صحبت تھی شیخ جی کا مگر وضو نہ گیا

فاطمہ بیگم کنیز دختر نواب نصرت الدولہ

وصل کی شب ہو گا کیا حاصل ہمیں جو نا نہ ہے جب تلک تم بند کھولو گے سحر ہو جائیگی

یہ ابتذال و فحاشی کی نہایت رکیک اور حیا سوز مثالیں ہیں۔

لیکن متذکرہ بالا تینوں شاعرات لونڈیاں تھیں پھر بھی یہ بات وثوق کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی کہ یہ شعر ان ہی کے ہیں یا کسی نے کہکر ان کے نام کے ساتھ شامل کر دئے ہیں۔ مجھے اس سے انکار نہیں کہ دہلی کی شاعرات کے یہاں کہیں کہیں اور لکھنؤ کی شاعرات کے یہاں اکثر مبتذل اور عامیانہ مضامین ملتے ہیں لیکن مجھے کہنا صرف یہ ہے کہ اس گناہ کی ذمہ دار اس قدر وہ شاعرات نہیں جس قدر کہ ان کا ماحول، ان کی تہذیب، ان کی معاشرت، اور ان کا زمانہ ہے۔

۲۔ لکھنؤ کی معاشرت میں بقول مولانا عبدالسلام ندوی جو نزاکت اور زنانہ پن پیدا ہو گیا تھا اس کا اثر یہاں کی شاعری پر ایک اور طرح سے بھی پڑا ہے، اس کی وجہ سے یہاں کی زبان میں اکثر زنانہ پن پیدا ہو گیا ہے، شعرائے لکھنؤ کے کلام کا یہ ایک عیب ہے۔ مگر شاعرات کے یہاں یہی چیز حسنِ کلام کا زیور بن جاتی ہے۔ چونکہ یہاں اس کی وجہ سے زندگی اور ادب میں ایک صداقت آمیز مطابقت پیدا ہو جاتی ہے اس قسم کا لب و لہجہ عورتوں کی زبان اور ان کا حصہ ہے۔ اس لئے اُن کے منھ سے ایسی زبان بہت نیچرل اور فطرت و حقیقت کے مطابق معلوم ہوتی ہے۔

ہاہو بیگم :۔

شب بزمِ ملاقات میں ہر چند یہ چاہا | آنکھیں تو لڑاؤں ذرا اس رشکِ قمر سی
پر خوف یہی دل میں مرے آیا کہ ہے ہے | نازک ہے نہ دب جائے کہیں تارِ نظر سی

نواب صدر محل صدر :۔

سب منتے بلائیں لینے کو ہاتھ بڑھائے جب ادھر | منھ کو پھرا کے یار نے مجھ سے کہا الگ الگ

۳۔ ناسخ نے جب اصلاحِ زبان کی طرف توجہ کی تو رفتہ رفتہ یہ خیال لکھنؤ کی فضائے شاعری پر کچھ ایسا غالب آ گیا کہ لوگوں کی توجہ جذبات سے ہٹ کر الفاظ پر مرکوز ہو گئی۔ اور شعرا کا طرۂ امتیاز خوبصورت اور صحیح الفاظ کا انتخاب سمجھا جانے لگا۔ اس سے زبان کو تو ضرور فائدہ ہوا مگر روحِ شاعری کو زبردست صدمہ پہنچا اور شعر محض آورد اور لفظی صنّاعی بن کر رہ گیا۔ اور مراعاۃ النظیر، تجنیس، ایہام تضاد وغیرہ وغیرہ تمام صنعتیں یہاں کی

مرغوب صنعتیں بن گئیں یہ صنعتیں دہلی کے متقدمین شعراء کی بھی مرغوب صنعتیں تھیں۔ شاہ مبارک آبرو، ناجی، احسن، حاتم، خان آرزو شاہ نصیبر سب کا کلام ان صنعتوں کا گنجینہ ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ میر اور سودا ہی کے زمانہ سے دہلی کے شاعر سنبھلنے لگے انھوں نے محسوس کیا کہ یہ شاعری کا مطمح نظر نہیں بلکہ صحیح مطمح نظر ترجمانیٔ جذبات ہے، انھوں نے سمجھ لیا کہ تمام تر آورد اور شاعری کا عیب ہے اس کا حسن نہیں، اور انھوں نے حتی المقدور اس سے احتراز کیا۔ لیکن لکھنؤ میں یہی چیز استادی کا ثبوت اور شاعری کا کمال سمجھی جانے لگی اور چونکہ یہاں کی شاعرات بھی اسی ماحول میں سانس لے رہی تھیں۔ اس لئے وہ بھی اس اثر سے اپنے آپ کو محفوظ نہ رکھ سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کی شاعرات کے یہاں بکثرت رعایت لفظی کی مثالیں ملتی ہیں جنکی بنیاد سراسر آورد پر قائم ہے۔

جانی حرم آصف الدولہ۔

دہن پر تیرے تھا ہم کو توہم ۔۔۔ یہ عقدہ آج ہی ہم پر کھلا ہے

دولہن حرم آصف الدولہ

بہا ہے پھوٹ کے آنکھوں سے آبلہ دل کا ۔۔۔ تری کی راہ سے جاتا ہے قافلہ دل کا

مت کرو فکر عمارت کی کوئی زیرِ فلک ۔۔۔ خانۂ دل جو گرا ہو اُسے آباد کرو

ضیائی بیگم ضیا

میں ہوں وہ تنگ خلق کہ کہتی ہے مجھکو خاک ۔۔۔ اس کو بنا کے کیوں مری مٹی خراب کی

فاطمہ بیگم کنیز

نقاش نے اس بت کا مرے نقش جو کھینچا ٭ ساعد پہ نہ پہنچا تھا کہ جو ہاتھ کو کھینچا

شیریں فرمانروائے بھوپال

کافر کیا مجھ کو تری اس زلف نے کافر اس لام نے کھویا ترے اسلام ہمارا

پہلے شعر میں دہن، عقدہ اور عقدہ کے ساتھ کھلنا، دوسرے میں آبلہ پھوٹ کر بہنا، آنکھ، تری، راہ، قافلہ، تیسرے میں عمارت، خانۂ دل، اگرنا، آباد کرنا۔ چوتھے میں خاک، مٹی، بنانا، خراب کرنا۔ پانچویں میں نقاش، بت، نقش، کھینچنا، ساعد، ہاتھ، پہنچا، چھٹے میں کافر، زلف، لام، اس لام، — سب رعایتِ لفظی کی مثالیں ہیں — سب الفاظ اسب آورد!

۴ - پھر بھی جہاں شاعرات کا مطمح نظر آورد اور الفاظ کا انتخاب نہیں رہا ہے بلکہ ترجمانیٔ جذبات رہا ہے وہاں اشعار بغایت بلند اور پُرتاثیر ہو گئے ہیں، ان میں درد بھی ہے اور کیف بھی، سادگی بھی ہے اور صفائی بھی، شعرائے لکھنؤ میں بالخصوص آتش کے یہاں اس قسم کے تغزل کے نمونے بکثرت ملتے ہیں۔

جانی ؎ کیا پوچھتا ہے ہمدم اس جانِ ناتواں کی!
رگ رگ میں نیشِ غم ہی کہیئے کہاں کہاں کی

دلہن:-

دن کٹا فریاد سے اور رات زاری سے کٹی
عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ہی خواری سے کٹی

مستور ؎ خزاں میں بھی نہ کسی سال کم ہوئی وحشت
رہا ہے اپنا گریبان بے رفو برسوں

صدر ؎ صدر وہ کم نصیب ہوں ہجر میں گر اُٹھاؤں ہاتھ
بابِ قبول سے رہے میری دعا الگ الگ

قمر ؎ نہ پوچھا اے ہمنشیں ہم سے شبِ فرقت کی بیتابی
الم ہے، درد و حسرت ہے، فغاں ہے آہ و زاری ہے

دلِ ناشاد کو تم نے نہ کبھی شاد کیا　　بھول کر بیٹھے ہیں پھر نہ کبھی یاد کیا

شرم

کوئی نا آشنا نہیں ایسا　　ملے ہیں آپ آشنا کیا خوب

لیکن یہ یہاں کا عام رنگ نہیں۔

۵ ۔ لکھنؤ شاعری کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں عاشق اکثر اپنی خودداری کھو بیٹھا ہے اور بہت پست و ذلیل نظر آتا ہے اور اس طرح عشق کے وقار و غیرت کا خاتمہ ہو جاتا ہے، یہ خصوصیت بھی خواتین کے کلام میں موجود ہے۔

شیریں ؎ قابلِ پابوس کیا ہم بھی نہیں ہیں آپ کے
کیا خطا کی ہم نے گر چوما قدم کو کیا ہوا

دہلی اسکول کے تحت میں فاطمہ کا یہ شعر گذر چکا ہے ؎

نازک دماغ وہ ہیں تو یاں بھی ہے تمکنت　　ہم خود بھی اب بسے ہیں کہ منایا نہ جائیگا

ان دونوں شعروں کے مطالعہ سے دہلی اور لکھنؤ اسکول کی شاعری کا یہ امتیازی فرق نمایاں ہو جاتا ہے۔ شعرائے دہلی جہاں کہیں عاشق کی نیازمندی اور خاکساری دکھاتے ہیں وہیں ساتھ ہی ساتھ اس کی خودداری، وقار اور عظمت کو بھی قائم رکھتے ہیں۔ ان دو متضاد جذبوں کو ایک جگہ جمع کر دینا فن شاعری کا ایک زبردست کمال ہے۔ مثال کے طور پر شیریں کے مندرجہ بالا شعر کے مقابلہ میں غالب کا یہ شعر پیش کیا جا سکتا ہے ؂

کرتے ہو مجھکو منع قدمبوس کس لیئے　　کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں

دورِ حاضر

:- دورِ جدید کی چند ممتاز شاعرات کے نام یہ ہیں :-

صفیہ شمیم ملیح آبادی۔ تسنیم ملیح آبادی۔ عزیز جہاں آدا بدایونی۔ کنیز فاطمہ حیا لکھنوی۔ خورشید آرا بیگم خورشید (منشی فاضل و ادیب فاضل) ام الشہاب زیب عثمانیہ لدھیانوی۔ نوشابہ خاتون قریشی۔ نجمہ تصدق ام۔اے بی۔ٹی۔ آمنہ خاتون عفت مظفر نگری۔ رابعہ خاتون پنہاں بریلوی۔ بلقیس جمال بریلوی۔ میمونہ خاتون غزالہ بریلوی۔ شاہزادی تیمور جہاں حجاب دہلوی۔ گوہر اقبال حور میرٹھی۔ خورشید اقبال حیا میرٹھی سیدہ سردار اختر۔ اختر حیدرآبادی۔ عابدہ خانم نسرین۔ سیدہ بیگم حبیب اللہ خانصاحبہ رفعت جہاں نکہت۔ انوار فاطمہ تسنیم لکھنوی۔ بشیر خالدہ ادیب۔ ممتاز جہاں ناز۔ نجمہ رحمت اللہ بی۔اے۔ سعیدہ عرف شوکت دلہن۔ محبوب جہاں محبوب۔ شکیلہ خاتون تنکیل۔

شکیلہ خاتون نکہت۔ عارفہ بیگم انجم۔ کنیز میمونہ۔ بشیر النساء بیگم بشیر۔ ساجدہ بنت دانش شاہجہانپوری۔ ناز بلگرامی۔ محترمہ حیدر زبیؔ۔ وفا ٹونکی بھرج۔ بیگم اختر۔ ثروت جمیل ثروت منظفر نگری۔ عذرا جمال دہلوی۔ صابرہ سلطان حزیں وغیرہ وغیرہ۔

۱۔ شاعراتِ سلف اپنے کلام میں یا تو ایسے الفاظ لاتی تھیں جو تذکیر و تانیث پر بصراحت دلالت نہ کریں۔ مثلاً

خفی (دہلوی)

جن سے ہم آشنائی کرتے ہیں
ہم سے وہ بیوفائی کرتے ہیں

عالم حرم واجد علیشاہ

جو کچھ کرو ستم وہ سزاوار ہے تمھیں
قابل اسی کے ہم ہیں یہی ہے سزائے دل

اور یا اپنے آپ کو بتذکیر نظم کرتی تھیں۔

اشک (دہلوی)

کسی عاشق کا بیشک استخواں ہی میں نہ مانونگا
کہ شانہ تیرے رخ تک اتنا بیباکانہ آتا ہے

سلطان بیگم سلطان (لکھنوی)

تھی وہ نگاہِ ناز یا ناوک کا تیر تھا
ملتے ہی آنکھ رہ گیا میں کھکے ہائے دل

پہلی صورت بہتر تھی چونکہ اس میں جذبات کی وسعت پیدا ہو جاتی ہے، لیکن دوسری صورت میں چونکہ فطرت اور حقیقت سے انحراف تھا اس لئے اثر کو صدمہ پہنچتا تھا۔ برخلاف اس کے موجودہ دَور کی شاعرات زیادہ تر اپنے

آپ کو بتانیث ہی نظم کرتی ہیں اور اکثر صیغہ جمع حاضر کی بجائے (جو شاعرات سلف کا مسلک تھا) صیغہ واحد حاضر لاتی ہیں۔ اس سے جذبہ کی عالمگیریت و وسعت تو ضرور باقی نہیں رہتی مگر اس میں ایک ایسی تازگی شدت اور حقیقت آمیزی پیدا ہو جاتی ہے جو نہایت مؤثر ہوتی ہے چند مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

ممتاز جہاں ناز

کچھ اس قدر میں کھو گئی تیرے خیال میں معلوم خود نہیں ہوئی اپنی خبر مجھے

کنیز فاطمہ حیا

اب نہ لکھونگی عمر بھر اُن کو میں دل کا حال زار اب نہ بناؤنگی کبھی میں انھیں دل کا رازدار

عابدہ خاتون پروین

کچھ نہیں چاہتی مگر اِک نگہ غلط اثر ہمت اعتراف ہو جس سے لب گناہ میں

سائرہ ؎ پشیماں ہو رہی ہوں شکوۂ جور و جفا کر کے
کوئی ہوگا پشیمانِ شکایت میں نہ سمجھی تھی

ظریفہ ؎ میں آپ دکھاتی تمھیں سو رنگ کے جلوے
تم حسرت دیدار کا اظہار نہ کرتے

۲۔ اس دَور میں شاعرات نے یہ بھی محسوس کیا کہ

بقدرِ شوق نہیں ظرف تنگنائے غزل کچھ اور چاہئے وسعت مِرے بیاں کیلئے

دراصل "ظرف تنگنائے غزل" کبھی بھی "بقدرِ شوق" نہیں تھا۔ لیکن فارسی شاعری کا اثر اردو پر کچھ اس بُری طرح طاری ہوا تھا کہ ہم اُسکے شکنجے سے باہر نکل ہی نہ سکے۔ غزل کا ہر شعر منفرد ہوتا ہے جس میں صرف

انفرادی جذبوں کا اظہار ممکن ہے۔ لیکن اس میں مسلسل جذبات کا اظہار پیش نہیں کیا جا سکتا۔ نہ محسوسات، تصورات، اور کوائف کو مربوط اور مسلسل کر کے مکمل تجربات کی صورت میں پیش کر سکتے ہیں۔ اسی لئے غزل عموماً انتشار خیالات کا مجموعہ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور میں غزلگوئی کا وہ زور نہیں رہا ہے جو پہلے تھا۔ یہ بات محسوس کی گئی کہ عمدہ قسم کی شاعری کے لئے جذبات و تجربات، تصورات اور تخیلات کو مربوط اور مسلسل صورت میں ادا کرنے کی ضرورت ہے اس لئے رفتہ رفتہ غزل کی جگہ نظموں نے لے لی۔

۳۔ موجودہ دور میں دہلی اور لکھنؤ اسکول کے شدید امتیازات مٹ گئے خواتین نے بیشتر دہلی کا رنگ اختیار کرلیا گو غالبؔ اور مومنؔ کی نازک خیالی اور بلند پروازی پوری طرح خواتین سے نہ نبھ سکی۔ تاہم انھوں نے خیالات زبان اور بیان میں بہت کچھ ان سے استفادہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر شاعرات حاضرہ کے یہاں کی شراب مصطبۂ غالبؔ کی ہی کشیدہ ہے۔

عصر حاضر کی شاعرات پر غالبؔ کا اثر دو طرح سے پڑا ہے۔ زبان پر اور خیالات پر۔ فارسی الفاظ و تراکیب کی کثرت اور بندشوں کی چستی و جدت ملاحظہ ہو۔

خورشید آرا بیگم خورشیدؔ

مگر نا واقفِ رمزِ گداز و سوز تھا نغمہ　　صباحت سے سحر اور رنگ و بو سے گل تہی داماں

خمار و کیف سے نا آشنا تھی فطرتِ صہبا

بہارِ شامِ سحر آئیں نہ تھیں رنگینیاں ساماں

رابعہ خاتون پنہاں بریلوی

ہائیں نگاہیں جوششِ حرماں سے خونِ دل میں نم
مردم چشم لہو آمیز ہے حسرت ستیم
ہر تحرک ہے لبِ سیماب وش کا خوں فروش
ہر رگِ جاں آتشِ اندوہ سے سوزش بدوش

ام الشہاب زینب

شعلۂ شمع فروزاں سے نہیں اتنی تپش
گرمیِ شوقِ شہادت ہے کہ گھبراتا ہے تو

وحید النساء وحید

صد سوزشِ جراحت و صد سوزشِ فراق
دل ہے اک اضطراب کی دنیا لئے ہوئے
امید چارہ سازیِ بیمار الوداع
خود ہے جگر میں درد مسیحا لئے ہوئے

طرز ادا اور خیالات پر جو غالب کا اثر پڑا ہے اس کی چند مثالیں یہ ہیں:۔

طاہرہ خاتون شبنم — غالب

قید حیات میں تو کرتا ہے فکر راحت
دیوانے ہنس پڑینگے سنکر خیال تیرا

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

ن ح۔ بیگم اختر صدیقی سندیلوی — غالب

آپ اپنے پہ رشک آتا ہے
کہ تمنائے یار کرتے ہیں

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے
میں اسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

ظریفہ

منظور نہیں مجھکو تنک ظرفی منصور
دنیا پہ عیاں حالِ دلِ زار نہ کرتے

غالب

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن
ہم کو تقلیدِ تنک ظرفی منصور نہیں

عزیز جہاں ادا بدایونی

ہر ایک حرفِ آرزو کو داستاں کئے ہوئے
زمانہ ہوگیا ہے اُن کو میہماں کئے ہوئے

غالب

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کئے ہوئے
جوشِ قدح سے بزم چراغاں کئے ہوئے

خالدہ بیگم خالدہ جبلپور

زندگی میری کہیں حرفِ مکرر تو نہیں
برق کیوں ڈھونڈتی پھرتی ہی نشیمن میرا

غالب

یارب زمانہ مجھکو مٹاتا ہے کس لئے
لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں

۴ ۔ عصرِ جدید کے علمبرداروں نے جنسی محبت کے تصور سے بلند ہوکر شاعری میں "پیغام" اور "اصلاح" کی بنیاد ڈالی تھی اور اس تحریک کا مکمل ترین اظہار اقبالؒ کی ہستی میں ہوا ۔ اقبالؒ نے قومی، ملی اور اخلاقی شاعری کو اپنا موضوع خاص بنا لیا تھا اور اس میں وہ آپ ہی مجتہد اور آپ ہی مختتم تھا ۔ اقبالؒ کا اثر عصرِ حاضر پر اس قدر زیادہ پڑا ہے کہ ابھی اس کو صحیح طور پر محسوس بھی نہیں کیا جاسکتا اور یہ اثر صرف شعراء پر ہی نہیں شاعرات پر بھی ہوا ہے اور یہ اسی کی برکت ہے کہ آج ہم خواتین کی زبان سے بھی قومی، ملی اور مذہبی بیداری کے نغمے سن رہے ہیں ۔ شاعرات حاضرہ میں اقبالؒ کے رنگ کی کامیاب ترین مثال محترمہ زیب عثمانیہ کا کلام ہے ۔

(الف) تلقین عمل } م۔ ر۔ ج۔ اختر گورکھپوری

قسم ہے ذوقِ عمل کی تجھکو قدم بڑھا اضطراب ہستی
خلش طلب کی نہیں ہے جسمیں وہ خاک پائیگا زندگی کو

نوشابہ خاتون قریشی

ہے سکونِ موت سے بدتر سکونِ انجماد — سعیٔ و حرکت وہر ہیں ہے امتیازِ زندگی
تابکے سامانِ نکبت ہستیٔ بیکار ہو — رزم گاہِ دہر میں آمادۂ پیکار ہو

زیب عثمانیہ

وہ قوم حق سے پاتی ہے انعام — جس کے قواہیں محرومِ آرام
تو سادہ رہرو میں سادہ رہرو — فتنوں سے پُر ہے منزل کا ہر گام
رہِ حیات ہیں مڑ مڑ کے نقشِ پا کو نہ دیکھ — مہ و ستارہ کی شانِ خرام پیدا کر

جہاں بانو بیگم حیدرآبادی

لَن ترانی کی صدا باقی ہی کوہِ طور رہے — یاں تنازع للبقا کا جاوداں دستور ہے
اے کہ سن گر آرزوئے منزلِ مقصود ہے — حرکتِ لا انتہا ہی رازِ ہست و بود ہے

سیدہ بیگم حبیب اللہ خانصاحب

خراب حالت ہوئی یہانتک تغافلِ بے محل کہانتک
کہ شاہراہِ عمل پہ دنیا قدم برابر بڑھا رہی ہے

آمنہ خاتون عفت

اگر یہ پائے ہمت جانبِ منزل رواں ہوگا — تو ہر خارِ بیاباں رشکِ گلہا جناں ہوگا

(ب) تعلیمِ خودی } سیّدہ سردار اختر:-

خود کو بھی ہشیار کر مجھ کو بھی ہشیار دیکھ
اشہد ان لا الٰہ ہے میری تعبیرِ خواب

ام الشہاب زیب عثمانیہ

اپنی خودی کو پوج اے برہمن
کمتر ہیں اس سے تیرے سب اصنام

غنچے کی جیبِ رنگیں نقدِ خودی سے خالی
ضعفِ خودی کی شاہد سبزے کی پائمالی

تاریخ امتوں کی اس بات پر ہے شاہد
ہر کم مذاقِ ملت ہے جلد مٹنے والی

اے بحر کچھ سمجھ کر قطرہ کی کرامانت
ہے رازدار تیری دنیائے بیکراں کا

حجلۂ عجز سے نکل پردۂ بندگی اٹھا
وقت کا اقتضا ہے زیبؔ خودی کو آشکار کر

عزیز جہاں بیگم اداؔ - بدایونی

رخِ گردشِ دوراں کا پلٹ سکتا ہے تو خود
ناداں گلۂ گردشِ ایام کہاں تک

اے ذرۂ ناچیز خجل مہر کو کردے
افتادۂ تقدیر و گمنام کہاں تک

(ج) مغربیت سے بیزاری }

سیّدہ سردار اختر

کتنی اداؤں کیساتھ آج ہے محوِ خرام
گردنِ اخلاق پر خنجرِ تہذیبِ حال

جلوۂ افرنگ کی آہ یہ افسوں گری
کل کہ جو شے تھی حرام آج وہ شے ہے حلال

پی کے مئے مغربی ہو نہ بہت جوش میں
ہوش میں آ ہوش میں تیرا نہیں یہ کمال

چشمِ بصیرت میری دیکھ چکی آہ آہ
موت سے پہلے ترا سانحۂ ارتحال

سیدہ عذرا جمال

بت افرنگ سے ہو تو نہ اگر رشتہ بہ پا	اب بھی ہے زندہ و پائندہ ترا رب ودود

نوشابہ خاتون قریشی

کلیجے مسلم کے جل چکے ہیں گلوں پہ خنجر بھی چل چکے ہیں
کہ اہلِ یورپ ستم سے اپنے ہماری طاقت کچل چکے ہیں
وہ شور ظلم و غضب کا اٹھا ہوئی قیامت زمیں پہ برپا
کہ خونخواران فتنہ افزا بگڑ چکے ہیں مچل چکے ہیں

(د) قومی و ملی نغمے } زیب عثمانیہ:-

حقیقت کے منافی ہے تری موجودہ بیداری	کہ تجھ میں بندۂ مومن کی قہاری نہ غفاری
زمانے کے حوادث پتھروں کو توڑ دیتے ہیں	بچائیگی تجھے کیا کفر کی آئینہ دیواری
مجھے اے زیب پہروں خون کے آنسو رلاتی ہے	مری ملت کی کم کوشی مری ملت کی ناداری

ثروت جمیل صاحبہ ثروت مظفر نگری

جوش میں کاش پھر آجائے مسلمان کا لہو	توڑ دیں بند غلامی تیرے آزاد غلام
ماہ و انجم کو گلے اٹھ کے ملا دیں باہم	حریت الفت و توحید کا دیکر پیغام
تیشۂ حق سے کریں قطع حصارِ باطل	ظلمت دہر میں ہو روشنی شمع کلام

قلب پر تمغۂ ایمان لگا دے یارب
بخت خوابیدۂ مسلم کو جگا دے یارب

سیدہ بیگم سیدہ

مخدّراتِ گروہِ مسلم، ہماری حالت ہی کیا رہی ہے
یہ غفلتِ بے پناہ توبہ کہ قومِ مسلم پہ چھا رہی ہے
وہ عزم باقی نہ رزم باقی نہ شوکت و شانِ بزم باقی
ہماری ہر چیز مٹ چکی ہے کہ ہمکو قسمت مٹا رہی ہے

بیگم نواب محمد اسمٰعیل خانصاحب

خدا کے واسطے اے مسلمِ خوابیدہ اُٹھ تو بھی
ترا یہ خوابِ غفلت ایک دن خوابِ گراں ہوگا
مصیبت ہے کہ نسواں میں نہیں احساسِ خودداری
نہ ہوگا اب اگر پیدا تو کب اے خواہراں ہوگا
اگر ہو جائے تیرے دل میں پیدا جذبۂ خدمت
تو اے خاتونِ مسلم تجھ سے روشن اک جہاں ہوگا
کہ تیری گود میں پلتی ہے قومِ مسلمِ عالی
توجہ سے تیری ہر فرد فردِ رفتگاں ہوگا

بلقیس جمال

آ سکوتِ شام میں پھر نالہ پیہم کریں — آ لبِ خاموش کو پھر واقفِ ماتم کریں
آہِ دل کا شمعِ محفل کو بنا دیں رازدار — کر بگ سوزاں کو سوزِ زیست کا ہمدم کریں
کھینچ لیں سینہ سے پھر پوشیدہ نوکیں تیر کی — زخمہائے چاکِ دل شرمندہ مرہم کریں
آ سیر گلشن میں زخمِ غنچہ محتاجِ رفو — بلبلوں میں پھر بپا ہنگامۂ ماتم کریں

نیم وا کلیوں کو رنگ زندگی سے رنگ دیں برگہائے خفتہ کو بیدار خواب غم کریں

اک شعاع نور چمکائیں جبینِ ماہ پر
ثبت کر دیں ایک آنسو آستینِ ماہ پر

(۳) اُمید کی جھلک

جہاں بانو بیگم صاحبہ حیدرآبادی

سونیوالے چونک غفلت سے سحر ہونیکو ہے پھر ہم آغوشِ تجلی برگ بر ہونیکو ہے
قافلہ کا کوچ پھر اے بیخبر ہونیکو ہے تو پڑا سوتا ہے کیوں کیا دربدر ہونیکو ہے

سیّدہ عذرا جمال

ہو نہ مایوس غلامی کے اگر دام میں ہے زندگانی کا مزا کوشش ناکام میں ہے

آمنہ خاتون عفت

قدم پہلا سنبھل کر تم نے گر عفت بڑھایا ہے
تو پھر نزدیک منزل جلد تر یہ کارواں ہوگا

سیّدہ بیگم حبیب اللہ خانصاحب

(حزنؔ یہ دن بھی) گذار دیگا وہ سیّدہ پھر قرار دیگا
ہماری حالت سنوار دیگا کہ کس کی بگڑی سدا رہی ہے

خورشید اقبال حیا

تو رنج نہ کر مغموم نہ ہو امیدیں مجھ سے کہتی ہیں
اس یاس کے ریگستاں سے پرے تسکیں کی نہریں بہتی ہیں

(۳) حبِ وطن

بلقیس جمال

آ وطن کی خاک کے ذرّے بنائیں آفتاب آ چمن کی ہر کلی سے اک چمن پیدا کریں

سیّدہ عذرا جمال:-

اُٹھ کہ پھر تیرا وطن گردشِ ایام میں ہے تلخیٔ زہر تیرے بادۂ گلفام میں ہے

سیّدہ سردار اختر

نشاطِ کیف غلامی سے بے نیاز کرے مرے وطن کو خدا حرّیت نواز کرے

۵ جوش اپنے خاص طرز کا مالک ہے دورِ جدید میں جوشؔ سے بہتر محاکات کی مثالیں کسی نے پیش نہیں کیں۔ جہاں جوشؔ کاوش اور آورد سے کام نہیں لیتا وہاں اس کے یہاں روح شاعری موجود ہے۔ جوانی کے جذبات کے مختلف پہلوؤں کو جس طرح جوشؔ نے نمایاں کیا ہے وہ بھی کسی اور کے یہاں نہیں ملتا۔ جوشؔ کا اثر نوجوان قلب و دماغ پر بہت پڑا ہے اور اس میں ہماری شاعرات بھی شامل ہیں۔ یہ امر بہت امید افزا ہے کہ ہماری شاعرات نے اس وقت تک اپنے کلام کو اس برہنگی سے محفوظ رکھا ہے جو جوشؔ کے نغموں کا خاصّہ ہے ساتھ ہی ساتھ ابھی انھوں نے خدا اور مذہب سے وہ بغاوت بھی نہیں سیکھی جو جوشؔ اور متبعینِ جوشؔ کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔ اگر ہماری شاعرات نے جوشؔ کے معائب سے بچکر صرف اس کے آرٹ کی تقلید کی تو وہ ایک پختہ ادب کے قابلِ تقلید

نمونے دنیا کے سامنے پیش کر سکیں گی۔ جوشؔ کے رنگ کی کامیاب مثالیں محترمہ شمیم ملیح آبادی کے کلام میں ملتی ہیں جو خود جوشؔ کی بھانجی ہیں۔

واقعات نگاری اور فطرت کی منظر کشی کی مثالیں ملاحظہ ہوں:-

صفیہ شمیم ملیح آبادی۔

بزمِ قدرت پہ کیف طاری ہے ۔۔۔ چاند کا فیضِ عام جاری ہے
سارا عالم رہینِ عشرت ہے ۔۔۔ نور ہے مستیاں ہیں نکہت ہے
جان سی پڑ گئی ہے صحرا میں ۔۔۔ چاندنی بہہ رہی ہے دریا میں
بے خبر فکر سے ہے روحِ حزیں ۔۔۔ سانس ہر ایک ہے نشاط آگیں
یہ فضائیں گلوں کی یہ بُو باس ۔۔۔ اب بھی لیکن شمیم دل ہے اُداس

ایک لڑکی بیکس و مجبور و زار ۔۔۔ خاک پر بیٹھی ہوئی ہے دلفگار
چیتھڑوں سے جسمِ لاغر ہے ڈھکا ۔۔۔ کائناتِ دل میں ہے محشر بپا
آنکھ میں ہے نیند کا ہلکا خمار ۔۔۔ گیسوئے خمدار پر گرد و غبار
قلب میں اُلجھن، پریشان و حزیں ۔۔۔ ایک کُرتا زیب تن نیم آستیں
ایک کہنہ اوڑھنی اوڑھے ہوئے ۔۔۔ جسکے آنچل جابجا اُدھڑے ہوئے
اندرونی دُکھ کی سچّی داستاں ۔۔۔ کر رہی ہے اسکی چشمِ خوں فشاں
بیکسی بیچارگی کا سر فرازہ ۔۔۔ دستِ نازک بھیک کی خاطر دراز

آہ یہ آفات، یہ بربادیاں
ہند کی اور آہ یہ شہزادیاں

بلقیس جمال

سرخ لبوں میں بادۂ شیریں — آنکھیں رنگیں، عارض سیمیں
نازِ بداماں محشر آگیں — دامن رنگیں، پلّو زرّیں

آنکھوں میں اک جامِ تبسّم — پتلی میں آرامِ تبسّم
ابرو میں اک دامِ تبسّم — زلفوں میں اک شامِ تبسّم
ہونٹوں میں پیغامِ تبسّم — سر تا پا الہامِ تبسّم

میمونہ خاتون غزالہ

ہونٹوں پہ ہے تبسّم آنکھیں جھکی ہوئی ہیں — معصوم حسن بیخود انگڑائی لے رہا ہے
ہاتھوں میں چوڑیوں کی رنگیں لہریاں ہیں — اک نیم باز غنچہ کانوں میں ہنس رہا ہے
مژگاں میں مست پتلی رقصاں ہے یا ستمگر — کالی گھٹا میں کوئی انگڑائی لے رہا ہے
گیسو سے نرم جھونکے کچھ چھیڑ کر رہی ہیں — ان پیاری انکھڑیوں میں ساغر چھلک رہا ہے
بجلی تڑپ رہی ہے ہر ہر نظر میں قاتل — ہر اک ادا میں ظالم شعلہ بھڑک رہا ہے

معصومیت کی پتلی دیوی نزاکتوں کی
تیری ادائے سادہ جنّت نہیں تو کیا ہے

خورشید آرا بیگم خورشید

شفق سے رنگیں اُفق ہوئی ہے جہاں پہ نشّہ سا چھا رہا ہے
ضیا میں ہمدوش تیرگی ہے کہیں کہیں جلوہ زا ہیں اختر
ہیں مائل آشیاں عنادل، ہیں اہلِ عالم سکون خواہاں
کنارِ رحمت میں سوئے زحمت پئے سکوں شورشیں ہیں مضطر

جمالیات و تجلّی آم آگئیں، فضا ہے لیکن کنارِ چشمہ
خموش بیٹھی ہے اک دوشیزہ جمال و رنگ شباب پیکر
ہیں گیسوئے عنبریں پریشاں، نگاہ یکسو لگی ہوئی ہے
ہیں بے نیازِ نظارہ آنکھیں ہیں خشک لب زرد روئے اور
سکوت کا بُت ہے یا الٰہی شبیہ مایوسیٔ الم ہے
ہوئی ہے یا محویت مجسّم، یا بیخودی کا جمیل پیکر
نگاہیں ساکن، زبان ساکت ہے دلمیں جذبات کا تلاطم
مثالِ سیماب ہر رگِ جاں، جگر میں غم کے لگے ہیں نشتر

عارفہ بیگم انجم :-

یہ کشمیر کا گلستاں اللہ اللہ | بہاریں فرشتوں کو للچا رہی ہیں
جدھر دیکھئے صورتیں پیاری پیاری | حسینانِ جنّت کو شرما رہی ہیں
یہ معلوم ہوتا ہے دوشیزہ پریاں | خراماں خراماں چلی آ رہی ہیں
نہ دیکھو ہٹا لو نظر اُن کے رُخ سے | حیا دار آنکھیں جھکی جا رہی ہیں
یہ پُر کیف منظر ہے کیا روح پرور | نگاہیں نگاہوں کو شرما رہی ہیں
یہ گردش ہیں ہیں اُنکی مستانہ آنکھیں | کہ گلزار میں جام چھلکا رہی ہیں

کنیز میمونہ

بھوک کی شدت سے ہے چہرہ نڈھال | فرطِ غم سے آرزوئیں پائمال
چشم سے لبریز پیمانے عیاں | آنسوؤں سے غم کے افسانے عیاں
ہائے یہ اُٹھتی جوانی کا جمال | یہ حسینہ اور روٹی کا سوال

زرد مٹی کی ہے عارض پر نقاب جس طرح بادل کی تہ میں ماہتاب
حسرت وارمان منھ پھیرے ہوئے حادثات زندگی گھیرے ہوئے
زندگی گرداب میں آئی ہوئی آبرو کی ناؤ چکرائی ہوئی
آسماں کی کجروی افسوس ہے حسن کی یہ مفلسی افسوس ہے

۶۔ اختر شیرانی اپنی رومان بھری نظموں کے لئے موجودہ عصر میں اپنا ایک خاص درجہ رکھتا ہے۔ اور موجودہ دَور کی شاعرات اسکے رنگ سے بھی متاثر ہوئی ہیں۔ آدا۔ بدایونی۔ کنیز فاطمہ حیا۔ نجمہ تصدق ام۔ اے۔ بی۔ ٹی وغیرہ کے یہاں رومانیت کے جو شدید نقوش ہیں وہ دراصل اختر ہی کے اثر کا نتیجہ ہیں۔ اس رنگ کی ایک خاص خصوصیت جنسی جذبات کی بے دھڑک نمائش ہے۔ اگر اس رنگ میں نظمیں لکھتے وقت شاعرات صرف اس امر کا لحاظ رکھیں کہ جذبات کی عظمت اُن کے پھپٹ پڑنے میں نہیں اُن کے ضبط و تحمل میں ہے۔ تو وہ اُردو میں اکثر بہترین نظموں کی تخلیق کر سکتی ہیں۔

اس دَور کی شاعرات کے چند رومان پرور نغمے ملاحظہ ہوں:۔

محترمہ کنیز فاطمہ حیا

آ بھی جاؤ کہ نئے سر سے محبّت کر لیں دل کے ویرانے کو معمورِ مسرت کر لیں
گردش چرخ کو پھر خوگرِ نہجت کر لیں عمر ناشاد کو سرمایۂ عشرت کر لیں
وقت باقی ہے ابھی آؤ کہ الفت کر لیں
آ بھی جاؤ کہ نئے سر سے محبّت کر لیں

آؤ دیکھو کہ سراپا غم پنہاں ہوں میں — شمع کی طرح سے اک شعلۂ سوزاں ہوں میں
دل شکستہ ہوں ستم کش ہوں پریشاں ہوں میں — درد شاید ہی کہ منت کش درماں ہوں میں

تم جو آجاؤ تو سب دور شکایت کرلیں
آبھی جاؤ کہ نئے سر سے محبت کرلیں

مرے دور رہنے کا غم نہ کر — مرے چھوٹنے کا الم نہ کر
مجھے خامہ خوں سے رقم نہ کر — مرے دل سے اُف یہ ستم نہ کر

مرا تذکرہ بھی نہ لب پہ لا
مجھے بھول جا مجھے بھول جا

میں رہین منت یاس ہوں — ہوئیں مدتیں کہ اداس ہوں
غم آرزو کے ہیں پاس ہوں — میں الم کی لطف شناس ہوں

تجھے کیوں ہے ملنے کا آسرا
مجھے بھول جا مجھے بھول جا

تجھے چاہتا ہے دل حزیں — کروں لاکھ منھ سے نہیں نہیں
ہوں ترے خیال سے ہیں قریں — میں کہیں ہوں میرا دل کہیں

ہے دل حزیں کا یہ مدعا
مجھے بھول جا مجھے بھول جا

تمھیں نے کی تھی محبت کی ابتدا کہ نہیں — تمھیں نے دردِ غم دل ہمیں دیا کہ نہیں
سکون روح کی محفل کو کر گئے خود برہم — ہمارے دل کو تماشائے غم کیا کہ نہیں
یہ بے نیازیاں اب کس لئے بتاؤ تو — فسانۂ غم الفت مرا سنا کہ نہیں

نجمہ تصدق ام۔ اے۔ بی۔ ٹی

چاندنی، مے، بہار، خلوتِ ناز
ان کی باہوں میں جھوم جانے دے

غم نہ کر للہ اتنا غم نہ کر میرے لئے
زندگی کیا ہے فقط ناکامیوں کا نام ہے

وہ مست مست رات، وہ بادۂ بدمست رات
اس مست مست رات کی قیمت نہ پوچھئے

یہ دور کی وادی سے مجھے کس نے پکارا
اک آگ محبت کی مرے دل میں لگادی

پھولوں کی بہار اور ستاروں کی جوانی
ہر چیز ترے مست تبسم پہ لٹادی

پھر کردیا مدہوش مجھے ہوش میں لاکر
پھر مست نگاہوں نے نگاہوں کو پلادی

اس شرم جفا پر تری، قربان وفائیں
جب شکوۂ بیداد کیا آنکھ جھکادی

پھر ہنستی ہوئی آنکھ سے دیکھا مجھے نجمہ
پھر سینۂ تاریک میں اک شمع جلادی

عزیز جہاں آدا بدایونی

ہاں ابر سیاہ، انجم رخشندہ پہ چھا جا
آنکھوں تلے پھرنے لگے ماضی کے نظارے

تاروں کی طرح میرے تصور میں ہیں روشن
وہ دن جو کبھی دوست کے پہلو میں گذارے

آنکھوں سے ادھر اشکِ گہرتاب کی بارش
گردوں پہ ادھر سسکیاں لیتے ہوئے تارے

کیا بھول گئے ہیں وہ محبت کی کہانی
کیا یاد انھیں اب نہیں گنگا کے کنارے

بھولے سے نہ وہ جنکو کبھی یاد کریں گے
جینا ہے کوئی اب انہیں یادوں کے سہارے

میرے مہ تاباں سے آدا کون یہ پوچھے
تنہا کوئی کبتک شب مہتاب گذارے

سر میں پنہاں تصوّرِ موہوم
دل میں اک آرزوئے نامعلوم
ایک نالہ سا ہے بغیر آواز
ایک ہلچل سی ہے نہ سوز نہ ساز
روح میں انتشار سا کیا ہے
دل کو یہ انتظار سا کیا ہے
کیوں یہ حالت ہے بیقراری کی
سانس لی یا کسی نے چٹکی لی
گھٹ کے روتے ہیں صدمے سہتے ہیں
کیا محبّت اسی کو کہتے ہیں

نجمہ رحمت اللہ بی۔ اے

اُفق کے پار اس دلکش فضا میں
جہاں رقصاں ہیں مہر و مہ کی کرنیں
وہاں رنگینیاں قوسِ قزح کی
بناتی ہیں فضا کو ارغوانی
وہاں ہیں چاندنی، پھول اور تارے
مقدس ہیں وہاں کے سب نظارے
وہاں کرتی ہیں خوشیاں رقص ہر سو
مرے ہمدم مجھے لے چل وہیں تو
جفا و جور سب کچھ بھول جائیں
کبھی واپس نہ اُس دنیا سے آئیں

شکیلہ بیگم نکہت

گلوں کو اوس سے نہلا کے جا چکی ہے بہار
مجھے تو خون کے آنسو رلا چکی ہے بہار
مری تو دنیا مٹا کر ہی جا چکی ہے بہار
فقط مجھے یہی نغمہ سُنا چکی ہے بہار
بہار بن کے تو آ جا کہ جا چکی ہے بہار

صفیہ شمیم ملیح آبادی

پُرکیف ہو جب دنیائے چمن اور ہر سو ہو آغازِ سحر
انگڑائیاں لیں نازک شاخیں ہوں وجد میں جب گلپوش شجر
جب محوِ تزئیں ہو عالم گل صحرا کو مہکاتے ہوں

جب کھیت ہواؤں کی رو سے میدانوں میں لہراتے ہوں
روشن ہو زمیں کا جب سینہ جب حسنِ فلک کا سوتا ہو
لیلائے شب کے دامن میں اک آدھ ستارا ہوتا ہو
جب نہروں اور تالابوں میں ہوں عکس فگن انوارِ سحر
ہر قطرۂ شبنم ہو موتی، ہر ذرۂ خاکی لعل و گہر
آراستہ ہو سلمائے جہاں جب نور کے دلکش زیور سے
پُر نور ہو جب تاریک فضا، مہتاب کے سیمیں منظر سے
کوئل کی صدائیں آتی ہوں جب رہ رہ کے گلزاروں سے
اک نغمۂ شیریں پھوٹ پڑے جب دل کے نازک تاروں سے
اس وقت ہٹا کے پردوں کو تو کاش چمن میں در آئے
ہستی کا مری ذرہ ذرہ تصویرِ مسرت بن جائے

محترمہ صفیہ شمیم کی اس پُر کیف نظم کے بعد جوش کی یہ لاجواب رباعی ذہن میں آجاتی ہے۔

غلطاں ہے سبو میں عکس انجم ساقی
دریا میں ہے چاند سے تلاطم ساقی
اس وقت نظر ملا کے دم بھر کے لئے
میں تیرے نثار ایک تبسم ساقی

سائرہ

تری گلیوں میں مٹ کر موت کے دن کاٹ دیتی ہیں
تری گلیوں سے اٹھے گی قیامت میں نہ سمجھی تھی
محبت تھی نشاطِ زندگانی وہ بھی کیا دن تھے

کہ آفت تم نہ سمجھے تھے مصیبت میں نہ سمجھی تھی
نظر ملتے ہی کچھ محجوب ہے وہ بیوفا مجھ سے
نگاہوں سے بھی ہوتی ہے شکایت میں نہ سمجھی تھی

ظریفہ

بہتر تو یہی تھا کہ مجھے پیار نہ کرتے — کرتے بھی تو رسوا سرِ بازار نہ کرتے
میں آپ دکھاتی تمھیں ہو رنگ کے جلوے — تم حسرت دیدار کا اظہار نہ کرتے
جذبات کی رَو میں مجھے معبود بنا کر — اے کاش تم اپنے کو گنہگار نہ کرتے

۷۔ دورِ جدید کی شاعرات نے اخلاقی مضامین کو بھی نظم کیا ہے۔ درس و تبلیغ عموماً روحِ شاعری کے منافی ہوتے ہیں جبتک کہ کہنے والا رومیؒ سعدیؒ یا اقبالؒ نہ ہو، اور شاعرات میں ابھی رومیؒ سعدیؒ یا اقبالؒ کی تلاش قبل از وقت ہے یہی وجہ ہے کہ شاعرات کے اس قسم کے اشعار میں شاعرانہ حسن وکیف تو موجود نہیں البتہ اخلاقیات کے زبردست جواہر ریزے ضرور ہیں۔

نجمہ تصدق ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی

حوادث سے بچنا بڑی بزدلی ہے — زمانہ کا ہر غم اُٹھاتا چلا جا

ممتاز جہاں ناز

جورِ دنیا سے تنگ دل کیوں ہوں — ہم کو ملتا ہے اس ستم میں لطف

انوار فاطمہ شمیم لکھنوی

مشکلیں غم کی خوشی سے کاٹ دے انساں ہے وہ
کچھ نہیں پہلو میں اک ہنستا ہوا دل چاہیے

شفیق بیگم ناز

حوادث سے زمانہ کے نہ گھبرانا کبھی اے ناز
خدا کے ہاتھ ہے بگڑی ہوئی قسمت بنا دینا

بیگم نواب محمد اسمٰعیل خانصاحب

اگر دل سے رہا قانع تو شاہِ خسرواں ہوگا — توکل دولتِ دارین کا طبل و نشاں ہوگا

شہزادی تیمور جہاں حجاب دہلوی۔

اعانت تو نے گر کی بے کسوں کی اور غریبوں کی
خدا کے فضل سے دونوں جہاں میں کامراں ہوگا
نہ پھول اس عیشِ دوروزہ پہ ہرگز پتلۂ خاکی
کہ اک دن کچھ نہ ہوگا تو بھی زیرِ خاک داں ہوگا

۸۔ ہمارے یہاں کثرت سے ایسے مضامین ہیں جن کو الفاظ کے اُلٹ پھیر سے مختلف زمانوں میں شعرا باندھتے چلے آئے ہیں اس قسم کے اکثر مضامین فرسودہ ہونے کی وجہ سے بے کیف ہوگئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج گل و بلبل کے افسانوں اور ہجر و وصال کی داستانوں میں کوئی لطف باقی نہیں رہا ہے حالانکہ یہ جذبات آج بھی قلبِ انسان میں اسی طرح جلوہ افروز ہیں جیسے کہ پہلے تھے، البتہ ذی استعداد شعراء ندرت اور جدتِ ادا سے کام لیکر جدید انداز اور نئے طرز سے اس طرح ادا کر دیتے ہیں کہ معمولی اور مستعمل مضامین میں بھی ایک خاص لطف پیدا ہو جاتا ہے، اور فرسودہ مضامین فرسودہ نہیں معلوم ہوتے۔ اکس

قسم کی مثالیں خواتین کے یہاں بھی موجود ہیں

سعیدہ خاتون سعیدہ عرف شوکت دُلہن

شب فرقت کی بیتابی سے میں واقف نہیں لیکن
کسی نے جیسے کانٹے رکھدیے ہیں آج بستر میں
نہیں معلوم اس کے بعد کتنے انقلاب آئے
جنوں کے ساتھ اک صحرا بھی آیا تھا مرے گھر میں

وفا ٹونکی

جیسے دل سینہ میں ڈوبا ہی چلا جاتا ہے
کھوئی کھوئی مری حالت کبھی ایسی تو نہ تھی

صفیہ شمیم ملیح آبادی :-

کسی کا نام سن کر ضبط کے باوصف پہروں تک
مرے بے نور چہرے کی درخشانی نہیں جاتی

عزیز جہاں ادا - بدایونی :-

تارہ سمجھ کے اک اک ذرہ کو چومتی ہوں
کچھ پا کے کھو دیا ہے اب اسکو ڈھونڈھتی ہوں
تکتی ہوں میں فلک کو حیران ہو رہی ہوں
ارمان و آرزو کی لاشوں پہ رو رہی ہوں

نجمہ تصدق ام - اے - بی - ٹی

اُن کی آنکھیں دیر تک رہتی ہیں اشک کہکشاں
جب کبھی راتوں کو نجمہ یاد آجاتی ہوں میں

چھیڑی جو میں نے تیری جوانی کی داستاں

تارے، شراب، پھول، سبو، مسکرا دئے

دلوں سے، جہاں سے، زمان و مکاں سے

میں رسم وفا ہوں اُٹھی جا رہی ہوں

۹۔ دورِ حاضر کی خواتین کے کلام کی ایک خصوصیت تشبیہات و استعارات کی تازگی و شگفتگی، حسن اور لطافت ہے، انسان فطرۃً تصویر سے لطف اُٹھاتا ہے اور چونکہ تشبیہ بھی ایک قسم کی تصویر ہے، اسلئے اس سے طبیعت کا محظوظ ہونا ایک فطری امر ہے، یہ اثر خصوصاً اسوقت زیادہ لطیف ہوتا ہے جب تشبیہ محسوسات سے دی جائے، اس قسم کی تشبیہ بہت عمدہ خیال کی جاتی ہے اور بہت مشکل بھی ہے۔ چونکہ غیر مادّی اور غیر مرئی اشیاء کی تصویر کھینچنا بہ نسبت مادّی اور مرئی اشیاء کی تصویر کھینچنے کے مشکل ہے۔ تشبیہات و استعارات کی چند نادر اور لطیف مثالیں ملاحظہ ہوں۔

عابدہ خاتون نسرین

ہے فسانہ ہر نگاہ میں، ہر ادا میں ہے کہانی

یہ شہاب سی اُمنگیں، یہ شراب سی جوانی

یہ عذار بوس کاکل، یہ نمایشِ پریشاں

کہ شراب جیسے اُڑ کر بنے آتشِ گلستاں

ممتاز جہاں ناز

اتنا سکوں نہیں کہ کروں ترکِ مدّعا
نیرنگیٔ فلک سے ہے تمھاری نظر مجھے

عزیز جہاں ادا بدایونی :-

جبینِ غنچہ پر شبنم نہیں ہے
عرق آلود روئے ناز نیں ہے
یہ کلیاں ہیں کہ ماضی کی وہ یادیں
جنھیں ہنگامہ ہائے غم بھلا دیں

شبِ سیاہ میں روشن ہے شمع جگنو کی
دیا غریب کا جس طرح ٹمٹمایا ہوا
ہوا کے دوش پہ رقصاں ہے پنکھڑی گل کی
رکا ہوا سرِ مژگاں ہے قطرہ آنسو کا
فضائے ساکن و تیرہ میں جس طرح کوئی
لرز رہا ہو فلک سے گرا ہوا تارہ

صفیہ شمیم ملیح آبادی

چہرہ عرق عرق وہ ادا ہیں تھکی تھکی
نظارۂ جمال پشیماں نہ پوچھئے

۱۰- دورِ حاضر کی شاعرات کے کلام میں جذبات نگاری کی بعض اس قدر اعلیٰ اور بلند پایہ مثالیں ملتی ہیں کہ اُردو شاعری بجا طور پر ان پر ناز کر سکتی ہے، وہ جذبات ہیں ـــــ زندہ مگر خوں گشتہ - اور اسی لئے ان میں بڑا کیف و اثر ہے :-

صفیہ شمیم ملیح آبادی :-

کیوں زندگی سے دل ہے پشیماں نہ پوچھئے
دیکھا ہے جو وہ خواب پریشاں نہ پوچھئے
کیونکر ہوا ہے درد بھی درماں نہ پوچھئے
مشکل ہوئی ہے کس طرح آساں نہ پوچھئے

وقتِ سفر تسلیٔ پیہم کے باوجود
کیوں چھٹ گیا تھا صبر کا داماں نہ پوچھئے
مستقبلِ شمیم ہے جس سے ضیا فگن
وہ دلفریب خواب پریشاں نہ پوچھئے

انوار فاطمہ شمیم لکھنوی

آتشِ غم بجھا رہی ہوں میں　　اشک پیہم بہا رہی ہوں میں
کوئی دیکھے مرا جنونِ طلب　　ان کو اپنا بنا رہی ہوں میں
شاید اب عشق ہو گیا کامل　　غم میں لذت سی پا رہی ہوں میں
دیکھئے کس ستم کا ہو آغاز　　پھر انھیں یاد آ رہی ہوں میں

وفا ٹونکی :-

ہر گھڑی رونے کی عادت کبھی ایسی تو نہ تھی
جان لیوا تری فرقت کبھی ایسی تو نہ تھی
موت ہی جیسے کہ اب اس سے چھڑا سکتی ہے
زندگی مجھ پہ مصیبت کبھی ایسی تو نہ تھی

اپنی ہستی پہ خود اک بار ہوئی جاتی ہوں
خود سے بیزار طبیعت کبھی ایسی تو نہ تھی
التجاؤں میں اثر ہے نہ دعاؤں میں اثر
مجھ سے برگشتہ مشیّت کبھی ایسی تو نہ تھی
دشمنوں سے بھی سمجھنے لگوں ان کو بدتر
دوستوں سے مجھے نفرت کبھی ایسی تو نہ تھی
زندگی جیسے کہ ممکن ہی نہیں تیرے بغیر
تیرے آنے کی ضرورت کبھی ایسی تو نہ تھی
تجھ سے کچھ کہنے کا ارماں کبھی ایسا تو نہ تھا
تجھ سے کچھ سننے کی حسرت کبھی ایسی تو نہ تھی
یوں وفا سے ہوئے ناراض تم اکثر لیکن
جیسی اب ہے تمھیں نفرت کبھی ایسی تو نہ تھی

بلقیس جمال

تجھ کو تیری ہی قسم ہے میرا حالِ زار سن
داستانِ درد تاریخِ دلِ بیمار سن
تیری اُلفت مرہمِ زخمِ دلِ مجبور تھی
تیری اُلفت روح و جانِ عاشقِ رنجور تھی
تیری اُلفت خانۂ تاریک کی تھی روشنی
تیری اُلفت میرے دل کو برقِ کوہِ طور تھی

تیری اُلفت کا مغنی تھا ہر اک تارِ نفس
نام لیتی تھی ترا تحریکِ آوازِ نفس

اس نے دیکھی ہیں لہو آمیز راتیں ہجر کی
اس نے دیکھی ہے مرے احساس کی آشفتگی

اونگھنے لگتے تھے تارے جب خمارِ خواب سے
تیری اُلفت جاگ اُٹھتی تھی کنارِ خواب سے

سبزہ مست انگڑائیاں لیتا تھا جب برسات میں
تیری اُلفت مسکراتی تھی مرے جذبات میں

چاندنی راتوں کی کیف آگیں تجلیات میں
تیری اُلفت نور تھی غمخانۂ جذبات میں

الغرض تیری محبت تھی مرا سرِّ حیات
کائنات الفت تھی مجھکو تیری الفت کائنات

آہ اب کیونکر سناؤں عاشقی کا ماجرا کسطرح اُلفت کو تیری مجھسے پھر لوٹا گیا

رخصت اے صبحِ جمالِ آرزوئے تشنہ کام
السلام اے مرکزِ حسنِ تمنا السلام

عزیز جہاں آرا بدایونی

کلی کلی کو گلستاں کئے ہوئے وہ آئینگے
وہ آئینگے کلی کلی کو گلستاں کئے ہوئے

سکونِ دل کی راحتوں کو آج اُن سے مانگ لوں
سکونِ دل کی وسعتوں کو بیکراں کیے ہوئے
حدیثِ آہ نیم شب سناؤں گی، سناؤں گی
زبانِ شبنم و گہر کو ترجماں کئے ہوئے
تجلّیاں لئے ہوئے وہ آرہے ہیں سوئے دل
نگاہ و دل کی وسعتوں کو بیکراں کئے ہوئے
متاعِ صبر و ہوش کو لٹاؤں ان کی راہ میں
وداع صبر و ہوش کو متاعِ جاں کئے ہوئے
یہ کیفِ انتظار ہے کہ ساری عمر کاٹ دوں
نظر کو وقفِ انتظارِ دلستاں کئے ہوئے

یہ کس قدر بلند پایہ شاعری کی مثالیں ہیں! یہ کیسے تڑپتے ہوئے جذبات ہیں! کس قدر شدید طور پر محسوس کئے ہوئے ذاتی شخصی جذبات! ان میں کتنی زندگی ہے، کتنی صداقت ہے، کتنا کیف ہے، کتنا اثر ہے! اگر ہماری شاعرات اس طرح کی بلند پایہ جذبات نگاری کرتی رہیں تو اُردو شاعری منفعل اور شرمندہ نظر نہ آئے گی۔

۱۱۔ ان شاعرات کے بیان میں زور اور کلام میں جوش بھی موجود ہے صرف دو مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

بلقیس جمال — "پروانہ" [۱]

میں نغمۂ خموش ہوں — پیامِ سوز و جوش ہوں
شرر کدہ بدوش ہوں — نوائے خوں فروش ہوں
غمِ دوامِ عشق ہوں — کہ صبح و شامِ عشق ہوں
شہیدِ نامِ عشق ہوں — کہ اک پیامِ عشق ہوں

---

[۱] جناب تلوک چند محروم نے بھی ایک نظم "پروانہ" کے عنوان سے لکھی ہے جس کے چار بند ہیں،

آفریں ننھے سے کیڑے آفریں — یہ ذرا سی جاں اور عشقِ آتشیں
بڑھ گیا فرہاد و مجنوں سے کہیں — تیرے مرنے کی ادا ہے دلنشیں
شکوۂ حسنِ تغافل کیش کیا
جان دینے کے سوا اور پیش کیا

شہپرِ ذوقِ فنا پر اُڑ چلا — سوزِ الفت کی ہوا پر اُڑ چلا
عشق کے اوجِ سما پر اُڑ چلا — اُڑ چلا راہِ وفا پر اُڑ چلا
گھر سے نکلا جستجوئے یار میں
تاکہ گم ہو جائے کوئے یار میں

بسکہ ہے دلدادۂ سوزِ وفا — اس لئے ہی بہرہ اندوزِ وفا
ظلمتِ شب تجھ کو نوروزِ وفا — تیرا جانا طلعت افروزِ وفا
یہ ترے ننھے سے پر پتلے سے بال
ہیں سراپا دفترِ شرحِ وصال

مری حیات مشتعل ہے ایک سوز مستقل
یہی جہان آب و گل یہی ہے جاں یہی ہے دل
فزوں ہے سوزش جگر دہکتے ہیں بال و پر
نظر اٹھا اٹھا نظر ہے شمع میری منتظر
لگی ہے آگ سر بسر
سلام عمر مختصر

پچھلے صفحہ سے}

اے کہ تجھکو آرزوئے عشق ہے شاہد سرمست بوئے عشق ہے
جانتا بھی ہے جو خوئے عشق ہے مقتل عشاق کوئے عشق ہے
شمع پر پروانہ کو دیکھا نہیں
عشق بازی کھیل بچوں کا نہیں

محترمہ بلقیس جمال کی نظم جذباتی اعتبار سے جناب تلوک چند محروم کی نظم سے بہتر ہے، جمال کی نظم کے جذبات محروم کی نظم کے جذبات سے شدید تر ہیں، علاوہ ازیں محروم کی نظم میں چونکہ ایک تیسری ہستی کے جذبات کی ترجمانی کیگئی ہے ان میں وہ شدت اور اثر کی گہری کیفیت باقی نہیں رہی ہے جو جمال کی نظم میں موجود ہے۔ چونکہ جمال کی نظم میں سب کچھ پروانہ کی زبان سے کہلوایا گیا ہے اسلئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذاتی جذبات ہیں جو شدید طریقہ پر محسوس کئے گئے ہیں اور اس نے محترمہ کی نظم کو بہت پر اثر بنا دیا ہے۔

سیدہ سردار اختر

بصد ناز و تمکیں، بصد کج کلاہی

وہ آیا، وہ آیا وطن کا سپاہی

وطن جس کا پیارا، وطن جس کا ایماں وطن کے مقدر کا روشن ستارا

جواں بازوؤں پر ردا پارہ پارہ جبیں سے نمایاں مگر نورِ شاہی

وہ آیا، وہ آیا، وطن کا سپاہی

وہ تھرّا اٹھی ظلم و طاقت کی دنیا وہ گھبرا اٹھی کبر و نخوت کی دنیا

وہ گرما اٹھی عزم و ہمت کی دنیا وہ لہرا اٹھا پرچم بے گناہی

وہ آیا، وہ آیا، وطن کا سپاہی

۱۲ - دورِ حاضر کی خواتین کے کلام میں کہیں کہیں فلسفیانہ مضامین بھی نظر آتے ہیں گو یہ ان کا عام رنگ نہیں چند مثالیں ملاحظہ ہوں :-

متشائم نظریہ حیات

بلقیس جمال

کیف غم میں خاک ہے جام شرابِ زندگی آبشارِ درد ہے بحرِ سرابِ زندگی

خاک اُڑتی ہے گلوں کی بلبلیں خاموش ہیں مختصر سا ہے یہی بابِ کتابِ زندگی

خورشید آرا بیگم خورشید

زندگی جبرِ فطرت کا پریشاں خواب ہے زندگی مجبوریٔ انساں کی ذرا گیں گراہ

زندگی ناکامیوں کی قسمت سیماب ہے زندگی افسردہ ارمانوں کی غم پرور نگاہ

نظریۂ حصولِ مسرّت

قیصر جہاں مسولی

غارِ زارِ غم کو طے کرلیں تو یہ جنّت ملے
بے نیازِ عیش ہو جائیں تو یہ دولت ملے
ترک کردیں لذّتیں ساری تو یہ لذّت ملے
نظرِ استغنا جو حاصل ہو تو یہ نعمت ملے

نظریۂ خود فراموشی

ممتاز جہاں ناز

عینِ عرفاں ہے خود فراموشی
اپنی ہستی کے ہے عدم میں لُطف

نظریۂ محبّت

نثار فاطمہ نثارؔ

محبّت کیا؟ حکومت دل پہ زنجیرِ سلاسل کی
شکایت کیجئے کس سے جنوں انگیزیٔ دل کی

نظریۂ عبادت

ج۔ اختر گورکھپوری

میں اپنے ذوقِ خدا پرستی کو ایسے مرکز پہ لا رہی ہوں
جہاں نہ دیر و حرم کے بندے ذلیل کرتے ہوں بندگی کو

نظریۂ عظمتِ انساں

محترمہ شمیم ملیح آبادی:۔

آراستہ ہے صحنِ گلستاں مرے لئے
نغمہ سرا ہیں مرغِ خوش الحاں مرے لئے

چلتی ہے سرد بادِ صبا میرے واسطے
آتا ہے روز ابرِ بہاراں مرے لئے

روشن ہے میرے واسطے رخسارِ ماہتاب
شاداب ہے فضائے گلستاں مرے لئے

بخشی ہے مجھکو خالقِ یکتا نے کائنات
ہیں عیش کے نشاط کے ساماں مرے لئے

اس میں اقبال کے آفاقی نغموں کا اثر کس قدر غالب ہے۔ محترمہ کے یہ اشعار اقبال کے اس مصرعہ کی کیسی دلکش تشریح ہیں ع

جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کیلئے

۱۲۳۔ اس دَور کی شاعرات نے مرثیے بھی لکھے ہیں، دو ایک نہایت مختصر مثالیں ملاحظہ ہوں،

محترمہ کلثوم (اپنے بیٹے کی وفات پر)

میٹھے بتھائے مجھپہ تو بپتا سی پڑ گئی
برچھی غموں کی ہائے کلیجہ میں گڑ گئی

افسوس ایک بیک مری قسمت بگڑ گئی
کیسی ہری بھری مری کھیتی اُجڑ گئی

دکھیاری غم کی ماری نہ روئے تو کیا کرے
کثرت سے غم کی جان نہ کھوئے تو کیا کرے

محترمہ حیا میرٹھی :۔ (علامہ راشد الخیری کی وفات پر)

ابھی بدل نہ سکا تھا مزاج دنیا کا

کئے ہوئے ہے مقیّد رواج دنیا کا
تخیّلات پہ اب بھی ہے راج دنیا کا

چلے گئے تم ابھی سے ہمیں شکایت ہے
الم کدے میں تمھاری ابھی ضرورت ہے

۱۴۔ دورِ حاضر کی شاعرات نے حمد، نعت و منقبت کے مضامین پر بھی قلم اُٹھایا ہے اور اس قسم کی بعض عمدہ مثالیں انکے یہاں موجود ہیں

حمد

محترمہ انوار فاطمہ شمیم لکھنوی :-

اپنی نااہلی کا احساس رہا تھا نہ کریم
مجھکو جرأت یہ ہوئی تھی کہ تری حمد کروں

نعت

محترمہ آمنہ خاتون عفّتؔ

مری روح و جاں نذر چشم کرم ہیں
خدارا نظر اک اٹھا دو محمدؐ

گناہوں سے مردہ ہوئی روحِ عفّتؔ
شفاعت سے اپنی جِلا دو محمدؐ

بیگم عروج

تمنا خون بنکر دوڑتی پھرتی ہے رگ رگ میں
مری ہستی کی گویا روح ہے اُلفت محمدؐ کی

قسم کھاکر کہا ہے نحنُ اقربُ ہے کہنے والے نے
وہ مجھ سے دور ہے جسپر نہیں رحمت محمدؐ کی

منقبت

محترمہ انوار

اے شہ تشنہ لب و راحتِ جانِ زہراؓ
اے جگر بندِ علیؓ فخر حجاز و بطحا
اے حسینؓ مدنی سرورِ ریاضِ احمدؐ
صدفِ بحرِ کرامات کے دُرِ یکتا
ساقیِ کوثر و تسنیم مکینِ فردوس
کسقدر رتبۂ عالی تھیں حق نے بخشا

محترمہ ریحاں

دلِ قاتل میں لرزہ پڑ گیا تھا جب سنائی تھی
نگاہِ واپسیں میں داستانِ آخری تو نے
سرِ لاشِ پسر تیرے تبسم ہائے پنہاں پہ
زمانہ محوِ گریہ ہے ہنسی تھی وہ ہنسی تو نے
نہ کیوں شاہا ترا مرنا سبق آموزِ عالم ہو
فنا ہو کر سکھائی ہے جہاں کو زندگی تو نے
قیامت تک کہے گی سجدہ گاہِ کربلا مولے
سکھا دی ایک سجدے سے جہاں کو بندگی تو نے

۱۵۔ اس دور کی شاعرات نے قطعات بھی لکھے ہیں۔ گو یہ قطعات طویل نہیں۔ دو مثالیں ملاحظہ ہوں :۔

محترمہ ساجدہ بنت دانش شاہجہانپوری

درد کی ٹیسیں کبھی بھی رائگاں جاتی نہیں
آہ کا ہونا اثر ہے قلب پر وہ ہو نہ ہو

جسطرح آذر صفت اک بُت تراش ہوشیار
کاٹ کر پتھر بناتا ہے بتانِ خوبرو

محترمہ سلمیٰ لاہوری: -

یوں ہی آسان کٹ نہیں سکتی
زندگانی کا سلسلہ ہے دراز
جس کو کہتے ہیں لوگ شادی و غم
ہیں اسی راہ کے نشیب و فراز

۱۶۔ شاعرات حاضرہ نے رباعیاں بھی لکھی ہیں اور خوب لکھی ہیں۔ اکثر رباعیاں نہایت پُر اثر و بلند پایہ ہیں۔

شاہزادی تیمور جہاں۔ حجاب دہلوی (آپ تیموریہ نسل سے تعلق رکھتی ہیں)

عبرت کدۂ دہر کے والی ہم ہیں
افسوس کہ وقت پائمالی ہم ہیں
تیمور کے ہاتھوں نے لگایا تھا جسے
اس نخل کی سوکھی ہوئی ڈالی ہم ہیں

محترمہ عابدہ خانم نسرین

دل سرد ہے جا بادۂ عنابی لا
سونے کیلئے حسین مہتابی لا
دس بجنے کو آئے نیند کا نام نہیں
اے اول شب لباس شب خوابی لا

مستقبل پر ایک نظر: -

خواتین کی اردو شاعری کا ایک مختصر سا خاکہ آپ کے پیشِ نظر ہے انھوں نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ اگر ایک طرف ان کے یہاں روایتی شاعری ملتی ہے تو دوسری طرف ذاتی جذبات اور قلبی واردات کی بھی کمی نہیں۔ اگر انھوں نے قدیم طرز پر اپنے خیالات کی ترجمانی کی ہے تو وہ جدید خیالات سے بھی پوری طرح متاثر ہوئی ہیں اگر ان میں بعض خواتین نو مشق

ہیں تو وہاں بعض ایسی کہنہ مشق شاعرات بھی ہیں جن کے کلام میں پختگی، صفائی، بلند پروازی سب کچھ موجود ہے، اور ان کو بجا طور پر اُستادی کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ مجموعی حیثیت سے خواتین کا کلام ابھی بہت کچھ اصلاح طلب ہے، لیکن موجودہ ترقی کو دیکھتے ہوئے کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم مستقبل کے متعلق مایوس ہو جائیں۔

موجودہ دور میں تعلیم کی ترویج و ترقی نے خواتین، خصوصاً مسلم خواتین میں شعر و ادب کا ذوق پیدا کر دیا ہے اور یہ ذوق بہت امید افزا ہے شاعرات کی ایک معتدبہ جماعت پیدا ہو گئی ہے اور تعلیم نسواں کی کوششوں کے ساتھ اس جماعت میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ اگر ہماری عصبیت پرور ذہنیتوں نے اُردو کا گلا نہ گھونٹ دیا ـــــــ اور یوں بھی انکی پھونکوں سے یہ چراغ بجھتا نظر نہیں آتا ـــــــ تو رفتار زمانہ اور تعلیم کی ترقی کے ساتھ یہ جماعت بہت جلد ترقی کریگی اور مستقبل قریب میں ہندوستان میں ایسی شاعرات پیدا ہو جائینگی جو صحیح معنوں میں شعر و شاعری کی علمبردار ہونگی۔ اور اردو ادب کی اس بڑی کمی کو پورا کر دیں گی جو آج بھی اس میں موجود ہے۔ گو اب پرانی شاعرانہ روش کی ترقی کا زیادہ امکان نہیں تاہم جذباتی، مذہبی، اخلاقی، سیاسی، قومی، وطنی، محاکاتی، اور فلسفیانہ شاعری میں ابھی ترقی کی بہت گنجائش باقی ہے، اور موجودہ خواتین نے قدیم طرز تغزل کو ترک کر کے اس رنگ میں کہنا شروع بھی کر دیا ہے جو دماغی اور ذہنی

ترقی کی نہایت شاندار تمہید ہے۔

ادب کے متعلق دنیا میں دو نظریے قائم ہیں "ادب برائے ادب" اور "ادب برائے زندگی"۔ موجودہ دَور میں ہمارے شاعروں اور ادیبوں نے شعروادب کی افادی حیثیت و ضرورت کو محسوس کرلیا ہے، ان کا مذہب "ادب برائے زندگی ہے۔ ان کے نزدیک ہر ایسا ادب مردود و نامسعود ہے جس کو زندگی اور زندگی کی گہری حقیقتوں سے تعلق نہ ہو، یہ امر بھی بہت امید افزا ہے کہ ہماری شاعرات بھی ادب کی اس افادی ضرورت کو رفتہ رفتہ محسوس کرنے لگی ہیں، اور وہ دن دور نہیں جب وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ جائیں گی کہ اگر ادب کا زندگی اور زندگی کے گہرے حقائق اور ضروری مسائل سے تعلق نہیں تو وہ ادب پائندہ اور دیرپا نہیں ہو سکتا ہے، حضرت علامہ اقبالؒ کا فرمان ہے

ہیں شعر کے اسرار سے واقف نہیں لیکن — یہ نکتہ ہے تاریخ امم جسکی ہے تفصیل
وہ شعر کہ پیغامِ حیاتِ ابدی ہے — یا نغمۂ جبریل ہے یا صورِ سرافیل

لیکن موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے ہم شاعرات کی طرف سے مایوس نہیں ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ زمانۂ قریب میں شاعرات کی جماعت میں بہت کثیر اضافہ ہوگا۔ وہ صحیح راستوں کو ڈھونڈیں گی، وقت کی ضرورت کو سمجھیں گی اور اس طرح نہ صرف یہ کہ وہ اپنا اور قوم کا قیمتی وقت ضائع ہونے سے بچالیں گی بلکہ ساتھ ہی ملک، قوم، مذہب اور زبان کی بہترین خدمات بھی انجام دے سکیں گی کیا عجب ہے کہ اس

ہنگامہ میں کوئی سیفو[1] کوئی خلنسہ[2] کوئی قرۃ العین[3] کوئی میرا بائی[4] کوئی مس ایلزبتھ بیرٹ براؤننگ[5] بھی پیدا ہو جائے۔

بہر حال یہ ہے ایک مختصر سا خاکہ دورِ سلف اور دورِ حاضر کی خواتین کے شعری کارناموں کا اب دیکھنا یہ ہے کہ مستقبل کی شاعرات اپنے پیچھے زمانہ میں کیا نقوش باقی چھوڑتی ہیں۔

موجودہ شاعرات کی ادبی مساعی ہر حیثیت سے قابلِ تحسین و آفرین ہیں، لیکن میں مستقبل کی خواتین کو اس سے بھی زیادہ شاندار ادبی حیثیت سے دیکھنے کا متمنی ہوں میں عالمِ خیال میں آج بھی شاعرہ فردا کو یہ کہتے ہوئے سن سکتا ہوں کہ ع طلوعِ فردا کا منتظر رہ کہ دوش و امروز ہے فسانہ

جمیل

---

[1] سیفو (Sappho) زبردست یونانی شاعرہ جس کا شمار ہومر (Homer) کے ساتھ ہوتا ہے اس کے متعلق ناقدین کے الفاظ یہ ہیں:-

"Sappho, the greatest of women poets, the peer of the greatest poets of the other sex in the supreme power of uniting art and passion . . . . . ." (Elis)

[2] خلنسہ مشہور عربی شاعرہ جو اپنے کلام کی بدولت غالباً ہمیشہ زندہ رہے گی۔

[3] قرۃ العین - ایران کی زبردست شاعرہ، مقررہ وادیبہ

[4] میرا بائی - ہندی کی زبردست شاعرہ۔

[5] مس ایلزبتھ بیرٹ براؤننگ - Miss Elizabeth Barret (Browning) - انگلستان کے جواں مرگ شاعرِ اعظم براوننگ (Browning) کی بیوی جو بہت مشہور اور بہت بلند پایہ شاعرہ گذری ہے۔

شاعراتِ اُردو

موجدین





شاہزادی زیب النساء 'مخفی'

شاعراتِ اُردو

موجدین

مخفی

شاہزادی زیب النساء بیگم کا تخلص ہے جو شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر (۱۰۲۸ھ ۱۶۱۸ء تا ۱۱۱۸ھ ۱۷۰۶ء) کی سب سے پہلی اولاد تھیں۔ زیب النساء۔ دلرس بانو بنت شاہنواز صفوی[1] کے بطن سے شوال ۱۰۴۸ھ ۱۶۳۸ء میں پیدا ہوئی تھیں! ابتدائی تعلیم حافظ مریم ام عنایت اللہ خاں[2] کے سپرد ہوئی۔ حافظ مریم اپنے زمانہ کی نہایت قابل اور تعلیمیافتہ خاتون تھیں۔ انھوں نے

---

[1] شاہ نواز کا اصلی نام بدیع الزماں تھا۔ جہانگیر کے زمانہ میں معزز عہدوں پر سرفراز ہوا اور شاہ نواز خاں کا خطاب پایا۔ شاہجہاں کے زمانہ میں بہت سے کارہائے نمایاں انجام دئے۔ شاہجہاں نے ۱۰۴۷ھ ۱۶۳۷ء میں اورنگ زیب کی شادی اسکی بیٹی دلرس بانو سے کردی۔ چار لاکھ کا مہر باندھا گیا۔ طالب آملی نے تاریخ کہی۔ ع

دو گوہر بیک عقد دوراں کشیدہ۔

[2] عالمگیری امراء میں عنایت اللہ خاں ایک نہایت معزز عہدہ دار تھا۔

سب سے پہلے قرآن مجید کی تعلیم دی۔ شہزادی نے صرف دو سال تین ماہ[۵۱] میں قرآن شریف ختم کر لیا۔ اس کے بعد حفظ کرایا گیا۔ جس وقت شاہزادی نے کلام مجید حفظ یاد کیا ان کی عمر تقریباً دس سال کی تھی۔ اورنگ زیب نے انعام میں اس فاضل معلّمہ کو تیس ہزار اشرفیاں دیں[۵۲]۔

اس کے بعد عربی و فارسی کی تعلیم شروع ہوئی اور **ملّا سعید اشرف** ماژندرانی[۵۳] نے جو ایک جیّد ایرانی عالم اور فارسی کے زبردست شاعر تھے اس تعلیم کی تکمیل کی۔ شاہزادی نظم و نثر میں ملّا سعید اشرف ہی سے اصلاح لیتی تھیں۔ اس لئے اکثر لوگوں کو شبہ ہوا ہے کہ فارسی میں جو کلام زیب النساء مخفی کے نام سے مشہور ہے وہ در اصل ملّا ہی کا کلام ہے۔

ملّا اشرف غالباً ۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۹ء میں جب شاہزادی کی عمر تقریباً اکیس سال کی تھی۔ تعلیمی خدمات پر مامور ہوئے تھے اور تیرہ چودہ برس کے قریب وہ اس تعلق سے زیب النساء کی خدمت میں رہے۔ ۱۰۸۳ھ / ۱۶۷۲ء میں ملّا نے وطن جانے کی اجازت چاہی اور ایک قصیدہ لکھکر

---

۵۱ مآثر الامراء جلد دوم صفحہ ۶۷۰ - ۶۷۱

۵۲ مآثر عالمگیری صفحہ ۵۳۸

۵۳ ملّا سعید اشرف ماژندرانی ملّا سعید تقی مجلسی کے نواسے تھے۔ اورنگزیب کی حکومت کے شروع زمانہ میں ایران سے آئے تھے بڑے متبحر عالم اور زبردست شاعر تھے۔ عالمگیر نے ان کو زیب النساء کی تعلیم کیلئے خود مقرر کیا تھا۔

شاہزادی کی خدمت میں پیش کیا جس میں رخصت کی درخواست اس طرح کی گئی تھی۔

یک بار از وطن نتواں برگرفت دل | در غربتم اگرچہ فزون است اعتبار
پیش تو قرب و بُعد تفاوت نمی کند | گو خدمتِ حضور نباشد مرا شعار
نسبت چو باطنی است چہ دہلی چہ اصفہاں | دل پیش تست من چہ بہ کابل چہ قندھار

شاہزادی نے انعام و اکرام دیکر رخصت کیا اور ملّا اپنے وطن ایران کو واپس چلے گئے۔

۱۰۹۱ھ / ۱۶۸۱ء میں اورنگ زیب نے شاہزادہ اکبر کو راجپوتوں کی بغاوت[۱] فرو کرنے کے لئے ایک فوج کے ہمراہ جودھپور روانہ کیا راجپوتوں کے بہکانے سے شاہزادہ خود باغی ہوگیا اور حصولِ تخت کے لالچ میں خود عالمگیر کے خلاف صف آرا ہوگیا۔ زیب النساء اور اکبر میں جو سگے بھائی

---

[۱] اس فتنہ کا آغاز اس طرح ہوا تھا کہ جسونت سنگھ والی مارواڑ کا ۱۶۷۸ء میں پشاور میں انتقال ہوگیا۔ مہاراجہ کی دو رانیاں لاہور آئیں اور ان کے دو لڑکے پیدا ہوئے۔ اورنگ زیب نے ازراہِ لطف و عنایت ان دونوں لڑکوں کو دہلی میں رکھکر خاص اپنی عاطفت و نگرانی میں ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا۔ راجپوت بغاوت پر تُلے بیٹھے تھے انکو ایک اچھا بہانہ مل گیا اور انھوں نے ایک ہنگامہ برپا کر دیا کہ بادشاہ ان دونوں لڑکوں کو مسلمان بنانا چاہتا ہے۔ یہ سنتے ہی بغیر سوچے سمجھے راجپوتوں نے بغاوت کر دی۔

بہن[1] بھتے خط و کتابت ہوتی تھی اور وہ اس وقت بھی جاری رہی - یہ خطوط مشکوک نگاہوں سے دیکھے گئے اور شاہزادی پر شاہی عتاب نازل ہوا۔ چنانچہ زیب النساء کی تنخواہ جو چار لاکھ سالانہ تھی بند ہو گئی - مال و متاع ضبط ہو گیا اور شاہزادی کو قلعہ سلیم گڑھ میں رہنے کا حکم ہوا - مگر جلد ہی شاہزادی کی بیگناہی ثابت ہو گئی اور اورنگ زیب نے ان کا قصور معاف کر دیا۔

شہنشاہ اورنگ زیب کو شاہزادی سے بہت محبت تھی اور وہ ان کی

---

[1] زیب النساء کے پانچ بھائی تھے جن میں دو شہزادہ محمد اکبر اور شہزادہ محمد اعظم حقیقی اور باقی تین شہزادہ محمد سلطان، شہزادہ معظم شاہ اور شہزادہ کام بخش سوتیلے بھائی تھے۔ ان کے علاوہ زیب النساء کے چار اور بہنیں تھیں ان کے نام یہ تھے - زینت النساء بیگم - زبدۃ النساء بیگم - بدر النساء بیگم۔ اور مہر النساء بیگم - زینت النساء بیگم کی شادی سلطان اورنگ شاہ والی ترکستان سے ہوئی تھی - زبدۃ النساء کا عقد دارا شکوہ کے لڑکے سپہر شکوہ سے ہوا تھا - لیکن عین عالم شباب میں انتقال ہو گیا - بدر النساء کی وفات بھی عالم شباب ہی میں ہوئی - مہر النساء شہزادہ مراد کے لڑکے ایزد بخش سے بیاہی گئیں - اس تفصیل سے مغربی مصنفین کی اس یاوہ گوئی کا بھی ازالہ ہو جاتا ہے کہ سلاطین تیموریہ اپنی لڑکیوں کی شادی نہیں کرتے تھے - اس قسم کی موضوعہ روایتوں سے انھیں مغل شہزادیوں کو بدنام کرنے میں بڑی مدد ملی ہے؛

بڑی قدر و منزلت کرتے تھے جب وہ کہیں باہر سے آتیں تو شاہزادوں کو حکماً ان کے استقبال کیلئے بھیجا جاتا ۔ ۱۰۹۲ھ میں جب روح اللہ خاں کی والدہ حمیدہ بانو بیگم کا انتقال ہوا تو شہنشاہ نے شاہزادی زیب النساء کو رسم تعزیت ادا کرنے کیلئے بھیجا ۔ ۱۰۹۳ھ میں جب شاہزادہ کام بخش کی شادی ہوئی تو تمام رسوم شاہزادی کے محل میں ادا ہوئیں ۔ جملہ ارکان دولت شہنشاہ کے حکم سے شاہزادی کی ڈیوڑھی تک پاپیادہ گئے ۔ عالمگیر، زیب النساء کو سفر و حضر میں ساتھ رکھتے تھے ۔ کشمیر کے سفر میں بھی زیب النساء شہنشاہ کے ہمراہ تھیں البتہ جب اورنگ زیب دکن کی مہم پر گئے تو شاہزادی دہلی ہی میں مقیم رہیں ۔ اسی دوران میں ۲۹ ذی الحجہ ۱۱۱۳ھ مطابق ۱۷۰۱ئہ کو شاہزادی نے انتقال کیا ۔ وَادۡخُلِی جَنَّتِی مادہ تاریخ ہے اس مادہ سے ۱۱۱۴ھ نکلتے ہیں ۔ چونکہ انتقال کے وقت سال پورا ہونے میں ایک دن باقی تھا اسلئے تاریخ گو نے ایک دن بعد کی تاریخ کہہ دی ہے !

علامہ شبلی لکھتے ہیں :

"عالمگیر اس زمانہ میں دکن کی فتوحات میں مصروف تھا یہ خبر سنکر سخت غمزدہ ہوا بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکلے اور باوجود انتہا درجہ کے استقلال مزاج کے صبر کی تاب نہ لاسکا سید امجد خاں، شیخ عطاء اللہ اور حافظ خاں کے نام حکم صادر ہوا کہ اس کے ایصال ثواب کیلئے زکوٰۃ و خیرات دیں

اور شہزادی کا مقبرہ تیار کرائیں۔"

شاہزادی کا انتقال دہلی میں ہوا تھا مگر ان کی وصیت کے مطابق ان کو لاہور میں نئے کوٹ کے قریب (جو اب "نواں کوٹ" کہلاتا ہے) شاہی باغ میں دفن کیا گیا۔ یہ باغ شاہزادی نے خود ہی بنوایا تھا۔ اور خوبصورتی میں شالامار کے بعد اس کا کوئی مد مقابل نہ تھا۔

شاہزادی زیب النسا نہایت عالم و فاضل خاتون تھیں۔ عربی و فارسی میں دستگاہ کامل رکھتی تھیں۔ علامہ شبلی رقمطراز ہیں:۔

"تمام مورخین نے بہ تصریح لکھا ہے کہ زیب النسا علوم عربیہ اور فارسی زباں دانی میں کمال رکھتی تھی نستعلیق، نسخ اور شکستہ خط نہایت عمدہ لکھتی تھی خود صاحب تصنیف گذری ہیں مگر علامہ شبلی فرماتے ہیں وہ لیکن اسکی تصنیفات سے آج کوئی چیز موجود نہیں"۔ مجمع الغرائب میں ملا سعید اشرف مازندرانی کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ زیب النساء کی ایک بیاض خاص ایک خواص کے ہاتھ سے جسکا نام ارادت فہم تھا حوض میں گر پڑی۔ اسپر ملا سعید اشرف نے ایک قطعہ لکھکر شاہزادی کی خدمت میں پیش کیا۔ اس قطعہ کا وہ شعر جس میں ارادت فہم کا نام آیا ہے یہ ہے:۔

دوش از دست ارادت فہم، خاکم در دہن
چوں بیاض سینہ ماہی در آب افتادہ است

اس کے علاوہ تذکروں میں شاہزادی کی ایک اور تصنیف

"زیب المنشآت" کا ذکر ملتا ہے" تذکرۃ الغرائب کے مصنف نے لکھا ہے کہ "میں نے اس کو دیکھا ہے" "زیب المنشآت شاہزادی کے خطوط اور رقعات کا مجموعہ ہے"

زیب النساء بڑی علم دوست اور فضل و کمال کی بڑی قدرداں تھیں، بڑے بڑے علماء و فضلا خدمت میں حاضر رہتے تھے تصنیف و تالیف کا محکمہ قائم تھا۔ اس کیلئے شاہزادی نے ایک نہایت عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا تھا جس کے متعلق مصنف آثر عالمگیری لکھتا ہے کہ اسکی نظیر کسی کی نظر سے نہ گذری ہوگی۔ خود مصنف موصوف کے الفاظ یہ ہیں:۔

"در سرکار علیہ کتاب خانہ گرد آمدہ بود کہ بنظر ہیچ
یکے در نیامدہ باشد" (ص ۵۳۹)

"زیب النساء کی سرپرستی میں جو کتابیں تصنیف ہوئیں ان میں سے ایک کے متعلق علامہ شبلی لکھتے ہیں:۔

"زیب النساء نے جو کتابیں تصنیف کرائیں ان میں قابل ذکر تفسیر کبیر کا ترجمہ ہے۔ یہ مسلم ہے کہ تفسیروں میں امام رازی کی تفسیر سے زیادہ جامع کوئی تفسیر نہیں اس لئے زیب النساء نے ملا صفی الدین اردبیلی کو جو کشمیر میں مقیم تھے حکم دیا کہ اسکا فارسی ترجمہ کریں چنانچہ اسکا نام زیب التفاسیر رکھا گیا۔ بعض تذکرہ نویسوں نے غلط لکھدیا ہے کہ وہ زیب النساء کی مستقل تصنیف ہے

شاہزادی زیب النساء نہایت متشرع، عبادت گذار، زاہدہ اور عابدہ خاتون تھیں۔ مزاج میں بیحد نفاست و سادگی تھی۔ حکیم مظفر حسین صاحب دہلوی کا بیان ہے کہ

"لباس عموماً سادہ اور سفید پہنتی تھی۔ غالباً تمام عمر ریشمی اور رنگین لباس زیب تن نہیں کیا۔ میا بائی[1] کا بیان ہے کہ وہ اس قدر سادگی پسند تھی کہ اس نے تمام عمر سرمہ اور مسّی استعمال نہیں کیا۔۔۔ تاہم وہ اپنی خواصوں اور دیگر متعلقین عورات کو اپنی پیروی پر مجبور نہ کرتی تھی بلکہ اس کے برخلاف ان کو رنگین اور ریشمین لباس پہننے کی تاکید کرتی تھی۔۔۔" [2]

خود زیب النساء کے نام سے جو فارسی کلام موجود ہے اس میں یہ شعر ملتا ہے ؎

زیب و زینت بس ہمینم نام من زیب النساء ست
دختر شاہم ولیکن رو بفقر آوردہ ام

شاہزادی تمام عمر نا کتخدا رہیں۔ کسی تاریخ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کی شادی ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ شاہزادی، دارا شکوہ کے بیٹے سے (جنکا نام غالباً سلیمان شکوہ تھا) منسوب ہوئی تھیں۔ مگر جب سے انھوں نے سیاسی پیچیدگیوں کا شکار ہو کر وفات پائی تو پھر شاہزادی

1۔ میا بائی زیب النساء کی دودھ پلائی تھی۔
2۔ "شہزادی زیب النساء" مصنفہ حکیم مظفر حسین صاحب دہلوی ص ۲۰

نے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ اور تمام عمر تجرد میں اپنے علمی ذوق میں بسر کر دی۔

عالمگیر نے ملک الشعرائی کا عہدہ جو عرصہ سے چلا آرہا تھا ختم کر دیا تھا [۱] لیکن زیب النسا کی ادب نوازی اور قدردانی نے اسکو گویا دوبارہ قائم کیا۔ بڑے بڑے شعراء غزلیں، نظمیں اور قصیدے کہکر لاتے تھے اور انعام و اکرام سے سرفراز ہوتے تھے۔

اس سلسلہ میں ایک واقعہ علامہ شبلی نے بیان کیا ہے جس سے تیموریہ بیگمات کی علم دوستی، قدردانی اور ساتھ ہی ساتھ ان کے کیرکٹر پر روشنی پڑتی ہے اس واقعہ کو علامہ شبلی ہی کے الفاظ میں سنئے:

"جہاں آرا بیگم (زیب النسا کی پھوپھی) ایک دفعہ باغ کی سیر کو نکلی ہر طرف پردہ کرا دیا گیا۔ میر صیدی طہرانی ایک مشہور شاعر تھا وہ کسی حجرہ میں چھپ کر سواری کا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ بیگم کا ہاتھی پاس سے گذرا تو بیساختہ صیدی نے یہ مطلع پڑھا۔

برقع برخ افگندہ بردناز بہ باغش	}	باغ میں برقعہ پھینکر اسلئے جاتی ہی
تانکہت گل بیختہ آید بہ دماغش		کہ پھول کی خوشبو چھن کر دماغ میں آوے

بیگم نے حکم دیا کہ شاعر کو کشاں کشاں سامنے لائیں۔ بیگم نے بار بار مطلع پڑھوا کر سنا اور پانچہزار روپیہ دلوائے لیکن ساتھ

[۱] اس عہدہ پر فیضی، طالب آملی۔ قدسی اور کلیم مامور رہ چکے تھے۔

ہی حکم دیا کہ شہر سے باہر نکال دیا جائے (یعنی گستاخی کیوں
کی) اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ بیگمات کے لئے
کس قسم کے آداب مقرر تھے"۔[1]

چند افترا پردازوں نے اور ان کی کورانہ تقلید میں کچھ ناعاقبت اندیش
مصنفوں نے زیب النساء اور عاقل خاں کے جو قصے[2] بیان کئے
ہیں وہ سب ان کے من گھڑت[3] افسانے ہیں جن کو حقیقت سے کوئی

---

[1]۔ یہ واقعہ صاحب خزانہ عامرہ نے صیدی طہرانی کے تذکرے میں بیان کیا ہے۔ غالباً علامہ شبلی نے وہیں سے لیا ہے۔

[2]۔ اس طرح کے غلط قصوں کو مغربی مصنفین خصوصاً ڈاکٹر برنیر (Francois Bernier) نے بہت کچھ آب و رنگ کے ساتھ پیش کیا ہے جو اس کے اکثر بیانات کی طرح بالکل بے بنیاد اور بادر ہوا ہیں۔ برنیر ایک فرانسیسی طبیب تھا جو شاہجہاں کے عہد کے آخری زمانے میں ہندوستان آیا اور عالمگیر کے ابتدائی عہد حکومت تک رہا۔ برنیر۔ دانشمند خاں کی ملازمت میں تھا جو ایک بڑا درباری اور نہایت عالم و فاضل شخص تھا۔ عالمگیر کے سفر کشمیر میں برنیر شہنشاہ کے ساتھ تھا۔

[3]۔ یہ افسانہ اسطرح بیان کیا گیا ہے کہ زیب النساء اور عاقل خاں میں عشق تھا اور عاقل خاں چھپے چوری محل میں آیا جایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ عالمگیر کو خبر ہو گئی۔ عاقل خاں ایک دیگ میں چھپ گیا۔ عالمگیر نے اس دیگ میں پانی گرم کرنے کا حکم دیا (باقی اگلے صفحہ پر)

تعلق نہیں، لیکن یہاں اُن پر تبصرہ کا موقع نہیں۔ یہ بجائے خود ایک مستقل تاریخی موضوع ہے جو بالتفصیل بحث کا محتاج ہے، اوپر جو باغ والا واقعہ پیش ہوا ہے اس سے مغل شاہزادیوں کے آداب اور کیریکٹر پر روشنی پڑچکی ہے۔ علاوہ ازیں ایک غور طلب امر یہ بھی ہے کہ وہ اورنگزیب جس کے زہد و اتقا، اور اخلاق و مذہبیت کو آج بھی اس کا سخت سے سخت ناقد اور بڑے سے بڑا دشمن بھی تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیا وہ اس قسم کے ناشدنی واقعات کو خود حرم شاہی کے اندر برداشت کر سکتا تھا اور خود وہی اورنگ زیب جس زیب النساء کی اس قدر عزت اور اس قدر قدر و وقعت کرتا ہو، کیا اس کے متعلق کچھ مفسدوں نے جو ناہنجار افسانے بیان کئے ہیں ان میں کچھ بھی حقیقت ہوسکتی ہے؟

پچھلے صفحہ سے عاقل خاں نے دم نہ مارا اور اسی میں جلکر مرگیا مرتے وقت یہ مطلع پڑھا

بعد مردن زجفائے تو اگر یاد کنم ❖ از کفن دست بروں آرم و فریاد کنم

اگر صرف اس واقعہ پر ہی بغور نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ کسقدر لغو اور بے بنیاد ہے عاقل خاں لاہور کا حاکم تھا۔ زیب النسا دہلی میں رہتی تھیں۔ علاوہ ازیں زیب النسا کا محل گویا باورچیخانہ تھا اور وہاں ہر قسم کے برتن موجود تھے کہ عاقل خاں ایک دیگ میں چھپ گیا پھر ایک طرف اہتمام رازداری یہ تھا کہ جلکر مرگیا اور منھ سے اُف تک نہ کی۔ اور دوسری طرف خود اورنگ زیب جیسے پُر جلال اور با جبروت شہنشاہ کی موجودگی میں پردہ دری اور گستاخی کا یہ عالم تھا کہ مذکورہ بالا مطلع بآواز بلند پڑھا۔ سچ ہے کہ جھوٹ کو ثبات نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ع قصہ گویاں حق زما پوشیدہ اند

علامہ شبلی رقمطراز ہیں :-

"عاقل خاں کا مفصل تذکرہ مآثر الامرا میں موجود ہے اور چونکہ شاعر تھا تمام تذکروں میں اسکے حالات مذکور ہیں، لیکن اس واقعہ کا کہیں نام و نشان نہیں، جن کتابوں میں اس کا حال مل سکتا تھا، اور جو مستند اور معتبر خیال کیجاتی ہیں حسب ذیل ہیں :-

عالمگیر نامہ - مآثر عالمگیری - مآثر الامرا - تذکرہ سرخوش، خزانہ عامرہ سرو آزاد، ید بیضا - ان کتابوں میں ایک حرف بھی اس واقعہ کے متعلق نہیں، حالانکہ اسکی وفات کا تذکرہ سب نے لکھا ہے جو سنہ ۱۱۰۸ھ میں واقع ہوئی"

حکیم مظفر حسین صاحب دہلوی (مصنف "شہزادی زیب النسا") کے بیان کے مطابق شاہزادی کی شاعری کی ابتداء تیرہ چودہ برس کی عمر سے عربی زبان سے ہوتی ہے۔ شروع میں شاہزادی نے ایک عربی قصیدہ لکھا تھا جو حمد میں تھا۔ لیکن اس کے بعد سے عربی میں کہنا بند کر دیا اور فارسی میں کہنے لگیں جو کچھ کہتیں بہت چھپا کر ایک بیاض میں رکھتیں۔ جب ملا سعید اشرف ماژندرانی شاہزادی کے معلم مقرر ہوئے تو اتفاقاً ایک دن وہ بیاض ان کی نظر پڑ گئی۔ ملا نے اشعار کی تعریف کی اور اس دن سے خود اصلاح دینے لگے!

زیب النساء کے دیوان کے متعلق ناقدین میں بہت اختلاف رہا ہے

ایک طبقہ موجودہ دیوان مخفی کو ان کا دیوان تسلیم کرتا ہے، دوسرا طبقہ سرے سے ان کے شاعرہ ہونے ہی سے منکر ہے[۱] ان دونوں گروہوں کے بیچ میں جو درمیانی طبقہ ہے اس میں علامہ شبلی جیسا زبردست تاریخداں اور جید ناقد بھی شامل ہے۔ علامہ، زیب النساء کے شاعرہ ہونیکو تسلیم کرتے ہیں لیکن موجودہ دیوانِ مخفی کو شاہزادی کا کلام تسلیم نہیں کرتے خود علامہ شبلی کے الفاظ یہ ہیں:۔

"اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ وہ شاعر تھی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کلام ضائع ہوگیا"۔

زیب النساء[۲] کے نام سے یہ تین اردو شعر منسوب کئے جاتے ہیں جنکی تائید

---

[۱] ۔ مولوی احمد علی سندیلوی مصنف تذکرہ مخزن الغرایب، زیب النساء کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔ " اما دیوان اشعار جائے بہ نظر نیامدہ۔ مگر در تذکرہ انتخابش بہ نظر آمدہ، لیکن اعتبار نہ شاید بسبب آں کہ اکثر شعراء اساتذہ صاحب آں تذکرہ بنام بیگم نوشتہ بود"۔

مولانا علی آزاد صاحب تذکرہ ید بیضا شاہزادی کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"ایں دو بیت از نام او مسموع شدہ" وہ دونوں اشعار یہ ہیں:۔

بشکند دستے کہ خم در گردنِ یارے نہ شد
کور بہ چشمے کہ لذت گیر دیدارے نہ شد

صد بہار آخر شد و ہر گل بہ فرقے جا گرفت
غنچہ باغِ دلِ ما زیبِ دستارے نہ شد

[۲] ۔ سطور بالا میں شاہزادی کے جو حالات پیش کئے گئے ہیں اسمیں میرا ماخذ دوسری کتابوں کے علاوہ جنکے حوالہ دیئے گئے ہیں علامہ شبلی کا محققانہ اور پُر از معلومات مقالہ بھی رہا ہے جو علامہ نے شہزادی پر الندوہ جلد ۶ نمبر ۹ بابتہ اکتوبر ۱۹۰۹ء میں تحریر فرمایا تھا۔

مشہور فرانسیسی عالم و مستشرق پروفیسر گارسن دتاسی اور نواب نصیر حسین خیال کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ شاہزادی کا باقی اُردو کلام دستبرد زمانہ کے ہاتھوں ضائع ہو چکا ہے۔ ان اشعار کے متعلق مقدمہ میں روشنی ڈالی جا چکی ہے وہ اُردو اشعار (جو سب مطلعے ہیں) یہ ہیں :-

(۱)

جُدا ہو مُجھ سے مرا یار، یہ خدا نہ کرے
خدا کسی کے تئیں دوست سے جدا نہ کرے

(۲)

کہتے ہو تم نہ گھر مرے آیا کرے کوئی
پر دل نہ رہ سکے تو بھلا کیا کرے کوئی

(۳)

آ کر ہماری لاش پہ کیا یار کر چلے
خوابِ عدم سے فتنے کو بیدار کر چلے

شاعراتِ اُردو کا دہلی اسکول

شاعرات اُردو کا دہلی اسکول

بیگم:- میر تقی میر کی دختر تھیں۔ شادی کے چند ہی روز بعد انتقال کیا۔ میر کو بیگم سے بہت محبت تھی اور ان کے انتقال کا ان کو بیحد صدمہ ہوا۔ میر کا لاجواب شعر اسی سانحہ کی یادگار ہے

اب آیا دھیان اے آرام جاں اس نامرادی میں
کفن دینا تمھیں بھولے تھے ہم اسباب شادی میں

بیگم کے کلام کا نمونہ یہ ہے :-

برسوں خمِ گیسو میں گرفتار تو رکھا[۱]
اب کہتے ہو کیا تم نے مجھے مار تو رکھا

کچھ بے ادبی اور شبِ وصل نہیں کی
ہاں یار کے رخسار پہ رخسار تو رکھا

اتنا بھی غنیمت ہے تری طرف سے ظالم
کھڑکی نہ رکھی روزنِ دیوار تو رکھا

وہ ذبح کرے یا نہ کرے غم نہیں اسکا
سر ہم نے تہِ خنجرِ خونخوار تو رکھا

اس عشق کی ہمت کے میں صدقے ہوں کہ بیگم
ہر وقت مجھے مرنے پہ تیار تو رکھا[۱]

---

[۱] تذکرہ شمیم سخن اور تذکرۃ الخواتین میں بیگم کا صرف پہلا۔ دوسرا اور تیسرا شعر درج ہے۔ چوتھا شعر اور مقطع ایک قدیم تذکرے میں ملے ہیں جو شکستہ اور کرم خوردہ حالت میں کتب خانہ یادریہ گوپامئو میں دستیاب ہوا ہے۔ یہ تذکرہ محترمہ خدیجۃ النساء کا لکھا ہوا ہے۔ اسکا نام "اذکار خواتین" ہے اور اسکا سنہ تصنیف

جلینا بیگم :- مرزا بابر مغفور کی دختر اور جہاندار شاہ بہادر ولیعہد بادشاہ دہلی کی محل خاص تھیں۔ بقول صاحب تذکرہ چمن انداز مرزا سودا کی شاگرد تھیں۔

روٹھنے کا عبث بہانہ تھا — مدعا تم کو یاں نہ آنا تھا

ڈبڈبائی آنکھ آنسو تھم گئے — کاسۂ نرگس میں جوں شبنم رہے

[بقیہ پچھلے صفحہ سے] سنہ ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۷ء ہے۔ یہ چند صفحوں کا ایک مختصر رسالہ ہے جس میں ۷۳ شاعرات کا اجمالی تذکرہ ہے، آخر میں بطور تتمہ محترمہ خدیجۃ النساء کے صاحبزادے جناب مفتی محمد حسن صاحب حسن نے اپنی والدہ ماجدہ کے مختصر حالات لکھے ہیں، محترمہ کے جد اعلم العلماء ملا وجیہ الدین مؤلف فتاویٰ عالمگیری مشہور و معروف بزرگ گزرے ہیں۔ آپ کی والدہ کے نانا قاضی حکیم علی بن قاضی مبارک شارح مسلم تھے۔ آپ کے والد مفتی انعام اللہ صاحب بھی صاحبِ تصنیف تھے آپ کے شوہر مفتی نور اللہ المتخلص آباد آگرہ میں تھانہ دار تھے۔ ۱۸۵۷ء میں نائب کوتوال رہے۔ محترمہ فارسی کی تعلیمیافتہ باذوق خاتون تھیں۔ آپ نے بعارضہ ذیابطیس سنہ ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء میں انتقال کیا۔

تذکرہ " اذکار خواتین " نہایت مختصر اور مجمل تذکرہ ہے! حالات دو چار جملوں سے زیادہ نہیں۔ زیادہ تر شاعرہ خواتین کے ایک ایک دو شعر پیش کئے گئے ہیں۔

آیا نہ کبھی خواب میں بھی وصل میسر
کیا جانئے کس ساعتِ بد آنکھ لگی تھی
دل ہی کو صبر نہ جی کو قرار رہتا ہے
تمھارے آنے کا نت انتظار رہتا ہے

تصویر[۵۱] :- صاحبِ گلستانِ بےخزاں نے ان کے دو شعر دئے ہیں حالات معلوم نہیں۔ غالباً یہ دہلی یا نواح دہلی کی رہنے والی تھیں اور میر و سودا کا زمانہ پایا تھا۔

چل ہوا کھا، نہ صبا اس دلِ دلگیر کو چھیڑ
کیا مزا پائے گی تو غنچۂ تصویر کو چھیڑ[۵۲]

---

۵۱ صاحبِ تذکرہ چمن انداز نے لکھا ہے کہ غالباً تصویر صاحب گلستان بیخزاں کی شاگرد تھیں لیکن مصنف تذکرۃ الخواتین، صاحب تذکرہ چمن انداز کا یہ قیاس نقل کرنیکے بعد اسکی مخالفت کرتے ہیں اور رقمطراز ہیں :-

"یہ قرینِ قیاس نہیں ہے اسلیئے کہ کتاب مذکورہ بالا گلشنِ بے خار کے جواب میں لکھی گئی تھی اور غرض اسکی تدوین و ترتیب سے اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ نے جو گلشنِ بے خار میں نظیر اکبرآبادی کو ایک عامیانہ بازاری شاعر بنایا ہے اسی وجہ سے گلستان بیخزاں میں مشاہیر دہلی مثل غالب و مومن پر اعتراض کئے گئے ہیں اگر یہ شاعرہ گلستان بیخزاں کی شاگرد ہوتی تو غالباً ازراہِ تفاخر اس کا ذکر کرتے"۔ ص ۳۸

۵۲۔ تصویر کے اس شعر کی تمامتر بنیاد صنعت مراعاۃ النظیر پر ہے۔ ہوا کھانا، صبا، دل دلگیر، غنچہ، تصویر وغیرہ سب رعایت لفظی کی مثالیں ہیں۔ الفاظ اسی

محبّت اب تلک رکھتی ہے یہ تاثیر مجنوں کی
کہ بن لیلیٰ نہیں کھنچتی کہیں تصویر مجنوں کی

بسم اللہ:۔ بسم اللہ بیگم نام۔ اور بسم اللہ تخلص تھا، دہلی میں پیدا ہوئیں اور وہیں قیام رہا۔ بچپن سے شاعری کا شوق تھا۔ منشی انعام اللہ خاں یقین تلمیذ مرزا جانجاناں مظہر کی شاگرد تھیں۔

تری اُلفت میں یہ حاصل ہوا ہے
کہے مضطر ہے دل گاہے طپاں ہے
نہ کیجئے ناز حُسن عارضی پر
نہ سمجھو یہ بہار بے خزاں ہے

جعفری:۔ کاملہ[1] بیگم نام اور جعفری تخلص تھا۔ قادری بیگم کی بڑی بہن تھیں۔ شاہ نصیر سے تلمیذ حاصل تھا۔ اپنے وقت کی مشہور شاعرہ تھیں انھوں نے عالم شاہ کا زمانہ پایا تھا۔ شاہ نصیر کی مرغوب صنعتیں مراۃ النظیر

[پچھلے صفحہ سے] پُر تکلف انبار میں اصل جذبہ دب کر رہ گیا ہے اور اسی لئے شعر بے کیف ہو گیا ہے مگر اس جذبہ کو سید انشا نے اسطرح ادا کیا ہے کہ آج بھی ان کا یہ شعر اُردو شاعری کیلئے باعث ناز ہے۔

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

علاوہ ازیں جو لطافت و کیف "نکہتِ بادِ بہاری" میں ہے وہ "صبا" میں کہاں اور جو بات "اٹھکھیلیاں کرنے" میں ہے وہ "چھیڑنے" میں کہاں؟

[1] "اذکار خواتین" میں آپ کا نام عارفہ بیگم لکھا ہے

اور ایہام ان کے یہاں بھی موجود ہیں ؎

ساقیا مجھکو ترا ساغر پلانا یاد ہے کلمۂ لاتقنطو سے دل چھکانا یاد ہے

نفورؔ اس صنم کا دل میں لائے جسکا جی چاہے
ہماری بات سنکر آزمائے جسکا جی چاہے
کہا منصورؒ نے سولی پہ چڑھ کے عشق بازوں سے
یہ اس کے بام کا زینہ ہے آئے جسکا جی چاہے
غرورِ حسن پر ہم سے وہ ناحق جھانجھ کرتا ہے
یہ نوبت چند روزہ ہے بجائے جسکا جی چاہے
محبّت کے محل میں عاشقِ جانباز رہتا ہے
نہیں خالہ کا گھر اس میں جو آئے جسکا جی چاہے

قادری:۔ قادری بیگم نام اور قادری تخلص تھا جعفری بیگم کی چھوٹی بہن تھیں ان کو بھی شاہ نصیر سے تلمذ حاصل تھا۔

شرطِ وفا یہ نہ تھی غیر کے گھر جائیے کچھ تو حیا کیجئے جی ہیں تو شرمائیے
ترس خدا چاہئے اے بتِ ترسا تجھے عاشقِ رنجور کو اتنا نہ ترسائیے
ہجر میں اے قادری سخت ہی مضطر ہے دل
ایک دن اس سے ضرور ملنے کی ٹھہرائیے

حیا:- حیات النساء نام بھورا بیگم عرف، اور حیا تخلص تھا۔ شاہ عالم بادشاہ دہلی کی دختر اور شاہ نصیر کی شاگرد تھیں۔ شعر و شاعری کی طرف بچپن سے میلان تھا۔ عمر بھر ناکتخدا رہیں۔ کافی عمر پائی تھی۔ غدر سے پہلے بہادر شاہ ظفر کے عہد میں انتقال کیا۔ دستبرد زمانہ سے صرف دو شعر محفوظ رہ گئے ہیں۔

ہے موتیوں کے ہار میں پرتو نگار کا　　آب گہر میں عکس نہاتا ہے یار کا

نہ کیوں حیرت ہو یا رب وہ زمانہ آ گیا ناقص

حیا ڈھونڈھے نہیں ملتی برائے نام سو سو کوس [۱]

بی بی:- اللہ بندی بنت حاجی احمد اللہ مفتی۔ آپ مفتی محمد ولی کی شریک حیات تھیں۔ تعلیمیافتہ خاتون تھیں۔ عابدہ زاہدہ اور پابند صوم و صلوٰۃ تھیں۔ مفتی عبید اللہ آپ کی یادگار تھے۔ سنہ ۱۲۴۰ھ ۱۸۲۳ء میں انتقال کیا ان کی قبر گوپا مؤ میں ہے۔ ایک شعر یادگار ہے [۲]

تو نے چل کر دو قدم مردوں کو زندہ کر دیا

اب تو اعجاز مسیحا تیری ٹھوکر میں رہا

---

[۱] علامہ اقبال رح:- حیا نہیں ہے زمانہ کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ

[۲] تذکرہ "اذکار خواتین"

بی بی حلیمہ :۔ بنت محمد آمان بن ابو سعید بن مفتی علیم اللہ بن مفتی عبید اللہ بن شیخ عیسیٰ مفتی محدث گوپامئو۔

بی بی حلیمہ نواب ذکی الدین محمد جان بن شیخ عبد السبحان خاں شہید کی زوجہ تھیں جو نواب والا جاہ کے خاندان سے تھے ان سے حاجی معظم الحق المخاطب بہ ذکی الدین محمد خاں صدر الصدور مدراس پیدا ہوئے۔

بی بی حلیمہ صوم وصلوٰۃ کی پابند تھیں ۲۵ رمضان ۱۲۴۰ھ ۱۸۲۳ء کو انتقال کیا۔ ایک شعر یادگار رہ گیا ہے۔

پوچھتا ہوں دل اگر اے ماہِ کنعاں چاہیے
چپکے کیوں بیٹھے ہو کہدو "کیوں نہیں ہاں چاہیے"

حرماں :۔ سیدۃ النسا نام اور حرماں تخلص تھا۔ مولانا فضل حق منطقی خیر آبادی ثم دہلوی کی دختر تھیں۔ والد سے دینی علوم حاصل کئے تھے دنیوی علوم میں منطق بھی پڑھی تھی ۱۲۶۳ھ ۱۸۴۷ء یا اس سے کچھ پہلے آپ کی شادی سید احمد حسین ابن سید تفضل حسین خیر آبادی سے ہوئی تھی۔ تذکرہ "اذکار خواتین" کی مؤلفہ محترمہ خدیجۃ النساء لکھتی ہیں "مجھ سے عمر میں بڑی ہیں۔ بہن کی شادی میں ملی تھیں"، ایک شعر یادگار رہ گیا ہے:۔

دردِ دل، دردِ جگر، کاوشِ دل، کاہشِ جاں
اتنے آزار ہیں، اور ایک کلیجہ میرا

حیدری :- حیدری خانم نام اور حیدری تخلص تھا۔ بشارت اللہ خاں دہلوی مصاحبِ خاص بادشاہ دہلی کی اہلیہ تھیں۔ ستّر برس کی عمر میں ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۷ء میں انتقال ہوا۔ صرف ایک شعر یادگار رہا ہے :-

حیدری نام ہے تیرا کیا خوب　　جو کہ تجھ سے پھرا وہ حیدر ہے

کیفی :- کیفی تخلص تھا۔ نام معلوم نہیں۔ آپ تیموریہ خاندان کی ایک شاہزادی تھیں۔ غدر سے پہلے وفات پائی۔

کسکا منھ ہے جو کرے مدح تری میرے نبی ؛ نعتِ اطہر میں ہو جب شخص ذکی محض غبی

حبّذا ذات تری مایۂ حاجت طلبی　　؛ مرحبا سیّدِ مکّی، مدنی العربی

دل وجاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

حقتعالیٰ نے کیا آپ کو اکبر اکرام　　تجھ سے خنداں ہی لبِ غنچۂ امید انام

ہیں شجر اور حجر غرق سحاب انعام　　نخل لبنانِ مدینہ زتو سرسبز مدام

زاں شدہ شہرۂ آفاق بہ شیریں لقبی

فاطمہ :- اللہ داد نام اور فاطمہ تخلص تھا۔ مدرسہ زنانہ دہلی میں فارسی کی معلّمہ تھیں ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء تک زندہ تھیں صرف ایک شعر یادگار رہ گیا ہے

---

۵۱ اس خمسہ میں قدسی کی غزل کو تضمین کیا گیا ہے۔ اسی غزل کو نواب اختر محل اختر المتوفی ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۶ء نے بھی تضمین کیا ہے مقابلہ کیلئے ملاحظہ ہو تذکرہ نواب اختر محل اختر

آپ کی مرضی ہم نے پالی ہے　　پھر یہ کیوں لبت ولعل ڈالی ہے

عصمت :۔ نام معلوم نہیں۔ غالباً یہی نام اور یہی تخلص تھا۔ دہلی کی رہنے والی تھیں ۱۲۸۹ھ میں مدرسہ تعلیم مستورات میں معلمہ تھیں صاحب علم وفضل خاتون تھیں۔

لعل لب جاں بخش ہے گویا ورق گل　　اندر رخ پہ پسینہ ہی نرا جوں عرق گل
یوں زمۂ گوش اسکا لچکتا ہی ہوا سے　　شبنم سے لچک جاتا ہی جیسے ورق گل

لب ہوئے بند نام احمدؐ سے　　اور مشکلکشا نے کھولدئے

یاد :۔ نام معلوم نہیں۔ یاد تخلص تھا۔ آپ خاندان تیموریہ کی ایک خاتون تھیں۔ تاریخ وفات ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۶ء ہے۔

عبث فکر درماں ہے اے اقربا　　کہ اب یاد دنیا سے چلنے کو ہے
سرانجام غسل وکفن کر رکھو　　تن زار سے جاں نکلنے کو ہے[1]

اختر[2] :۔ نواب اختر محل نام اور اختر تخلص تھا۔ آپ کا تعلق خاندان تیموریہ سے ہے ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۶ء تک بقید حیات تھیں۔ نہایت ذہین طبّاع،

---

[1] اس قطعہ کے متعلق محترمہ خدیجۃ النساء نے اپنے تذکرہ "اذکار خواتین" میں لکھا ہے کہ یاد نے نزع کی حالت میں لکھا تھا۔
[2] نواب اختر محل اختر کی بابت مولوی عبدالباری آسی لکھتے ہیں :۔ "لفظ لفظ سے مشق کلام کا پتہ چلتا ہے"۔

اور نیک مزاج تھیں۔ آپ کے کلام سے پختگی اور کہنہ مشقی ظاہر ہوتی ہے نعت و منقبت سے زیادہ شغف تھا۔ کبھی کبھی غزل کہتی تھیں۔ تذکرہ مرآت خیال میں انکی یہ نعت درج ہے جو فارسی کی ایک مشہور غزل پر تضمین ہے۔

تجھ پہ قربان ہوں اے ہاشمی و مطلبیؐ — کہ ہے مشہورِ دو عالم تری عالی نسبی
دیکھ رتبہ کو ترے شوکتِ افلاک دبی — مرحبا سیدِ مکّی مدنی العربی

دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

وہ ترا نور ہے ماہ و فلک و مہر کرم — تیرے جلوے سے منور ہوئے دونوں عالم
تاب یوسف کو کہاں ہے کہ ترے دیکھے قدم — من بیدل بجمال تو عجب حیرانم

اللہ اللہ جمال است بدیں بوالعجبی

واہ کیا درجہ ہے کیا شان ہے اور کیا رتبا — خالقِ ارض و سما خود ہے ترا مدح سرا
انبیا کہتے ہیں سب صلِ علیٰ صلِ علیٰ — نسبتے نیست بذاتِ تو بنی آدم را

برتر از آدم و عالم تو چہ عالی نسبی

تو ہے نیسانِ کرم اور سحابِ اکرام — بھر دیا موتیوں سے دامنِ امیدِ انام
بار آور ترے باعث سے ہی نخلِ اسلام — نخلِ بستانِ مدینہ ز تو سرسبز مدام

زاں شدہ شہرۂ آفاق بہ شیریں رطبی

سب سے پہلے کیا پیدا ترا اللہ نے نور — پردۂ ذات میں اس نور کو رکھا مستور
اور اس نور کا اظہار ہوا جب منظور — ذاتِ پاکِ تو دریں ملک عرب کردہ ظہور

زاں سبب آمدہ قرآں بہ زبانِ عربی

ہے ترے نور سے پُر نور زمین و بدشت | گلشنِ چرخ ہی نیر سے ہی پہنے گلگشت
تیرے ہی واسطے ہیں خاص یہ جنات ہشت | شبِ معراج عروج تو ز افلاک گذشت

بہ مقامے کہ رسیدی نہ رسی ہیچ نبی

قدسیاں آنکھیں بچھاتے ہیں ترے زیرِ قدم | خاکِ پا تیری ہے سرمۂ چشمِ عالم
بخشیو جو مری تقصیر تو اے شاہِ اُمم | نسبتِ خود بہ سگت کردم و بس منفعلم

زانکہ نسبت بہ سگِ کوئے تو شد بے ادبی

سختیِ حشر سے گھبرائیگی جب مخلوقات | اور نہ بن آئیگی اے ابرِ کرم کوئی بھی بات
انبیا سب تجھے کہدینگے کہ اے ابرِ نجات | ما ہمہ تشنہ لبانیم تو ئی آبِ حیات

لطف فرما کہ ز حد می گذرد تشنہ لبی

ہو گئی لہو و لعب ہی میں مری عمر بسر | یادِ خالق میں نہ مصروف ہوئی ہیں دم بھر
گھستی ہوں ناصیۂ عجز کو تیرے در پر | چشمِ رحمت بکشا سوئے من انداز نظر

اے قریشی لقبی ہاشمی و مطلبی

دردِ عصیاں کے سبب سے ہے مری جان چلی | اور بچنے کی نہیں سوجھتی تدبیر کوئی
عرض اختر کی بھی قدسی کیطرح سے ہی ہی | سیدی انت حبیبی و طبیبِ قلبی

آمدہ سوئے تو قدسی پئے درماں طلبی

اک آہ شعلہ بار سے دل کو جلا دیا | لو آج ہم نے اسکا بھی جھگڑا[۱] مٹا دیا

---

[۱] تذکرۂ شمیم سخن اور تذکرۂ اذکار خواتین میں یہ شعر بھی اختر کے نام سے پیش کیا گیا ہے اور غالباً اول الذکر تذکرہ سے صاحب تذکرۃ الخواتین نے بھی اسکو نقل کیا ہے۔
لکھکر ہمارا نام زمیں پر مٹا دیا | ان کا تھا کھیل خاک میں ہم کو ملا دیا
لیکن حیاتِ انیس میں یہ شعر میر انیس کے نام سے درج ہے۔

تقصیر یار کی نہ قصور عدو ہے کچھ آخر ہمارے دل ہی نے ہم کو جلا دیا

زہرہ :- فاطمہ نام اور زہرہ تخلص تھا۔ مفتی سلیم اللہ گوپا موی کی صاحبزادی تھیں اور مولوی محمد اسمٰعیل خیر آبادی کو منسوب ہوئی تھیں۔ فارسی خواں تھیں۔ عابدہ زاہدہ تھیں۔ مولوی صاحب نے شعر کا شوق پیدا کر دیا تھا۔ آپ نے ۱۳ شوال ۱۲۹۶ھ ۱۹۰۰ء کو انتقال کیا۔ اور قصبہ نارنول گوپا مئو میں دفن ہوئیں۔ محترمہ خدیجۃ النساء نے "اذکار خواتین" میں آپ کی بابت لکھا ہے کہ "راقمہ کی بہن ہوتی ہیں"

یہ بھی حاضر، وہ بھی ہے موجود اے جانِ جہاں
آپ کو کیا چاہیئے، دل چاہیئے، جاں چاہیئے؟

حجاب :- ایک کشمیری الاصل خاتون تھیں ۱۲۹۳ھ میں بمبئی میں مقیم تھیں اردو اور فارسی دونوں میں شعر کہتی تھیں۔ اردو میں ان کا ایک شعر ملا ہے

کیا جانے بھلا لذتِ دیدار کو اپنی جبتک کوئی با دیدۂ خونبار نہ ہووے

خفی :- بادشاہ بیگم نام، یوسف والی عرف اور خفی تخلص تھا۔ محمد یوسف سادہ کار کی نواسی اور چھوٹی بیگم کی لڑکی تھیں۔ چھوٹی بیگم کی شادی ایک انگریز بلاک نامی سے ہوئی تھی۔ اس سے خفی پیدا ہوئی۔ خفی کی شادی بھی کسی انگریز سے ہوئی تھی جسکا نام معلوم نہیں۔ مگر یہ شادی خوشگوار اور کامیاب

نہ ہوسکی۔ صاحبِ تذکرہ چمن انداز نے لکھا ہے کہ خفی انگریزی فارسی اُردو تینوں زبانوں میں دستگاہ رکھتی تھی۔ بہت خوشنویس تھی اُردو شاعری میں اکثر لوگوں کو اصلاح بھی دیتی تھی۔ تذکرہ چمن انداز کی تصنیف کے وقت یہ شاعرہ زندہ تھی۔ اس سے صاحب تذکرۃ الخواتین نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۷ء میں زندہ تھی۔

خود شوقِ اسیری سے پھنسے دام میں صیاد
شرمندہ ترے ایک بھی دانے کے نہیں ہم

جن سے ہم آشنائی کرتے ہیں
ہم سے وہ بیوفائی کرتے ہیں

اے خفی اپنے اشک بے تاثیر
مفت میں جگ ہنسائی کرتے ہیں

خاکساری:۔ دہلی کی ایک عفت مآب پردہ نشین خاتون تھیں۔ تذکرۃ الخواتین میں لکھا ہے کہ ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۷ء تک حیات تھیں۔ سنہ وفات معلوم نہیں

مصیبتوں میں کوئی کام آ نہیں سکتا
کہ اپنے درد کو دل بھی بٹا نہیں سکتا

لکھا نصیب کا کوئی مٹا نہیں سکتا
کسی کے درد کو ہمدم بٹا نہیں سکتا

حاتم:۔ یہ دہلی کی ایک عفیفہ تھیں۔ نام معلوم نہیں۔ حاتم تخلص تھا ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۷ء تک حیات تھیں۔ سنہ وفات معلوم نہیں۔

مجھکو کدورتوں سے ملاتے ہو خاک میں
کہدیجئے جو آپکے دل میں غبار ہو

دشمن کا شکوہ تم نہیں سنتے نہیں سہی
میرا ہی غم سنو نہ اگر ناگوار ہو

اشک:- آپ کا نام معلوم نہیں، اشک تخلص تھا۔ آپ کا تعلق دہلی کے شاہی خاندان سے تھا۔ ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۷ء) تک زندہ تھیں۔ تذکرہ چمن انداز اور تذکرۂ مرأت خیالی میں آپ کے دو شعر ملتے ہیں جو آپ کی یادگار ہیں۔

نہ بوسہ دینا آتا ہے نہ دل بہلانا آتا ہے
تجھے تو او بت کافر فقط ترسانا آتا ہے

کسی عاشق کا بیشک استخواں ہے میں نہ مانونگا
کہ شانہ تیرے رخ تک اتنا بیباکانہ آتا ہے

امراؤ:- آپ کا نام حسینی بیگم اور تخلص امراؤ تھا۔ بہادر شاہ ظفر کے عہد میں دہلی میں رہتی تھیں۔ بہادر شاہ کی غزل پر غزل کہی تھی جس کے اب صرف دو شعر محفوظ رہ گئے ہیں۔

باغ عالم میں جو آنا تھا اگر اپنوں سے
پہلے ہی سبزۂ بیگانہ بنایا ہوتا

گرچہ منظور نہ تھی خانہ نشینی میری
تو مجھے ساکنِ ویرانہ بنایا ہوتا

سومی:- آپ کا تعلق خاندان تیموریہ سے تھا قبل از غدر شباب کا عالم تھا صاحب تذکرہ جمیل کا بیان ہے کہ غدر کے بعد ایک عرصہ تک زندہ رہیں

شور ہے اسکی بے وفائی کا
بس نہیں چلتا کچھ رسائی کا

دام زلف سیہ الٰہی توبہ
نہ بنا ڈھب کوئی رسائی کا

ناز:- عالم آرا نام اور ناز تخلص تھا۔ خاندانِ تیموریہ کی ایک شاہزادی تھیں۔ غدر کے بہت عرصہ بعد تک زندہ رہیں۔ عالمِ شباب میں شعر و شاعری سے شوق تھا۔ یہ اشعار جب ہی کی یادگار ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۸۵۷ء ۱۲۷۳ھ کے غدر کے زمانہ میں ناز کا عالم شباب تھا۔

مجھ سے روٹھا وہ یار جانی ہے — جان جانے کی یہ نشانی ہے

ہے اگر شوق بادشاہی کا — کر غلامی علیؓ کی تو اے ناز

ثریا:- نام بڑی بیگم[5] اور تخلص ثریا تھا۔ آپ مرزا علیخاں کی اہلیہ تھیں۔ جو شاہ دہلی کے وظیفہ خواروں میں سے تھے ۱۸۵۷ء ۱۲۷۳ھ میں مرزا علیخاں کا انتقال ہوگیا اور ثریا بیوہ ہو کر آگرہ چلی گئیں اور وہیں آخر تک سکونت پذیر رہیں۔

بتا دیں ہم تمھارے کاکلِ شبگوں کو کیا سمجھے

سیہ بختی ہم اپنی یا اسے کالی بلا سمجھے

جسے دیکھا اُٹھا کر نیم بسمل کر دیا اس کو

تری مژگاں کو ہم سوفارِ مژگانِ قصاب سمجھے

اسیر:- امبر بیگم نام تھا اور اسیر تخلص تھا شاہ فخر الدین صاحب

---

[5] آپ کا نام تذکرۃ الخواتین میں نبڑی بیگم لکھا ہے مگر اذکارِ خواتین میں بڑی بیگم بتایا گیا ہے اور غالباً یہی صحیح ہے۔ "ج"

قدس سرہ کی تلمیذ تھیں۔ بیگمات چغتائیہ میں سے تھیں۔ بہت زندہ دل خوش مذاق اور بذلہ سنج خاتون تھیں۔

عشق دار و مدار ہے اپنا بیقراری قرار ہے اپنا
خاک میں ملگئی ہوں جس پہ اسیر اسی دل میں غبار ہے اپنا

مبارک :۔ مبارک النساء نام اور مبارک تخلص تھا۔ شاہ نجم الدین صغیر خلف شاہ نصیر کی اہلیہ تھیں۔ شاہ نصیر سے اصلاح سخن لیتی تھیں۔ دہلی وطن تھا۔ ۱۸۸۰ئہ ۱۲۹۶ھ میں ہجرت کر کے مکہ معظمہ گئیں اور وہیں اقامت اختیار کر لی۔

مجھے کیا خوف محشر ہو مبارک دن قیامت کا
پکڑ لوں گی میں گوشہ دامن خاتونِ جنتؑ کا
عذابِ گور کی سختی الٰہی کیونکہ میں جھیلوں
تھکا ہارا ہوا آیا ہوں میں پہلی ہی منزل کا

مخفی :۔ آپ کا نام سلطان جہاں اور تخلص مخفی تھا۔ مرزا قادر بخش صابر گورگانی کی اہلیہ تھیں جو مرزا مکرم بخت بہادر ابن مرزا خورد بہادر نبیرہ مرزا معز الدین جہاں دار شاہ بہادر شاہ دہلی کے صاحبزادے تھے۔

لنڈھائی ہے کہ ہیں خفتگانِ خاک شراب قسم خدا کی عسس کا بڑا ثواب ہوا
خدا جانے کیا بات ہے اہیں مخفی کہ اس ظلم پر دل کو بھاتا بہت ہے

نازنین:۔ نام و مقام کا پتہ نہیں۔ اس باب میں سب تذکرہ نویس خاموش ہیں کلام کا نمونہ یہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شعر خوب کہتی تھیں۔

رک گیا دل جو مرا قابلِ افغاں ہو کر — رہ گئے برہمی دہر کے ساماں ہو کر
اپنے کشتہ کو تو ٹھوکر سے جلاتے جاؤ — پھر کے جاتے ہو کہاں عیسیٰ دوراں ہو کر
نازنین جوشِ صفا یہ ہے کہ میرا کینہ — رخ سے ظاہر ہے تری قلب میں پنہاں ہو کر

کس صاحبِ حیا کی آمد ہوئی چمن میں — نرگس نے منھ چھپایا ہاتھوں کے پیرہن میں
اس مہروش نے رخ کو کاکل میں جب چھپایا — چوٹی کی بات سوجھی مہ چھپ گیا گہن میں

دم مسیحانہ بھریں اپنی مسیحائی کا — گر کہیں شہرۂ جاں بخشی جاناں ہو جائے

دل میں میرے ہے خیالِ زلفِ جاناں آجکل
دیکھتا ہوں روز میں خوابِ پریشاں آجکل

دل میں سودا ہے مرے زلفِ سیاہِ یار کا
خوش مجھے آتی ہے سیرِ سنبلستاں آجکل

دم بدم بسمل تڑپتا خوب جی کو کھول کر — پر ادب آموز اسے قاتل ترا دامن ہوا
جان دی میں نے جو اس چشمِ سیہ کے عشق میں — سیر گاہِ آہوانِ چیں مرا مدفن ہوا

احمدی:۔ نام احمدی بیگم اور تخلص احمدی تھا۔ سونی پت نواح دہلی میں پیدا ہوئیں۔ ان کا تعلق ایک شریف گھرانے سے تھا صاحب تذکرۃ الخواتین

نے لکھا ہے کہ "پورا دیوان مرتّب کر لیا تھا۔ مگر چونکہ ان کے شوہر کو شاعری کی طرف میلان نہ تھا، نہ اس زمانہ میں شریف مستورات کی شاعری کچھ استحسان کی نظر سے دیکھی جاتی تھی۔ اس واسطے سنا گیا ہے کہ ان کا دیوان غائب کر دیا گیا اور اسی غم میں احمدی بیگم بیمار رہوئیں۔ غم کی فراوانی سے نوبت یہاں تک پہونچی کہ ہمیشہ تپ رہنے لگی۔ ہوتے ہوتے انجام وہی ہوا جو ہونا چاہیئے تھا۔ دِق ہوئی اور انتقال کر گئیں۔" ان کے اب صرف ۲ شعر موجود ہیں۔ مولوی آسی نے احمدی کو "شاعرِ نادرہ" کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔

اسے اس خطا پر پشیماں کیا ۔۔۔ محبّت نے انساں کو انساں کیا
چمن میں بھی مجنوں نے اے احمدی ۔۔۔ گلوں کی طرح چاک داماں کیا

راویہ:۔ نام معلوم نہیں۔ راویہ تخلص تھا۔ دلّی کی ایک غریب، مگر عفت مآب خاتون تھیں۔ دلّی سیتارام کے بازار میں کوئی چھیپی رہتا تھا اسکی بیٹی تھیں۔ نہایت عمدہ شعر کہتی تھیں۔ ذیل کے تین شعر ان کی یادگار ہیں۔

ہوتی نہ محبّت تو یہ آزار نہ ہوتا ۔۔۔ دل عشق کے صدموں سے خبر دار نہ ہوتا
دے اپنی محبت مجھے اے یار خدایا ۔۔۔ کر دور دلِ زار کا آزار خدایا
الٰہی سب گنہ سے پاک کر کر ۔۔۔ مجھے لیجا تُو جنّت کے در پر

یاس: - آفتاب بیگم نام اور یاس تخلص تھا۔ فیض آباد کی رہنے والی تھیں اپنے وقت کی اچھی شاعرہ تھیں۔

حال تیرے زار کا نوع دگر ہونے لگا　　جاں بلب عاشق ترا اے سیمبر ہونے لگا
اک نئی اک صورت ہیں جاناں کی مرض ہم کو ہوا　　درد دل گر مٹ گیا، درد جگر ہونے لگا

نہ جلوہ بخش تیرا نور گر اے مصطفےٰ ہوتا　　تو دنیا میں کوئی واقف نام خدا ہوتا
تصدق جاؤں میں اپنے رسول پاک کے ہر دم　　مری مشکل ہی کیا ہے اے یاس وہ مشکل کشا ہوتا

شوخ: - گنا بیگم نام تھا اور شوخ تخلص۔ آپ نواب عماد الملک غازی الدین خاں بہادر نظام وزیر عالمگیر کی اہلیہ تھیں۔ بہت خوش مزاج حاضر جواب، اور صاحب ذوق خاتون تھیں۔ شاعری کا ذوق فطری تھا۔ میر قمر الدین منت سے تلمذ حاصل تھا۔ یہ حالات مصنف گلشن بے خار اور صاحب تذکرہ چمن انداز نے بیان کئے ہیں اور یہی مستند بھی ہیں شوخ کے متعلق اکثر تذکرہ نویسوں کو غلط فہمی ہوئی ہے کسی نے ان کو میر سوز کا شاگرد بتایا ہے کسی نے مرزا سودا کا۔ کسی نے لکھا ہے کہ یہ علی قلی خاں ششش انگشتی کی دختر اور نظام کی اہلیہ تھیں کسی نے ان کا تخلص نام بتایا ہے اور کسی نے منظر۔

شوخ اپنے وقت کی ایک ممتاز شاعرہ تھیں۔ بہت کہنہ مشق اور پرگو تھیں، کلام سے متانت، سنجیدگی اور ذوق سلیم کا پتہ چلتا ہے۔

شمع کی طرح کون رہ جانے جس کے جی کو لگی ہے سو جانے

جی تک بھی اگر چاہو تو وسواس نہیں ہے
کچھ اور جو ڈھونڈو تو میرے پاس نہیں ہے

اب خواب ہی میں وصل ترا ہووے تو ہووے
ظاہر میں تو ملنے کی ہمیں آس نہیں ہے

مجھ سے کرتی ہی رہی زلف کجی کیا کیجے دل مرا لیکے یہ کہتی ہی رہی کیا کیجے

یار پردہ میں ہے اور عشق سے مایوسی ہے نقش پا تک بھی مرے درپئے جاسوسی ہے

عندلیبوں کو وہ گلزار مبارک ہووے ہم کو یہ سایۂ دیوار مبارک ہووے

رات دن جس لئے روتے ہو تو اللہ کرے ایکدن تم کو وہ دلدار مبارک ہووے

جھوٹ کہتا ہے تو قاصد یہ زبانی پیغام مجھکو باور نہیں جبتک نہ نشانی آئے

جسطرح میرے دلکو لگی چاہ کسیکی اسطرح نہ لگیو مرے اللہ کسی کی

اس زلف درازا اپنی کو ظالم نہ کتر دے کیا فائدہ ہو عمر جو کوتاہ کسی کی

نے نامۂ و پیغام زبانی نہ نشانی حالت سے کوئی کیونکہ ہو آگاہ کسی کی

آکر ہماری نعش پہ کیا یار کر چلے خواب عدم سے فتنہ کو بیدار کر چلے[۱]

[۱] یہ شعر شاہزادی زیب النساء مخفی کا بتایا جاتا ہے لیکن صاحب تذکرۃ الخواتین نے شوخ کے تذکرہ میں لکھا ہے اور اس شعر کے سلسلہ میں ایک طویل لطیفہ لکھا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ایکمرتبہ غازی الدین بارہ دری میں سو رہے تھے۔ بیگم وہاں پہنچیں تو ان کی آنکھ کھل گئی اور فوراً یہ مصرعہ موزوں کر کے پڑھا ع "آکر ہماری نعش پہ کیا یار کر چلے"۔ بیگم نے فی البدیہہ جواب دیا ع "خواب عدم سے فتنہ کو بیدار کر چلے"۔ مگر تذکرہ شمیم سخن میں جو اکثر صاحب "تذکرۃ الخواتین" کا ماخذ رہا ہے یہ شعر، شوخ کے تذکرہ میں درج نہیں ہے۔

نیم بسمل نہ چھوڑ جانا تھا ہاتھ اک اور بھی لگانا تھا

ابر چھایا ہے مینھ برستا ہے جلد آ جا کہ جی ترستا ہے

لے اڑی طرزِ فغاں بلبلِ نالاں ہم سے[1] گل نے سیکھی روشِ چاکِ گریباں ہم سے

رقیبوں سے وہ جس دم ہنس رہے تھے روبرو میرے
مری ہر مژہ اسے دردِ جگر موتی پروتی تھی

ترے رخ کی تجلّی دیکھکر کل رات حسرت سے
زمیں پر لوٹتی تھی چاندنی اور شمع روتی تھی

یا الٰہی یہ کس سے کام پڑا جی تڑپتا ہے صبح و شام پڑا

ضرورت: شرف النساء نام اور ضرورت تخلص تھا مرزا کو چک کی اہلیہ تھیں جو تیموریہ نسل سے تعلق رکھتے تھے نعتیہ رنگ میں زیادہ لکھتی تھیں

سر سبز رہے باغ صداؔ دینِ نبیؐ کا مکّی، مدنی، ہاشمی و مطلبی کا
یا رب رہے شاداب ہمیشہ چمنِ دیں مکّی، مدنی، ہاشمی و مطلبی کا

طلب:- صاحب تذکرہ چمن انداز نے لکھا ہے کہ ایک مجہول الحال عورت کا تخلص تھا مگر صاحب ماہ درخشاں نے ان کو دہلی کی ایک

---

[1] علامہ اقبالؒ ؎ اڑائی طوطیوں نے، قمریوں نے، عندلیبوں نے
چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرزِ فغاں میری

پردہ نشین خاتون بنایا ہے لیکن انھوں نے تخلّص طالب بنایا ہے۔

طلبؔ کو طلب تھی جو دیدار کی
کھلی رہ گئی آنکھ بیمار کی

ماہ :۔ یہ عفیفہ دہلی کی رہنے والی تھیں۔ نام معلوم نہیں حضرت قطب الدین عرف کالے میاںؒ کی مرید تھیں۔ صاحب تذکرۃ الخواتین نے لکھا ہے کہ صاحب دیوان تھیں۔ اب مستزاد کا صرف ایک شعر یادگار ہے۔

ماہ کے دل میں ترا نقشِ محبت جو ہے یار ۔ نہ مٹے گا وہ کبھی
باغ جنت بھی کوئی دیوے تو درکار نہیں ۔ تیرے کوچہ کے سوا

قمر :۔ قمر النساء نام اور قمر تخلّص تھا۔ اشرف علیخاں مسرور کی اہلیہ تھیں زن و شوہر دونوں کو شاعری سے فطری لگاؤ تھا۔ شوہر کی وفات کے چند دن بعد انتقال کیا۔ تذکرۃ الخواتین میں صرف پانچ شعر ملے ہیں۔ جو کسی اور تذکرہ سے نقل کئے گئے ہیں ان اشعار سے زبان دانی، قادر الکلامی، ذوق کی سنجیدگی اور رنگ کی پختگی کا پتہ چلتا ہے۔

جسے لوگ کہتے ہیں خورشید رخشاں
شرارہ ہے اک میرے سوزِ نہاں کا

مری آہ کی کارفرمائیاں ہیں
پتہ لامکاں تک نہیں آسماں کا

ہوئی ہوں تشنۂ جام شراب نزع کے وقت
اٹھونگی حشر میں ساقی سبو سبو کرتی

وہاں حضرتِ دل تم کو زیست ہو جاتی
جو تم سے لطف میرے زلف مو بمو کہتی

گوہر:۔ گوہر بیگم نام اور گوہر تخلص تھا۔ کابل مولد تھا۔ جب سدوزئی اور بارک زئی قبیلے ہندوستان آئے تو یہ خاتون بھی اُن کے ہمراہ آئیں اور بقول بعض امرت سر اور بقول بعض لدھیانہ میں سکونت اختیار کی؛ فارسی، پشتو اور اُردو تینوں زبانوں میں دستگاہ رکھتی تھیں۔ اُن کے اشعار سے زباندانی اور قادر الکلامی کا پتہ چلتا ہے؛ اشعار میں سادگی صفائی برجستگی اور لطافت ہے بہت حسین و جمیل تھیں اور اسکا خود انھیں بھی احساس تھا۔ چنانچہ ایک جگہ کہا ہے ؎

مہوش و گلعذار ہم بھی ہیں　　ایک بُتِ نوبہار ہم بھی ہیں

بہت بذلہ سنج اور خوش مزاج خاتون تھیں۔

ستم کر، جور کر، ظلم و جفا کر　　پر اے ظالم کبھی مجھ سے ملا کر

لجا کر، شرم کھا کر، مسکرا کر[1]　　دیا بوسہ مگر کچھ منہ بنا کر

عشق کیسا بلا ہوا صاحب　　کس سے کہئے یہ ماجرا صاحب

غیر اچھا ہی ہوگا اپنے لئے　　ہم کو کہتے ہو کیوں برا صاحب

آپ کے جاں نثار ہم بھی ہیں　　عاشق و دلفگار ہم بھی ہیں

مہوش و گلعذار ہم بھی ہیں　　اک بُتِ نوبہار ہم بھی ہیں

---

[1] اس مصرعہ کو پڑھکر میر حسن کی مثنوی کے یہ شعر یاد آجاتے ہیں

وہ بیٹھی عجب ایک انداز سے　　بدن کو چرائے ہوئے ناز سے

منھ آنچل سے اپنا چھپائے ہوئے　　لجائے ہوئے، شرم کھائے ہوئے

امتحان وفا تو ہووے گا — تم بھی ہو اور یار ہا ہم بھی ہیں
درد کہتا ہے مجھسے غربت میں — تم نہ گھبراؤ یار ہم بھی ہیں

بس اٹھ گئی رسم دل لگی کی — روئے وہ جو بات کی ہنسی کی
ابرو کو جو تیرے تیغ باندھا — یہ بات بھی اک روا روی کی
چھلنی داغوں سے دل ہے گوہر — انگیا ملی ہم کو سوزنی کی

آئیے اے جانِ عالم آئیے — اپنے بندہ پر کرم فرمائیے[1]
عید آئی اور گیا ماہِ صیام — چاند سا منہ آج تو دکھلائیے
سال بھر گذرا امید وصل میں — عید کا دن ہے گلے لگ جائیے
اک گھڑی بھی بیٹھنا دوبھر ہوا — دل کو سمجھالیں گے اچھا جائیے
وصل کی کہتا ہوں جب گوہر سے میں — ہنس کے کہتے ہیں کہ منہ بنوائیے

فاطمہ:- نام فاطمہ تھا اور یہی تخلص تھا۔ آگرہ کی رہنے والی تھیں

---

[1] اکبر حیدری:-

عید آئی ہے کرم فرمائیے — مژدۂ چشم عنایت لائیے
انتہائے شرم بے جا ہو چکی — آئیے پردہ سے باہر آئیے
مُہر خاموشی الفت توڑئیے — دردِ دل کہہ جائیے سن جائیے
ماحصل یہ ہے کہ دل رکھ لیجئے — مختصر یہ ہے گلے لگ جائیے
آپ سے ہے اکبر محزوں کی عید — آئیے قربان مقدم آئیے

نازک مزاج وہ ہیں تو یاں بھی ہے تمکنت :: ہم خود بھی اب ایسے ہیں کہ منایا نہ جائیگا

ملکہ :- انی (Anne) نام اور ملکہ تخلص تھا۔ شروع میں مذہب تثلیث کی پیرو تھی۔ آخر میں مسلمان ہوگئی تھی۔ مسٹر بلاکیر سپرنٹنڈنٹ پولیس کلکتہ کی لڑکی تھی۔ انگلستان مولد تھا کلکتہ میں سکونت رہی یہیں اُردو اور فارسی کی تعلیم پائی۔ مولوی عبدالغفور صاحب مؤلف تذکرہ سخن شعراء سے اصلاح سخن لیتی تھی۔

ہجر میں دل کو بیقراری ہے :: جوش فریاد و آہ وزاری ہے

آنکھیں پتھرا کے ہوگئی ہیں سفید :: کسی بُت کی جو انتظاری ہے

ہوگئی نیند بھی ہمسایہ کی تا صبح حرام :: میں نے نالہ جو کسی رات سر شام کیا[^1]

آہ وزاری ہی نہیں سننا بخدا راتوں کو :: اس صنم کو ملکہ ہی نے مگر رام کیا

جمعیت :- یہ خاتون مسیحی مذہب کی پیرو تھی اور میجر آر جسٹن کی اہلیہ تھی۔ عرصہ تک آگرہ میں اقامت گزیں رہی۔ اُردو و فارسی میں کافی دستگاہ رکھتی تھی۔ موسیقی میں بھی دخل تھا۔ اُردو۔ فارسی۔ ہندی تینوں زبانوں میں شعر کہتی تھی بہت ذہین اور طباع تھی۔

---

[^1]: قاآنی :- ہمسایہ شنید نالہ ام گفت :: قاآنی را دگر شب آمد
میر حسن :- پھر چھیڑا حسن نے اپنا قصہ :: بس آج کی شب بھی سو چکے ہم

خدا کے روبرو جانا ندامت مجھکو بھاری ہے
کوئی نیکی نہ بن آئی اسی کی شرمساری ہے

روٹھا ہے ہمارا جو وہ دلبر کئی دن سے
اس واسطے رہتی ہوں میں مضطر کئی دن سے

معشوم کی خوبی ہے یہ قسمت کا ہے احساں
رہتا ہے خفا مجھ سے جو دلبر کئی دن سے

خورشید:۔ یہ عفیفہ دہلی کی ایک سیّد زادی تھیں اور ناکتخدا تھیں ان کے متعلق مشہور ہے کہ مرثیئے خوب لکھتی تھیں۔ ان کا ایک شعر ملتا ہے مگر صاحب تذکرہ چمن انداز کو اس پر شبہ ہے۔

اے جذبۂ دل کیونکہ اجازت دوں میں تجھ کو
ہے سخت کشش تیری وہ ایسا نہ ہو ڈر جائیے

رعنائی:۔ قدسیہ بیگم نام اور رعنائی تخلص تھا۔ دہلی کی رہنے والی تھیں صرف ایک شعر ملا ہے جو زبان کا اچھا نمونہ ہے۔

میں جانتی تھی آنکھ لگی دلکو سکھ ہوا   کمبخت کیسی آنکھ لگی اور دکھ ہوا

غریب:۔ امیر النساء نام اور غریب تخلص تھا میر برکت علی کی زوجہ تھیں جو پٹنہ کے باشندے تھے۔

گر صبا دل میں جگہ اس کے نہیں کرتی تو خیر
اس قدر بھی مجھ سے اس محبوب کو برہم نہ کر
دل کو ذکرِ پردہ جلایا مثل شمع کیوں غریب
وہ ہوا پروانہ غیروں پر تو ہو کچھ غم نہ کر

لو اور وہ تو جلنے لگا میرے نام سے — دل سرد آب تو آہِ شرربار نے کیا
کھلتا نہ تا بمرگ مرا یہ معاملہ — رسوائے شہر مجھ کو دلِ زار نے کیا

عفت:۔ نام معلوم نہیں عفت تخلص تھا۔ حیدر ظہیر دہلوی کی تلمیذ تھیں سنہ ۱۹۱۰ء میں ایک رسالہ میں آپ کی ایک غزل چھپی تھی اس کے چند منتخبہ اشعار یہ ہیں ؎

مرتا ہوں کوئی ہائے مددگار نہیں ہے — دل جس نے لیا وہ بتِ عیار نہیں ہے
بوسہ کی طلب پر نہ کہو پھیر کے منھ "ہاں" — انکار کی صورت ہے یہ اقرار نہیں ہے
سنتا نہیں احوال کوئی کسکو سنائیں — ہمدرد نہیں کوئی بھی غمخوار نہیں ہے
ہم تجھ پہ فدا ہوتے ہیں اور ہمسے ہی کھچنا — لازم تجھے اے خنجرِ خونخوار نہیں ہے
حیرت ہے ملا آئینہ کو بختِ سکندر — قسمت وہ ہماری ہی کہ دیدار نہیں ہے
رونے کیلئے میرے جنازے پہ اب عفت — جز یاس و الم کوئی بھی غمخوار نہیں ہے

ضیا:۔ سکندر جہاں بیگم نام اور ضیا تخلص تھا۔ صاحب تذکرہ ماہِ درخشاں نے ضمیمہ میں لکھا ہے کہ میر امیر علی صاحب سابق کوتوال ریاست جاورہ

کی دختر تھیں۔ نہایت پختہ مشق اور پُرگو شاعرہ تھیں ان کے اشعار سے قادر الکلامی جھلکتی ہے

جی میں تو فکر بتاں اور لب پہ ہو ذکر خدا ——— اے دلِ بیتاب تجھسے پارسائی ہو چکی

دیکھی گئی نہ ہم سے ہنسی اسکی غیر سے ——— رو کا گیا نہ گریہ بے اختیار چشم

آنکھیں بھی نذر گریہ فرقت ہوئیں ضیا ——— ماتم تھا پہلے دل کا ہوں اب سوگوار چشم

یہ کہتے ہیں ٹھکرا کے وہ نعش عاشق ——— یہ فتنہ نہیں ہے جگانے کے قابل

بھلا خاکساروں سے اتنی کدورت ——— نہ تھے خاک میں ہم ملانے کے قابل

بجا ہے وفادار کوئی نہیں ہے ——— مرا عشق ہے آزمانے کے قابل

یوں جو ہم نوجوان مرتے ہیں ——— ان کی یادِ شباب ہے دل میں[1]

بخیہ گر دشتِ جنوں سے تنگ ہوں ——— جیب کچھ باقی ہے تو داماں نہیں

میری بیتابی پہ روتے ہیں عدو ——— دوست میرے حال پہ خنداں نہیں

ایک قاتل سے دوستی کی ہے ——— موت سے ہم نے دل لگی کی ہے

کب تلک ظلم اے ستم ایجاد ——— انتہا بھی ستمگری کی ہے؟

فیض استادِ مہرباں ہے ضیاء ——— دھوم جو تیری شاعری کی ہے

بے وفاؤں کو باوفا جانا ——— ہائے کمبخت دل نے کیا جانا

واہ ری نارسائی قسمت ——— اس کے در تک نہ ہو سکا جانا

ہوا اک آفتِ جاں پر فدا دل ——— نہ دے دشمن کو بھی ایسا خدا دل

---

[1] مومن:۔ یوں کبھی نوجواں نہ مرتا میں ——— تیرے عہدِ شباب نے مارا

پے مشقِ جفا لاؤں کہاں سے　　تمھیں تو چاہیے روز اک نیا دل
دلِ ناکام لے کر کیا کرو گے　　نہیں ہے یہ تمھارے کام کا دل
بتِ کافر سوا تیرے خدا سے　　نہیں رکھتا ہے کوئی التجا دل
بتوں نے کردیا اب غیرتِ دیر　　کبھی مشہور تھا بیتِ خدا دل

رباعی

گم کردہ رہ غریب ہوں منزل سے دور ہوں　　طوفاں زدہ سفینہ ہوں ساحل سے دور ہوں
ظالم اب اپنے در سے اٹھاتا ہے کس لئے　　کیا کم ہے یہ ستم کہ ترے دل سے دور ہوں

شاعراتِ اُردو کا لکھنؤ اسکول

شاعرات اُردو کا لکھنؤ اسکول

حرم نواب آصف الدولہ ؎

جانی :- نواب قمر الدین خاں کی دختر تھیں۔ آپ کا نام بیگم جان، عرف بہو بیگم اور تخلص جانی تھا۔ نواب آصف الدولہ والی اودھ کی حرم تھیں،

؎ نواب آصف الدولہ، نواب شجاع الدولہ کے فرزند تھے۔ نواب یحییٰ خاں نام، مرزا امانی عرف اور آصف تخلص تھا۔ شعر و سخن کے بڑے قدردان اور مربی تھے۔ ان ہی کے عہد میں مرزا سودا، میر تقی میر اور میر سوز وغیرہ دلی سے لکھنؤ آئے۔ ایک اُردو دیوان اُن سے یادگار ہے۔ جس میں بقول رام بابو سکسینہ "تقریباً ۳۰۰ صفحات میں غزلیں۔ ۱۷۰ صفحات میں رباعیاں اور مخمس اور ۱۰۰ صفحات میں ایک مثنوی ہے"۔ (تاریخ ادب اردو مترجمہ مرزا عسکری ص ۲۹۵)

نواب آصف الدولہ کی تاریخیں یہ ہیں:-

تاریخ پیدائش - ۱۷۴۸ء مطابق ۱۱۶۱ھ

تاریخ جلوس - ۱۷۷۴ء مطابق ۱۱۸۸ھ

تاریخ وفات - ۱۷۹۷ء مطابق ۱۲۱۱ھ

اور اپنے وقت کی اچھی شاعرہ تھیں۔ صاحب تذکرۃ الخواتین نے ان کو "شاعرہ گرامی" کے لقب سے یاد کیا ہے

کیا پوچھتا ہے ہمدم اس جانِ ناتواں کی | رگ رگ میں نیشِ غم ہے کہیے کہاں کہاں کی[1]
دل جس سے لگایا وہ ہوا دشمنِ جانی | کچھ دل کا لگانا ہی نہیں راس نہ آیا
نہیں ٹانکے مرے زخمِ جگر پہ | یہ اس کا خندۂ دنداں نما ہے
نہیں ملتی کسی عنوان سے سحر | شبِ غم بھی کوئی کالی بلا ہے
دہن پر تیرے تھا ہم کو توہم | یہ عقدہ آج ہی ہم پر کھلا ہے

دُلہن:۔ نواب آصف الدولہ والیٔ اودھ کی حرم اور نواب انتظام الدولہ کی صبیہ تھیں۔ نہایت خوش خلق۔ نیک طینت اور صاحبِ ذوق خاتون تھیں۔ تذکرہ سراپائے سخن کی تصنیف کے وقت فیض آباد میں مقیم تھیں۔

بہا ہے پھوٹ کے آنکھوں سے آبلہ دل کا | تری کی راہ سے جاتا ہے قافلہ دل کا
جہاں کے باغ میں ہم بھی بہار رکھتے ہیں | مثال لالہ کے دل داغدار رکھتے ہیں
ایسے کم ظرف نہیں ہیں کہ بھٹکتے جائیں | گل کے مانند جدھر جائیں مہکتے جائیں
مت کرو فکر عمارت کی کوئی زیر فلک | خانۂ دل جو گرا ہو اُسے آباد کرو
دن کٹا فریاد سے اور رات زاری سے کٹی | عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ہی خواری سے کٹی

[1] تذکرۃ الخواتین میں لکھا ہے کہ آخر وقت میں جب عالم نزع تھا ایک خواجہ سرا ہمدم نامی عیادت کے لئے آیا اور مزاج پوچھا کرب و تکلیف کے عالم میں یہ شعر فی البدیہہ نظم کر کے ارشاد فرمایا

حرم نواب واجد علیشاہ [1]

قمر:۔ حیدری بیگم نام، ماہ طلعت عرف اور قمر تخلص تھا۔ مرزا ہما یوں بخت کی دختر اور واجد علیشاہ کی حرم تھیں۔ بہت خوش گو۔ خوش فہم اور خوش مذاق خاتون تھیں۔ نہایت طباع اور ذہین تھیں۔ یہ بھی واجد علیشاہ کے ساتھ کلکتہ چلی گئی تھیں۔ اردو اور فارسی دونوں میں دستگاہ رکھتی تھیں۔ اور دونوں میں شعر کہتی تھیں۔ تاریخ وفات ۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۵ء ہے۔ کلکتہ ہی میں انتقال ہوا۔ خود ان کے منتخبہ اشعار یہ ہیں جو انہوں نے ایک تذکرہ کیلئے دئے تھے۔

مر کے بھی خو نہ گئی بادہ کشی کی زاہد　　حشر میں ساقیٔ کوثر کا نہ داماں چھوڑا
روز و شب کرتی ہے بلبل یہ قفس میں فریاد　　ہائے کیا فصلِ بہاری میں گلستاں چھوڑا
لے گیا قیس پہ بھی فوق تمھارا وحشی　　مر کے بھی دستِ جنوں سے نہ گریباں چھوڑا

دعویٰ تھا عبث یار مسیحائی کا تم کو　　اچھا نہ ہوا ایک بھی بیمار تمھارا
داغِ سودا سر پہ ہے، پاؤں میں زنجیر شعاع

ہے پریرو تیری الفت میں یہ حالِ آفتاب
گر مقابل ہو تمھارے روئے آتش رنگ کے
بدر کی صورت گھٹے ہر دم کمالِ آفتاب

---

[1] نواب واجد علی شاہ اودھ کے آخری تاجدار اور نواب امجد علیشاہ کے بیٹے تھے۔ بیس سال کی عمر میں تخت پر بیٹھے شروع شروع میں انتظام مملکت (بقیہ صفحہ ۱۸۶ پر)

سوزشِ داغِ دلِ بیتاب سے پایا فروغ
آپ ایسا بھلا کب تھا جلالِ آفتاب

عشقِ خطِ صنم کا تھا اللہ یہ گناہ
پھر عذاب آتے ہیں مرقد میں مار سبز

گر آبِ زندگی بھی تو برسائے اے فلک
کشتِ امیدِ وصل نہ ہو زینہار سبز

اے میکشو تکلف ساقی تو دیکھنا
شیشے ہیں سرخ جام مئے خوشگوار سبز

سیدا ہیں چشم پر فنِ آہو شکار کے
گلشن میں کب ہے نرگسِ بیمار سے غرض

ہوں وہ گشتہ کہ بعدِ مرگ ہے جوشِ جنوں
لوحِ مرقد کو مرے سنگِ فلاخن چاہیئے

تیرے جانباز کو بس کافی ہے شمشیرِ نگاہ
قتلِ عاشق کیلئے کیا تیغِ آہن چاہیئے

گلِ سودا شگفتہ ہیں یہ فیضِ اشکباری ہے
نسیم آہ کا جھونکا یہاں بادِ بہاری ہے

نہ پوچھ اے ہمنشیں ہم سے شبِ فرقت کی بیتابی
الم ہے درد و حسرت ہے فغاں ہے آہ و زاری ہے

گرے لاتنے ستارے کفش سے تیرے مہ تاباں
روشِ گلزار کی ہر ایک فرشِ زرنگاری ہے

دلِ ناشاد کو تم نے نہ کبھی شاد کیا
بھول کر بیٹھے ہیں پھر نہ کبھی یاد کیا

آپ کا ایک اور شعر جو "اذکارِ خواتین میں ملا ہے" یہ ہے:۔

آنکھیں پتھرا کے ہوگئی ہیں سفید
کسی بت کی جو انتظاری ہے

حجاب:۔ نواب بیگم نام اور حجاب تخلص تھا۔ نواب اعظم علیخاں کی دختر

تھیں جو نواب معتمد الدولہ برادر غازی الدین حیدر والی اودھ کے لڑکے تھے، ان کا سنہ پیدائش ۱۲۵۹ھ ہے۔ نواب واجد علیشاہ والی اودھ کی محل خاص تھیں اور اُن کے ساتھ کلکتہ بھی گئی تھیں۔ نہایت خلیق، نیک طینت اور باذوق خاتون تھیں۔

(صفحہ ۱۸۵ سے) عدالت اور رعایا پروری کا شوق رہا۔ مگر جلد ہی خود غرض اور بدخواہ ہم نشینوں نے عیش و عشرت کی طرف مائل کر دیا۔ اور پھر رقص و سرود کے علاوہ اور کوئی مشغلہ نہ رہا۔ ۱۳ جنوری ۱۸۵۶ء کو سلطنت انگلشیہ کی طرف سے انتزاع سلطنت کا حکم سنایا گیا اور اس کے بعد کلکتہ بھیجدئے گئے جہاں دو برس تک فورٹ ولیم میں نظر بند رہے اور پھر تا وفات مٹیا برج میں قیام رہا۔ لکھنؤ سے ان کے ہمراہ انکی بہت سی محلات اور بہت دوسرے لوگ بھی کلکتہ گئے تھے۔

نواب واجد علیشاہ کو شعر و شاعری کا بہت ذوق تھا۔ اختر تخلص کرتے تھے اور نواب فتح الدولہ برق سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ بہت کثیر التصانیف تھے۔ رام بابو سکسینہ نے تاریخ ادب اردو میں لکھا ہے کہ انکی تصانیف کی تعداد تقریباً ۴۰ جلد ہوگی" (صفحہ ۳۰۲) صرف غزلیات کے چھ دیوان ہیں۔ انکے علاوہ مراثی، مثنویات اور قصائد کے مجموعے علٰحدہ ہیں۔ نواب واجد علیشاہ کی تاریخیں یہ ہیں:-

تاریخ پیدائش: ۱۸۲۷ء مطابق ۱۲۴۲ھ — تاریخ جلوس: ۱۸۴۷ء مطابق ۱۲۶۳ھ

تاریخ معزولی: ۱۸۵۶ء ۱۲۷۲ھ — تاریخ وفات ۱۸۸۷ء ۱۳۰۳ھ

بن کے تصویر حجاب اُس کو سراپا دیکھو
منھ سے کچھ بولو نہ آنکھوں سے تماشہ دیکھو

کہیں کیا اے حجاب آخر یہ دیکھا آنکھ سے ہم نے
کیا طوفاں بپا بحر سرشکِ چشمِ پُرنم نے

اُڑادی نیند اس کی جب فراقِ یار کے غم نے
گذاری رات ساری تارے ہی گن گن کے عالم نے

ہوا شب کو جو دھوکا اپنے اختر کا ستاروں میں[1]

صدر:۔ نواب صدر محل نام اور صدر تخلص تھا۔ نواب واجد علیشاہ آخری تاجدار اودھ کی اہلیہ تھیں، صاحب دیوان تھیں۔ صاحب تذکرۃ الخواتین نے "بادشاہ نامہ" اور "نامہ اسم" کو ان کی تصنیف بتایا ہے۔ اسی تذکرہ میں لکھا ہے کہ ۱۲۹۳ھ ۱۸۷۶ء تک زندہ تھیں۔

جوشِ جنوں میں رات دن سب سے رہا الگ الگ
میں ہوں جدا الگ الگ، لوگ جدا الگ الگ

میں نے بلائیں لینے کو ہاتھ بڑھائے جب اُدھر
منھ کو پھرا کے یار نے مجھ سے کہا الگ الگ

شمع جلانے آئے ہیں آج وہ میری قبر پہ

---

[1] تذکرۂ چمن انداز کے مصنف نے لکھا ہے کہ نواب واجد علیشاہ اختر کے دیوان میں ایک خمسہ ان کے نام سے موجود ہے جس کا نمونہ اوپر پیش کیا گیا۔

چلیو خدا کے واسطے بادِ صبا الگ الگ
خاک ہو زندگی بھلا نیز سے مریضِ عشق کی
میں ہوں دوا سے دور دور مجھ سے دوا الگ الگ
ہجر میں خوب خاک اُڑائی اُنپہ ہوا نہ کچھ اثر
نالے گئے الگ الگ آہِ رسا الگ الگ
حسرت و آرزوئے وصل، درد و مصیبتِ فراق
سب کا ہے لطف الگ الگ سب کا مزا الگ الگ
صد رو وہ کم نصیب ہوں ہجر میں گر اٹھاؤں ہاتھ
بابِ قبول سے رہے میری دعا الگ الگ

عالم: - نام معلوم نہیں۔ عالم تخلص تھا۔ نواب واجد علیشاہ والئے اودھ کی اہلیہ تھیں اور آخر میں ان کے ساتھ جا کر کلکتہ بھی رہی تھیں۔ صاحب دیوان شاعرہ تھیں۔ ایک مثنوی بھی یادگار چھوڑی، کہا جاتا ہے کہ ستار بجانے میں کافی مہارت رکھتی تھیں۔

اے باغباں چمن میں یہ کہدے پکار کے
لو بلبلو چلو کہ دن آئے بہار کے
وحشی وہ ہوں کہ قیس نے بھی بس نہ کر کا
گنڈے بنا کے پہنے گریبانِ تار کے
بیقراری کیا بیاں ہو اس دلِ بیتاب کی
شورِ افغاں سے ہمارے عرش تھرانے لگا
جو کچھ کرو ستم وہ سزاوار ہے تمھیں
قابل اسی کے ہم ہیں یہی ہے سزا دل

اجاڑے دیکھئے کس کس کے آشیانے کو ہی چمن میں ہے اب چارہ سُو فغاں صیاد
عالم وہ طلبگار تیرے ہونگے اسی دن جب کوئی ستم اور وہ ایجاد کرینگے
گذاری رات ساری تارے ہی گن گن کے عالم نے
ہوا شب کو جو دھوکا پنے اختر کا ستاروں میں

محبوب :- سلطان جہاں نام ۔ محبوب محل خطاب اور محبوب تخلص تھا نواب واجد علیشاہ کی حرم تھیں ۔ بہت اعلیٰ ادبی مذاق پایا تھا ۔ نہایت نیک طینت اور پاک باطن خاتون تھیں ۔

اٹھا سکی نہ مصیبت فراقِ یار میں روح نکل گئی تنِ لاغر سے انتظار میں روح
نہ نکلی حسرتِ دل ایک بھی کہ موت آئی ہمیشہ تڑپے گی تیرے لئے مزار میں روح
جو آنا ہو تجھے مدّ نظر تو آ ظالم نکل نہ جائے کہیں تیرے انتظار میں روح
نہیں ہے گور کی تنگی سے کچھ ہمیں دہشت رہیگی بعد فنا کے بھی کوئے یار میں روح
اسی کے حکم سے ہے موت و زندگی محبوب حقیقتاً ہے مری دستِ کردگار میں روح

لہ صاحب تذکرۃ الخواتین نے نواب عشرت محل عشرت حرم واجد علیشاہ کا بھی تذکرہ کیا ہے اور مثال میں صرف یہ ایک شعر دیا ہے سہ
گرمئی عشق مانع نشو و نما ہوئی میں وہ نہال تھا کہ اُگا اور جل گیا
مگر مصنف کو غلط فہمی ہوئی ہے اور غالباً اسکی وجہ یہ ہے کہ تذکرہ شمیم سخن میں جو تذکرۃ الخواتین کا اکثر ماخذ رہا ہے یہی غلطی موجود ہے لیکن یہ شعر عشرت کا نہیں میر تقی میر کا ہے

دیگر خواتین

کنیز: اس جواں مرگ کا فاطمہ بیگم نام اور کنیز تخلص تھا۔ نواب نصرت الدولہ بہادر لکھنوی کی دختر کی کنیز تھی۔ پندرہ برس کی عمر میں علوم ضروریہ کی تحصیل سے فراغت حاصل کر چکی تھی، نہایت شگفتہ مزاج، حاضر جواب، طباع اور ذہین تھی۔ بیس برس کی عمر میں عین عنفوان شباب میں ۱۲۸۱ھ ۱۸۶۵ء میں انتقال ہوا[1]

نقاش نے اس بت کا مرے نقش جو کھینچا ــــ ساعد پہ نہ پہنچا تھا کہ جو ہاتھ کو کھینچا[2]

وصل کی شب ہوگا کیا حاصل ہمیں جو ناز سے ــــ جب تلک تم بند کھولو گے سحر ہو جائیگی

ذلیل: نوبہار نام ذلیل تخلص تھا۔ مرزا سلیمان شکوہ کی کنیز تھی طبیعت فحش گوئی کیطرف زیادہ مائل تھی۔

تم سے اللہ رکھے اپنی اماں ہیں تم تو ــــ ہم سی پریوں کو بھی دیوانہ بنا لیتے ہو

ہیں فرشتوں کی بھی سنتی نہیں ناصح کیا ہے

اپنی کرتوت پہ جس دم کہ میں آجاتی ہوں

سلطان: سلطان بیگم نام اور سلطان تخلص تھا۔ نواب معتمد الدولہ بہادر

---

[1] اذکار خواتین۔

[2] محترمہ خدیجۃ النساء بیگم نے اپنے تذکرہ اذکار خواتین میں لکھا ہے کہ کنیز نے یہ شعر تیس برس کی عمر میں کہا تھا

لکھنؤ کی دختر تھیں۔ صاحب تذکرہ چمن انداز کا خیال ہے کہ صاحب دیوان تھیں۔ قبل غدر حیات تھیں کلام سے پختگی اور کہنہ مشقی ظاہر ہے۔

ہم تو عاشق اسی کے ہو بیٹھے — دل سے صبر و قرار کھو بیٹھے
صورت اسکی نظر نہ آئے گی — دل ہی دل میں کڑھا کرو بیٹھے

لگا یا گل سے جو دل کو تو نے سمجھ لے دلمیں یہ اپنے بلبل
ہیں چند روزہ بہار کے دن، یہ گل تو روزِ خزاں نہ ہوگا

کبتک یہ تیرے ہجر کے صدمے اٹھائے دل — ڈر ہے یہی کہ جان سے اپنی نہ جائے دل
قاتل نے کب کہا تھا کہ آنکھیں لڑا دل — آخر یہ میری جان پہ آئی بلائے دل
تھی وہ نگاہ یا کوئی ناوک کا تیر تھا — ملتے ہی آنکھ رہ گیا میں کہکے ہائے دل
سینہ اگرچہ داغوں سے معمور کیا ہوا — خالی ہے تیرے واسطے عشرت سرائے دل

سلطاں غزل اک اور بدلکر ردیف لکھ
پر شرط ہے کہ لفظ گل آئے بجائے دل

یاسمن: چنبیلی نام اور یاسمن تخلص تھا۔ سید انشا کی کنیز تھی اور ان ہی سے اصلاح سخن بھی لیتی تھی۔ صاحب تذکرۃ الخواتین نے یاسمن کی بابت لکھا ہے جو بظاہر لطیفہ معلوم ہوتا ہے "عجیب بات یہ ہے کہ صحبت مرد سے اس کو قطعی تنفر تھا۔ سید انشاء نے شاید اس بات کو تصنع خیال کیا۔ اور بہ اتباع شریعت اس کی شادی ایک نہایت معقول آدمی کے ساتھ کردی تیسرے روز بغیر عارضہ اور مرض کے جاں بحق تسلیم ہوئی۔"

یاد آیا مجھے گھر دیکھ کے دشت
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا[1]

سرمہ کھلوایا خموشی نے مجھے
جب وہ منظورِ نظر یاد آیا

دخترِ رز سے رات صحبت تھی
شیخ جی کا مگر وضو نہ گیا

ضیا:۔ ضیائی بیگم نام اور ضیا، تخلص تھا۔ حکیم انور علی صاحب لکھنوی کی اہلیہ تھیں۔ نہایت فاضل خاتون تھیں۔ صاحبِ تذکرہ بہارِ بے خزاں نے لکھا ہے کہ عربی، فارسی، اُردو تینوں زبانوں میں دستگاہ رکھتی تھیں اور تینوں میں شعر کہتی تھیں۔ باسٹھ برس سے زیادہ عمر پائی[2]

تمھارا ہم سے ہمارا تم سے نہ اُٹھ سکے گا عتاب ہرگز
اُٹھے تو کیونکر اُٹھے بتاؤ کہ تم ہو نازک میں ناتواں ہوں

میں ہوں وہ ننگِ خلق کہ کہتی ہے مجھکو خاک
اس کو بنا کے کیوں میری مٹی خراب کی

سوتے میں شب جو پیچ کھلے زلفِ یار کے
دعوے دروغ ہو گئے مشکِ تتار کے

شمشاد گرد سایۂ قامت چمن میں ہے
خورشید و مہ شعاع ہیں رخسارِ یار کے

بے وجہ بُو شراب کی منھ میں نہیں ضیا

---

[1] غالب ؎ کوئی ویرانی سی ویرانی ہے ؛ دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا
[2] "اذکارِ خواتین"

کہا قاصد نے کہ لایا ہوں میں پیغام وصال
آج خلعت مجھے پہناؤ کہ جاگیریں دو

دردِ دل دور ہوا سینہ کی سوزش بھی گئی
شربتِ وصل میں تیرے ہیں یہ تاثیریں دو

یا بہانے سے بلائیں اُسے یا خط ہی لکھیں
شرمؔ کیا خوب یہ سوجھیں ہمیں تدبیریں دو

گر پڑوں یار کے قدموں پہ اگر پی ہے شراب
ہاتھ آیا ہے بہانہ مجھے بیہوشی کا

جیتے جی نہ آیا اسے کچھ دھیان ہمارا
مرجانے پہ کیا نکلے گا ارمان ہمارا

کوئی نا آشنا نہیں ایسا
ملے ہیں آپ آشنا کیا خوب

وصل میں شرم و حیا شرمؔ کو مشکل ہے بہت
کثرتِ شوق سے ہو جاتا ہے دشوار لحاظ

حجاب: عسکری بیگم نام اور حجاب تخلص تھا۔ ملا محمد زماں اصفہانی کی پوتی اور محمد علیخاں مسیحا کی شاگرد تھیں شعر و شاعری سے شغف تھا۔ اکثر مشاعرے بھی اپنے مکان پر کراتی تھیں۔ تذکرۃ الخواتین میں ان کا صرف ایک

غالب
ہم سے کھل جاؤ بوقتِ مے پرستی ایک دن
ورنہ ہم چھیڑیں گے رکھکر عذرِ مستی ایک دن

شعر ملتا ہے، جس سے ان کی ادبی سنجیدگی اور شاعرانہ ذوق کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا۔

وعدۂ وصل کیا اس نے دکھا کر گیسو | رات کو آئیں گے ہم صاف معمّہ یہ ہے

شیریں:- نواب شاہجہاں بیگم سابق فرمانروائے بھوپال کا شیریں تخلص تھا۔ آپ کا خطاب رئیس دکاور اعظم طبقہ اعلائے ہند کرون آف انڈیا زمرۂ ریاستہائے ہند تھا۔

آپ ۱۲۵۴ھ (۱۸۳۸ء) میں پیدا ہوئیں اور ۱۲۸۵ھ (۱۸۷۰ء) میں تخت پر جلوہ گر ہوئیں۔ علوم حاضرہ سے واقف تھیں، عالی ہمت، خوش ذوق اور علم پرور خاتون تھیں۔ علماء و فضلا کی بہت قدر و منزلت کرتی تھیں۔ فارسی اور اردو دونوں میں شعر کہتی تھیں۔ فارسی میں شاہجہاں اور اردو میں شیریں تخلص کرتی تھیں۔ پہلا دیوان اردو کا ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۳ء) میں طبع ہوا تھا۔[1]

آتی ہے ہوا سرد گھٹا اٹھتی ہے گھنگھور | منگواؤ صراحی و مئے و جام ہمارا
پہلی سی رکاوٹ نہیں اب ہے نظرِ لطف | آغاز سے بہتر ہوا انجام ہمارا
فرقت میں نری ساتھ دیا اپنا اسی نے | کام آیا بہت یہ دلِ ناکام ہمارا
کافر کیا مجھ کو تری اس زلف نے کافر | اس لام نے کھویا ترے اسلام ہمارا[2]

---

[1] جناب نجم الغنی صاحب کو آپ کی شعر گوئی سے انکار ہے ملاحظہ ہو بحر الفصاحت بابُ السرقہ

[2] لام نستعلیق کا ہے اس بتِ خوشخط کی زلف ؂ ہم تو کافر ہیں اگر بندے نہوں اسلام کے (احسن)

قابلِ پابوس کیا ہم بھی نہیں ہیں آپکے
کیا خطا کی ہمنے گر چوما قدم کو کیا ہوا

عرش تک جاتا تھا یا اب کان تک آتا نہیں
ہم نشینو میرے نالے کے اثر کو کیا ہوا[۱]

دردِ فراق ہی ہیں سدا مبتلا رہے
دنیا میں اسطرح بھی رہا ہے تو کیا رہے[۲]

لطف کیا پاؤگے تنہا دلِ شیدا لیکر
دیکھئے سیر بھی کچھ یاس و تمنا لیکر

غم سے مرتا ہوں نہ شرماؤ اجل بالیں پر
کوئی زندہ نہ کرے نام تمہارا لیکر

جھوٹی قسموں کے دلاسے تو نہ دو شیریں کو
دل بھی پھیرا ہے کبھی تم نے کسی کا لیکر

مستور:۔ مستور بیگم نام اور مستور تخلص تھا لکھنؤ کے ایک متموّل خاندان کی تعلیمیافتہ خاتون تھیں۔ صرف ایک شعر ملا ہے۔

خزاں میں بھی نہ کسی سال کم ہوئی وحشت
رہا ہے اپنا گریبان بے رفو برسوں

عفت:۔ نجم النساء نام اور عفت تخلص تھا۔ مولوی مقصود عالم مقصود

---

[۱] غالب ؎ نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا اور اب
لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے

خواجہ احسن اللہ بیاں ؎
عرش تک جاتی تھی اب لب تک بھی آسکتی نہیں
رحم آتا ہے بیاں اب مجھکو اپنی آہ پر

[۲] دولہن حرم نواب آصف الدولہ ؎
دن کٹا فریاد سے اور رات زاری سے کٹی
عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ہی خواری سے کٹی

ساکن پہانی کی شاگردہ تھیں۔ صاحب دیوان گذری ہیں اب صرف یہ ایک شعر ملا ہے۔

ہم جو لے جانِ جہاں تم سے بچھڑ جاتے ہیں
صدمے ہوتے ہیں قلق ہوتے ہیں گھبراتے ہیں

مطلوب :۔ فضل النساء نام اور مطلوب تخلص تھا۔ شملہ کی رہنے والی تھیں۔

کیوں نمک پاش نہ ہو زخم جگر پر ہر دم :: مسکرانا ترا اے رشکِ قمر وصل کی رات
اللہ اللہ ری مدہوشیٔ جامِ الفت :: جان و تن کی نہ رہی کچھ بھی خبر وصل کی رات

پاؤں میں وحشی کی ہے زلفِ جنوں کا حلقہ :: آنکھ دکھلاتا ہے پھر حلقۂ زنجیر عبث

نظر لطف سے اُن کو تو کبھی دیکھا کر :: کیا گذرتی ہے ترے چشم کے بیماروں پر

لطیف :۔ لطیف النساء نام اور لطیف تخلص تھا۔ پٹنہ عظیم آباد وطن تھا۔ اردو۔ فارسی دونوں میں طبع آزمائی کرتی تھیں۔ اردو کا صرف ایک شعر ملا ہے۔

یہ طفلِ اشک مرے جس گھڑی مچلتے ہیں :: تو پھر ہزار سنبھالو نہیں سنبھلتے ہیں

معشوق :۔ حیدری خانم نام اور معشوق تخلص تھا۔ فیض آباد کی رہنے والی تھیں صرف ایک شعر ملا ہے۔

پان کھا کے جو کہیں تھوک دیا اس گل نے :: رشکِ یاقوت بنے باغ کے کنکر پتھر

نظیر[۱]:۔ لکھنؤ کی ایک عصمت مآب خاتون تھیں، زیادہ حال معلوم نہیں۔

کیا کہیں تم سے ہم کہ کیا ہیں ہم　　پاکدامن ہیں پارسا ہیں ہم
تو جو اغیار کے پہلو میں یہاں رہتا ہے　　مجھ پہ تنہائی میں پہروں خفقان رہتا ہے

ماہ:۔ منجھلی بیگم نام اور ماہ تخلص تھا۔ وطن لکھنؤ تھا۔ دو شعر ملے ہیں جن سے لکھنؤ کا رنگ صاف ظاہر ہے۔

گر مقابل عارضِ جاناں کے اک دم آئے گل　　شرم سے بلبل کو پھر ہرگز نہ منھ دکھلائے گل
کاکل ہیں میرے دل کو گرفتار کر چلے　　کالی بلا سے ہائے مجھے مار کر چلے

کنیز:۔ کنیز فاطمہ نام اور کنیز تخلص تھا۔ آپ ایک تعلیمیافتہ اور خوش ذوق خاتون تھیں ۱۹۱۰ء میں متھرا ڈالی گنج میں رہتی تھیں۔

رضواں تری جنت مجھے درکار نہیں ہے　　طیبہ کا ترے باغ میں اک خار نہیں ہے
سر پر جو ترا سایۂ دیوار نہیں ہے　　شاہا مجھے فردوس بھی درکار نہیں ہے
کس دل میں تری حسرتِ دیدار نہیں ہے　　خواہاں ترا کون اے شہِ ابرار نہیں ہے
یا شاہ ٹھکانا ہے مرا آپ کے ہاتھوں　　بیکس ہوں مرا کوئی مددگار نہیں ہے[۲]

---

[۱] آپ کا نام اذکارِ خواتین میں نظیر اور تذکرۃ الخواتین میں نظیرن لکھا ہے۔

[۲] یہ مصرعہ میر انیس کا ہے۔ ایک مرثیہ میں انھوں نے ایک نہایت دلدوز تصویر (بقیہ اگلے

روشن ہیں چراغوں کی طرح داغِ محبت | تربت میں اندھیرا مری زنہار نہیں ہے
اس دل کو کنیز اہل وفا کہتے ہیں پتھر | جس دل میں ولائے شہ ابرار نہیں ہے

شریر:۔ مس ہیری فلورا سارکس نام اور شریر تخلص تھا۔ ان کا آگرہ سے تعلق تھا۔ جناب بزم اکبرآبادی کی صبیہ تھیں۔ ان کا سنہ پیدائش غالباً ۱۸۹۵ء / ۱۲۹۱ھ سنہ ہے۔ ۱۹۱۱ء / ۱۳۰۸ھ میں رامپور تھیں۔ اور منا صاحب بزم سکریٹری سے اصلاح لیتی تھیں۔ اسوقت عمر سولہ سال کی تھی۔ خوش مذاق اور خوش گو شاعرہ تھیں۔ رامپور میں ان کو اختر جہاں بیگم کا خطاب ملا تھا۔ اسی عمر میں نواب صاحب رامپور کی ایک غزل کو تضمین کیا تھا جو درج ذیل ہے۔

یہ جو ہے ملنے میں عار دیکھئے کبتک رہے | دشمنِ جاں وہ نگار دیکھئے کبتک رہے
قلب میں اس کے غبار دیکھئے کبتک رہے | ہم سے خفا ہے جو یار دیکھئے کبتک رہے
غیر کا یہ اعتبار دیکھئے کب تک رہے

[پچھلے صفحہ سے] اس واقعہ کی کھینچی ہے کہ شہدائے کربلا کا قافلہ مدینہ سے روانہ ہونے کو ہے حضرت بی بی صغریٰ جانے کے لئے بیتاب ہیں مگر بوجہ علالت ان کو اجازت نہیں ملی ہے۔ لہذا بیکسی کے عالم میں وہ حضرت علی اصغر کو مخاطب کر کے اپنا دردِ دل کہتی ہیں۔ وہ بند جس میں اوپر والا مصرعہ آیا ہے یہ ہے :۔

تم جاتے ہو اور ساتھ بہن جا نہیں سکتی | تپ ہے تمھیں چھاتی سے کبھی چپٹا نہیں سکتی
جو دل میں ہے لب پر وہ سخن لا نہیں سکتی | رکھ لوں تمھیں اماں کو بھی سمجھا نہیں سکتی
بیکس ہوں مرا کوئی مددگار نہیں ہے | تم ہو سو تمھیں طاقتِ گفتار نہیں ہے

پہلو سے عاشق ہی جب تم نے نکالا تھا دل
ہم نے بھی اے دلربا خوب سنبھالا تھا دل
ہائے مگر کیا کریں جانے ہی والا تھا دل
پہلے تڑپتا رہا نازوں کا پالا تھا دل

ہو گیا بے اختیار دیکھئے کب تک رہے

موسم گل کی بہار دیتی ہے کیا کیا مزے
سارے درختوں نے بھی بدلے ہیں کپڑے نئے
شاخوں پہ پھر بلبلیں کرنے لگیں چہچہے
غنچے چٹکنے لگے پھول مہکنے لگے

جوش پہ فصل بہار دیکھئے کب تک رہے

پہلے تو معلوم بھی مجھکو نہیں تھی یہ شے
مست بنا یک ہوا بات نصیحت کی ہے
ایک نظر نے مگر کر دیا قصہ ہی طے
آنکھیں تری دیکھکر پی ہی محبت کی مے

عشق کا ہم کو خمار دیکھئے کب تک رہے

قلب ہے بیکل یہاں آپ کا ملنا ہے دور
رحم کی دیکھوں نظر کرتے ہیں کبتک حضور
ہو گیا اس کا یقیں مجھکو یہ اے رشک حور
صدمۂ فرقت سے جان جائیگی اک دن ضرور

سینہ میں دل بیقرار دیکھئے کبتک رہے

ہو گئے جگر خون یاں آتے ہیں رنگ شباب
رشک سے اغیار کے جل کے ہوا دل کباب
سر پہ ہے ناحق لیا ہجر بتاں کا عذاب
عشق ہے ایسی بلا جل کے ہوا دل کباب

اپنے گلے کا یہ ہار دیکھئے کبتک رہے

مست ہیں سب بلبلیں باغ ہے پھولا پھلا
سبزۂ تر نے جدا فرش ہے اپنا کیا
ساتھ ہو وہ غنچہ لب سیر کا جب ہے مزا
آئی چمن میں بہار چلتی ہے باد صبا

شاخ گل ہے سنگھار دیکھئے کبتک رہے

سبز شجر دیکھکر خوش ہے ہر اک باغباں
ایسا بھلا بار بار ملتا ہے موقع کہاں

دیکھنے کا باغ کے آج ہی کل ہے سماں   حسن عروس بہار پھولوں کی نیرنگیاں
بلبل شیدا انتظار دیکھئے کبتک رہے

ہم کو نہیں اعتبار اس کے کسی قول کا   دیکھو یہ تم لے شریر وہ نہیں باز آئیگا
دیکھتے ہو اس کی راہ جھوٹا ہے وہ پُر دغا   وعدہ ہو ان کا وفا رشک یقیں کیا ہوا
وصل کا یہ انتظار دیکھئے کبتک رہے

دورِ حاضر

دورِ حاضر

(الف)

اختر:۔ محترمہ اختر بیگم قریشی. بی۔اے۔بی۔ٹی۔دہلوی

محترمہ انور بشیر الدین، بی۔اے۔بی۔ٹی نے محترمہ اختر قریشی بی۔اے۔بی۔ٹی کے جو حالات رقم فرما کر ارسال کئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:۔

"محترمہ اختر قریشی بی۔اے۔بی۔ٹی نے ایک نہایت ہی معزز، ممتاز اور روشن خیال خاندان میں ہوش سنبھالا۔ آپ کے والد ماجد دہلی میں محکمہ آثارِ قدیمہ میں ایک اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے۔ ریٹائر ہونے کے بعد انھوں نے یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی ہے۔ اختر بیگم کی پیدائش دہلی ہی میں ہوئی۔ اور یہیں پلی بڑھیں۔ بچپن ہی سے آپ نہایت تیز طبع۔ ذہین اور خوش مزاج تھیں۔ چار سال کی عمر میں آپ کو قرآن شریف پڑھنے بٹھایا گیا۔ اور پانچویں سال اسکول میں داخل کر دیا گیا۔ اسکول میں آپ نے حیرت انگیز ترقی کی۔ اور اپنی خداداد قابلیت کے باعث ہمیشہ اپنی ہم جماعتوں میں ممتاز رہیں۔ اور ہر سال انعامات حاصل کرتی رہیں۔ اسکول کے جلسوں وغیرہ میں آپ ہمیشہ نظمیں سناتیں، تقریریں کرتیں جس کے باعث آپ طلباء اور اساتذہ دونوں میں ہر دلعزیز تھیں۔

مضمون نگاری، شاعری، اور تصویر کشی کا آپ کو بچپن سے بیحد شوق تھا۔ چنانچہ بچپن میں اپنی استعداد سے بڑھ کر مختلف موضوعات پر مضامین اور کہانیاں لکھا کرتیں اور اپنے ماموں۔ چچا اور والد کے دوستوں کو دکھا کر خراجِ تحسین حاصل کرتیں۔ اُن کی حوصلہ افزائی سے آپ نے اور بھی زیادہ ترقی کی۔ اور اپنے فرصت کے اوقات میں اُردو اور انگریزی کے مضامین لکھتی رہتیں۔

دہلی کے کوئن میری گرلز ہائی اسکول سے میٹرک پاس کرنیکے بعد آپ اندر پرستھ گرلز کالج میں داخل ہوگئیں۔ کالج کی فضا میں آپکے ذہنِ رسا نے خوب ترقی کی۔ درسی تعلیم کے علاوہ آپ ایکسٹرا کریکولر ایکٹیویٹیز[1] میں نمایاں حصہ لیتی رہیں۔ کالج میں داخل ہونے کے تھوڑے ہی دن بعد آپکو مضمون نگاری کے انعامی مقابلے میں اول انعام ملا۔

چونکہ تقریر کرنے میں آپ کو ابتدا سے ملکہ حاصل ہے اسلئے کالج کے اُردو اور انگریزی مباحثوں میں آپ کا نام ہمیشہ رکھا جاتا۔ تقریر کی روانی اور جوش۔ بلند پروازی اور شستگی، صاف اور بلند آواز جو ایک قابل مقرر کے اوصاف ہیں آپ میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ اسی وجہ سے آپ کو متعدد مرتبہ کالج سے نمائندہ بنا کر مباحثات میں حصہ لینے اور تقریریں کرنیکے لئے بھیجا گیا۔ جہاں آپنے اکثر میڈل اور انعامات حاصل کئے۔

[1] غیر نصابی مشاغل

علاوہ ازیں آپ کو سوشل جلسوں میں بھی تقاریر کرنے کیلئے بُلایا جاتا ہے۔ انتظامی قابلیت آپ میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ کالج میں آپ اکثر مباحثات کی صدارت کرتیں اور کالج کے ایسوسی ایشن کی سکریٹری تھیں۔

بی۔ اے پاس کرنیکے بعد آپ بی۔ ٹی کرنیکے واسطے علیگڑھ ٹریننگ کالج میں داخل ہوئیں۔ وہاں آپنے ذہانت اور معلومات عامہ کے امتحان میں اوّل انعام حاصل کیا۔ اس کے بعد آپ دہلی میں محکمۂ تعلیم کے فرائض انجام دینے پر مامور ہو گئیں۔

آپ کی تقریریں بارہا آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہو چکی ہیں۔ زیادہ تر آپ اپنے پسندیدہ موضوع سائیکولوجی اور جدید طریقہ ہائے تعلیم اور خانہ داری کے امور پر روشنی ڈالتی ہیں۔

تعلیم کے علاوہ آپ دستکاری میں بھی مہارت رکھتی ہیں۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل ایکزیبیشن، علیگڑھ میں آپنے بہترین دستکاری پر فرسٹ پرائز (ایک سونے کا تمغہ) حاصل کیا۔

فرصت کے اوقات میں انگریزی اور اُردو میں مضامین اور افسانے لکھنا آپ کا محبوب ترین مشغلہ ہے۔ ان مضامین کو شائع کرانا آپ کا مقصد نہیں۔ البتہ کبھی کبھی ادبی رسائل کی ایڈیٹرز کی

۱؎ انجمن ۲؎ نفسیات ۳؎ مسلم تعلیمی نمائش

خواہش پر آپ کے مضامین شائع بھی ہوجاتے ہیں۔
کتابوں سے آپ کو عشق ہے۔ آپ کے پاس انگریزی اور اردو کی کتابوں کا ایک اچھا ذخیرہ موجود ہے۔
آپ شوقیہ طور پر انگریزی اور اردو میں نظمیں بھی لکھتی ہیں۔ لیکن حد درجہ مشغولیت کے باعث آپ کو ادبی کاموں کی طرف توجہ کرنے کا زیادہ موقعہ نہیں ملتا۔ حال ہی میں آپ نے ایک ڈرامہ "نور" تصنیف کیا ہے جو عنقریب شائع ہونے والا ہے۔
آپ اپنی قوم کی سچی ہمدرد اور بہی خواہ ہیں۔ اور مسلمان خواتین میں بیداری پیدا کرنے کیلئے کوشاں رہتی ہیں۔
ان صفات کو دیکھتے ہوئے قوی امید کی جاسکتی ہے کہ آپ ایک روز آسمانِ ادب پر درخشندہ ستارے کی مانند چمکیں گی۔ اور آپ کے علمی و ادبی کارناموں کی بناء پر قوم آپ کی ہستی پر فخر کریگی"۔
آپ اختر شیرانی کے رنگ سے متاثر معلوم ہوتی ہیں، کلام میں جذبات کی ترجمانی و رنگینی ہے، آپ کے نغمے رومان پرور فضاؤں میں بہتے نظر آتے ہیں، طرزِ ادا صاف ہے گو اس میں ابھی پختگی نہیں لیکن اگر مشقِ سخن جاری رہی اور آپ برابر کہتی رہیں تو اردو کی ایک اچھی شاعرہ ثابت ہوں گی۔
ذیل کا کلام خود محترمہ اختر قریشی کا انتخاب ہے جو آپ نے ازراہِ عنایت اس تذکرہ کیلئے ارسال فرمایا ہے:۔

بھولے فسانے

مری ناکامیاں جب میرے دل کو توڑ دیتی ہیں
مری دلسوز اُمیدیں مجھے جب چھوڑ دیتی ہیں
مری بربادیاں جب آس میری توڑ دیتی ہیں
دلِ غمگیں کو کچھ بھولے فسانے یاد آتے ہیں

بساطِ آسماں پر ماہِ روشن جب دمکتا ہے
ستاروں کا منور عکس پانی پر چمکتا ہے
تمناؤں کا شعلہ میرے سینے میں بھڑکتا ہے
دلِ غمگیں کو کچھ بھولے فسانے یاد آتے ہیں

کبھی محشر بپا کرتی ہیں موجیں آبشاروں میں
کبھی میرا گذر ہوتا ہے اونچے کوہساروں میں
کبھی جب کوکتی کوئل ہے دلکش شاخساروں میں
دلِ غمگیں کو کچھ بھولے فسانے یاد آتے ہیں

جب آدھی رات کو سارا جہاں خاموش ہوتا ہے
فضا کا ذرہ ذرہ نیند سے مدہوش ہوتا ہے
ترا دلکش تصور جب عدوئے ہوش ہوتا ہے

دلِ غمگیں کو کچھ بھولے فسانے یاد آتے ہیں

صبا کے چھیڑنے سے پھول جب دم مسکراتے ہیں
طیور خوش نوا جب گلستاں میں گیت گاتے ہیں
خیالاتِ پریشاں مجھکو اشکِ خوں رلاتے ہیں
دلِ غمگیں کو کچھ بھولے فسانے یاد آتے ہیں

خیالِ عیشِ رفتہ اب تو ماضی کا فسانہ ہے
مگر پیشِ نظر اب بھی وہی رنگیں زمانہ ہے
وہی تیرا تصوّر اور اُلفت کا ترانہ ہے
دلِ غمگیں کو کچھ بھولے فسانے یاد آتے ہیں

گذشتہ راحتوں کی داستانیں مجھ سے مت پوچھو
مری مبہم خلش کی کاوشوں کو مجھ سے مت پوچھو
تصوّر کس کا ہے اختر بس اس کو مجھ سے مت پوچھو
دلِ غمگیں کو کچھ بھولے فسانے یاد آتے ہیں

حمیرا کی یاد میں

(جواب کہ دنیا میں نہیں ہے):

دلِ غمگیں میں تصوّر ہے ترا شام و سحر
شب کو خوابوں میں مرے تو ہی نظر آتی ہے

تیرا پیکر ہے نہاں خندۂ گل میں شاید
تو مجھے کلیوں کی نکہت میں نظر آتی ہے
یا کہ تاروں میں چھپی بیٹھی ہے دنیا سے پرے
یا تو گھنگھور گھٹاؤں کی خبر لاتی ہے
ہے تصوّر میں مرے پیکرِ نورانی ترا
تو مجھے چاند کے ہالے میں نظر آتی ہے
یا کہ تو خوشۂ پروین میں روپوش ہوئی
چھپ کہاں جاتی ہے تو؟ جب کہ سحر آتی ہے
دلِ مہجور کی تسکین کو آ رشکِ قمر
آ کہ دنیا مجھے تاریک نظر آتی ہے

۵۱ مؤلف احقر

"کسی تصورِ رنگیں سے"

(۱)

خمارِ خواب سے تارے بھی اونگھتے تھے جب
کسی تصورِ رنگیں سے گفتگو کی ہے
وفورِ کیف سے غنچے بھی جھومتے تھے جب
کسی کے روئے نگاریں کی جستجو کی ہے

(۲)

کسی کی آنکھوں سے بہتی ہوئی بہاروں کو
چمن میں نرگسِ بیمار نے بھی دیکھا ہے
کسی کی آنکھوں سے ٹوٹے ہوئے ستاروں کو
سحر کے تارۂ بیدار نے بھی دیکھا ہے

[بقیہ اگلے صفحہ پر]

مطربہ ؔ[۱]

آسماں پر چھا گئی کالی گھٹا
ہو چلی ہے کیا سہانی اب فضا
اس سہانی رُت میں تو اے مطربہ
دکھ بھرے لہجے میں کوئی گیت گا

[بقیہ پچھلے صفحہ سے]

(۳)

ترے خیال سے برسوں رہا ہوں گرم سخن
کبھی کبھی تو ستاروں سے گفتگو کی ہے
کبھی بہ بزمِ فلک، گاہ در بہارِ چمن
کہاں کہاں نہ تری میں نے جستجو کی ہے

(۴)

کبھی تو پوچھ تباہی کا میری افسانہ
کبھی تو حالتِ دل آکے پوچھ لے دل سے
تری ہی یاد سے وابستہ ہے وہ دیوانہ
کہ جس کی یاد کو تو نے بھلا دیا دل سے

"ج"

۱؎ خان صابر خلیلی کی نظم "مطربہ" کے چند بند ملاحظہ ہوں۔

وہ مہر عالمتاب چھپا
لو شام نے خیمہ تان دیا
اور ذرّہ ذرّہ عالم کا
ظلمت کی اوڑھ رہا ہے ردا
خاموشی کا ہے رنگ جما
ہر جانب ہے اک سنّاٹا
خوابیدہ ہے فطرت اس کو
ٹھوکر سے لے کی جگائے جا
اے مطربہ ساز بجائے جا

وقت دیتا ہے تجھے پیغامِ جوش

اس جہاں پر چھا گیا ہے کیف سا
اس تغیّر سے تو ہو گی بے خبر
چھیڑ سازِ درد دھیمے سُر میں گا

آ گئی برسات ہم مل کر منائیں

دل پہ میرے چھا گئی غم کی گھٹا
میں بھی ہار اشکوں کی برساؤں اگر
بجلیاں آنکھوں سے اپنی تو گرا

میرے دل کی ہے کسی کو کیا خبر

کوئی سمجھے دل کا میرے راز کیا
کوئی جانے کیا کہ کیوں ہوں نوحہ گر
مطربہ للّٰلہ غمگیں لے میں گا

(پچھلے صفحہ سے)

ترے ساز میں ہیں کیا کیا نغمے
سر تا سر سوز فزا نغمے

پُرشور و تلاطم زا نغمے
آفت ہیں ہوش ربا نغمے

دلکش بیرنگ نما نغمے
کرتے ہیں حشر بپا نغمے

دریائے الست کی طغیانی ہیں
روح کو خوب بہائے جا

.... اے مطربہ ساز بجائے جا

اب ہم کو سنا دلچسپ نوا
ہاں چھیڑ کوئی نغمہ ایسا

جو سوز و اثر میں ہو ڈوبا
جو بجلیوں کا ہو گہوارہ

تن من میں دے اک آگ لگا
ہستی کا دے سب ساز جلا

سرد آہوں کا مری ہے کیا سبب؟　　کھوئے سے رہنے کی آخر وجہ کیا ہے؟

کیوں پریشانی سی ہے شام و سحر؟

کیوں خلش سی دل میں رہتی ہے سدا؟

کاش سمجھے مطربہ تو دل کا راز　　کاش پوری کر دے میری التجا

کانپتے ہاتھوں سے بربط تھام کر

سوز کی اک شمع ہر دل میں جلا

چھیڑ دے اس دم برہ کا کوئی راگ　　ٹھیک ہے ہاں بس اسی لَے میں ذرا

ڈال شانوں پر تو زلفیں کھول کر

انکھڑیوں کے جام بھی چھلکائے جا

[پچھلے صفحہ سے]　　جو آگ نوا میں مضمر ہے

بھڑکائے جا بھڑکائے جا

.... اے مطربہ ساز بجائے جا

ہے چشم قیامت ساز تری　　ہے کاکل سحر نواز تری

جادو سے نگاہِ ناز تری　　نیرنگ نوائے راز تری

پُر افسوں ہے آواز تری　　لَے تیری، اے غماز تری

اس آتشیں لے میں گائے جا

تڑپائے جا، تڑپائے جا

.... اے مطربہ ساز بجائے جا

(بہارِ جاوداں مطبوعہ پنجاب اکاڈمی ۱۹۳۶ء ص ۱۱۶ تا ص ۱۲۱)

پھونک دے ہستی کو میری سوز سے
سرمدی لَے سے مجھے بیخود بنا
روح میری مطربہ بیدار کر
جوش سے پھر میں بھی ہوں نغمہ سرا
ساز اور آواز دونوں ساتھ ہوں
مطربہ اختر ہوں دونوں ہم نوا
دکھ بھرے لہجے میں گائیں گیت پھر
جیسے لہراتی ہے متوالی گھٹا

کسی سے

یہ ناممکن جفاؤں سے تری مایوس ہو جاؤں
یہ ناممکن کہ ناکامی سے میں مانوس ہو جاؤں
تری بے اعتنائی مجھ کو برہم کر نہیں سکتی
مری آزاد فطرت غم سے سر خم کر نہیں سکتی
یہ تیری بے رُخی بھی باعثِ وحشت نہیں ہوتی
تری یہ فتنہ انگیزی رہ کلفت نہیں ہوتی
تری وابستگی کی غیر سے پرواہ نہیں مجھ کو
تری اس بیوفائی کا ذرا شکوہ نہیں مجھ کو
نہ مجنوں کی طرح صحرا نوردی پر ہوں آمادہ

نہ میں دشت و بیاباں کا نہ تنہائی کی دلدادہ

مرے نزدیک تیشہ مار کر مرنا نہیں بہتر
میں راہِ عشق میں فرہاد کی طرح نہیں ابتر

جنونِ عشق میں فریاد کرنے سے بھی کیا حاصل؟
خود اپنی زیست کو برباد کرنے سے بھی کیا حاصل؟

ہوائیں جب بہار و کیف سے لبریز ہوتی ہیں
فضائیں جب مرا صبر و سکون و ہوش کھوتی ہیں

جہاں جب چاندنی میں نور سے معمور ہوتا ہے
زمیں کا ذرّہ ذرّہ نیند سے مخمور ہوتا ہے

مری ننھی سی کشتی نقرئی لہروں پہ بہتی ہے
شراب و شعر میں جب روح میری کھوئی رہتی ہے

ترا دلکش تصوّر ہے میرے پیشِ نظر ہر دم
تری رعنائیوں کی یاد ہے شام و سحر ہر دم

تخیّل میں مرے ہر دم ہے تو گو دور ہے مجھ سے
مرے خوابوں کی جنّت ہو کے پھر بھی دور ہے مجھ سے

مری ہستی کا مقصد تو مری روحِ رواں تو ہے
مرے دل پر عیاں ہے پھر بھی آنکھوں سے نہاں تو ہے

میں اکثر چپکے چپکے تیرا نام لے کر آہ بھرتی ہوں

فسوں آمیز تنہائی میں شب کی یاد کرتی ہوں
چمکتی نقرئی لہریں منوّر چاند اور تارے
تلاطم خیز موجیں، شوخ کلیاں اور شجر سارے
کہیں ایسا نہ ہو ان پر عیاں ہو رازِ اُلفت کا
میں ڈرتی ہوں نہ چھڑ جائے کہیں یہ سازِ اُلفت کا
تمنّا ہے یہی اختر کہ خاموشی سے جل جاؤں
مجسّم عشق بن جاؤں میں شمع بن کے جل جاؤں

اختر - محترمہ رج بیگم اختر صدیقی

آپ سندیلہ کی رہنے والی ایک حنفی المذہب، پردہ نشین خاتون ہیں، آپ زیادہ تر غزلیں لکھتی ہیں۔ خاتونِ مشرق اور عصمت وغیرہ میں آپ کا کلام اکثر شائع ہوتا ہے، کلام کا رنگ بہت صاف ہے۔ آپ کے اشعار میں سادگی سلاست اور روانی موجود ہے۔

غزل

بار بار اعتبار کرتے ہیں　　تجربہ ایک بار کرتے ہیں
جو گنہ بے شمار کرتے ہیں　　رحمتیں آشکار کرتے ہیں
جب نظر سوئے یار کرتے ہیں　　آنکھوں آنکھوں میں پیار کرتے ہیں
جھوٹے وعدے ہزار کرتے ہیں　　ہم یقیں بار بار کرتے ہیں

ہجر میں ذکرِ یار کرتے ہیں	یوں خزاں کو بہار کرتے ہیں
دیکھکر حسنِ بے نقاب ان کا	سجدے بے اختیار کرتے ہیں
جن کو ہے ناز تیری رحمت پر	عصیاں لیل و نہار کرتے ہیں
وہ رہیں خوش یہ ہے دعا میری	جو مجھے بیقرار کرتے ہیں
کیا غرض ہم کو دیر و کعبہ سے	سجدہ ہم سوئے یار کرتے ہیں
فرق باقی نہیں من و تو کا	اپنی ہستی کو پیار کرتے ہیں
شمع پر مر رہے ہیں پروانے	یوں فدا جانِ زار کرتے ہیں
سوئے در آنکھیں گوش بر آواز	اُن کا یوں انتظار کرتے ہیں
ان کے تیروں کا زخمی ہے جگر	شکریہ بار بار کرتے ہیں
اب بھی آجا کہ دم ہے آنکھوں میں	نزع میں انتظار کرتے ہیں
غم مناتے ہیں مرگِ دشمن کا	وہ مجھے سوگوار کرتے ہیں
گریہ سے کشتِ دل ہوئی شاداب	ہم خزاں کو بہار کرتے ہیں
آپ اپنے پہ رشک آتا ہے	کہ تمنائے یار کرتے ہیں

جان دیتے ہیں ہجر میں اختر
لیجئے اختصار کرتے ہیں

گردشِ دوراں ہے میری جستجو کے واسطے
ہے ازل سے تا ابد دورِ قمر میرے لئے

جس طرف سے بھی میں نکلوں جو ہو میری رہگذر
فرشِ رہ آنکھیں کئے ہیں بام و در میرے لئے

سب کرشمے حسن کے ہیں کیا ثواب و کیا گناہ
نور و ظلمت میری خاطر خیر و شر میرے لئے

تو مری تازہ بتازہ رنگ میرا تو بہ تو
لطف پیدا کر دیا اک دیدہ ور میرے لئے

میری ہی خاطر ہیں حسن و عشق کی نیرنگیاں
ہے سراک دیوانہ و دیوانہ گر میرے لئے

مالکِ کون و مکاں ہوں شاعرِ فطرت ہوں میں
یہ زمیں یہ آسماں یہ بحر و بر میرے لئے

میری ہستی انقلاب و انقلاب انقلاب
نظمِ عالم آج ہے زیر و زبر میرے لئے

مجھ سے وہ چھپتا ہے مجسمہ بن کے میری ہی نگاہ
پردہ داری ہے باندازِ دگر میرے لئے

کرم تیرا کہ سوزِ جاودانی لے کے آئی ہوں
مگر یہ کیا کہ میں اک عمرِ فانی لے کے آئی ہوں

یہ کس کافر کی محفل ہے کہ جس میں نذر کرنے کو
میں دل کی دھڑکنیں آنکھوں کا پانی لے کے آئی ہوں

یہ دنیا! یہ خلوص و عشق کے رنگ آفریں نغمے
بیاباں میں گلستاں کی کہانی لے کے آئی ہوں

بھڑک کر شعلہ بن جائے کہ بجھ کر راکھ ہو جائے
ہوا کی زد پہ شمعِ زندگانی لے کے آئی ہوں

مری دنیا ہے شعر و خواب و رنگ و نور کی دنیا
مہ و انجم کی گویا ضو فشانی لے کے آئی ہوں

معاشرت کو قابلِ نفرت سمجھتی ہیں۔ آپ نے اپنی مشرقی بہنوں کو اس کی نہایت دلدوز تعلیم اپنے کلام کے ذریعہ دی ہے۔ تبلیغ و تعلیم دراصل روحِ شاعری کے منافی ہے مگر آپ کے یہاں اس قدر شاعرانہ لطافت موجود ہے کہ یہ تلقین و ہدایت بجائے گراں گزرنے کے بہت دلکش ہو گئی ہے اور اس سے نفسِ شاعری کو کوئی صدمہ نہیں پہنچتا۔ اس رنگ میں آپ نے جس پایہ کا کلام پیش کیا ہے اس کی مثالیں نہ صرف اُردو شاعرات میں، بلکہ خود اُردو شاعری میں ابھی کمیاب ہیں۔ آپ کے کلام میں بڑی زندگی اور صداقت ہے زندگی پر آپ کی نظریں ناقدانہ پڑتی ہیں، آپ نے زندگی کے حسن و قبح کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ آپ کے جذبات میں بہت گہرائی متانت اور سنجیدگی ہے۔

آپ کے یہاں قوم و ملت کی محبت بھی موجود ہے اور حبِ ملک و وطن بھی، کیف و اثر، جذبات کی گہرائی اور صداقت آمیز ترجمانی سے پیدا ہوتا ہے، اور محترمہ کے کلام میں اس کی بھی بلند پایہ مثالیں ملتی ہیں، علوِ خیال، نفاستِ جذبات اور جوشِ کلام محترمہ کے خاص جوہر ہیں۔ جوش کلام دراصل دو قسم کا ہوتا ہے، ایک تو بڑے بڑے اور پُر شوکت الفاظ سے پیدا کیا جاتا ہے اور دوسرا جذبات کی شدّت اور طبیعت کے جوش سے پیدا ہوتا ہے پہلی قسم کا جوش ایک مصنوعی جوش ہے جس کا اثر سطحی ہوتا ہے۔ دوسری قسم کا جوش جو صحیح معنوں میں جوش ہے پہلی قسم سے نسبتاً زیادہ مشکل زیادہ موثر اور زیادہ پائندہ ہوتا ہے۔ محترمہ کے کلام میں سچے جوش کی عمدہ مثالیں

موجود ہیں۔ مثال کے طور پر ان کی نظم "وطن کا سپاہی" پیش کی جا سکتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ محترمہ غزل سے محترزیا متنفر نہیں۔ آپ نے غزلیں بھی لکھی ہیں اور خوب لکھی ہیں۔ گو آپ کی غزلیں اتنی بلند نہیں جتنی آپ کی نظمیں ہیں۔ آپ کی ہستی پر اُردو شاعرات کی دنیا بجا طور پر ناز کر سکتی ہے۔

سنگاپور میں ایک مسلم دوشیزہ کو محوِ رقص دیکھ کر

حسن کی عریانیاں، باعثِ فخر و کمال — عظمتِ انسانیت آہ یہ تیرا زوال
کاش کہ ملتا مجھے جلوۂ ماضی ترا — آہ ودیعت ہوا مجھکو ترا عہدِ حال
سنگ خرد، بارِ عقل، ہو ہی گیا کامیاب — آ ہی گیا آخرش شیشۂ ہستی میں بال
کتنی اداؤں کے ساتھ آج ہے محوِ خرام — گردنِ اخلاق پر خنجرِ تہذیبِ حال
جلوۂ افرنگ کی آہ یہ افسوں گری — کل کہ جو شے تھی حرام آج وہ شے ہی حلال
حسن کہاں، حسن کا صرف ہے وہم و فریب — عشق نہیں، عشق کا صرف ہے اک اختلال
حسن میں ہے اب کہاں دلکشی و زندگی — پست ہی ذوقِ نظر، مردہ ہی ذوقِ جمال
عشق کو افسوس ہے حسن کی تقدیر پر — ایک نگاہِ ہوس قیمتِ نازو جمال
سازِ رمِ ذوق میں بربطِ پرشوق میں — اب نہ سرودِ نیاز، اب نہ فغانِ بلالؓ
پی کے مئے مغربی ہو نہ بہت جوش میں — ہوش میں آ، ہوش میں تیرا نہیں یہ کمال

چشمِ بصیرت مری دیکھ چکی آہ آہ!
موت سے پہلے ترا سانحۂ انتقال

نذرِ ہوس یاریاب، شوقِ نظر کامیاب — آہ لٹے اس طرح دولتِ حُسن و شباب

جلوۂ عریاں نہیں ذوقِ نظر کے لئے
حُسن جسے کہتے ہیں وہ تو ہے زیرِ نقاب

حُسن کا مرکز ہے عشق، حسن کا مظہر ہے عشق
کیسا تر و تازہ ہے شاخ میں اپنی گلاب

عشق کا آئین اور، حسن کا آئین اور
اس کو تبسم گناہ، اس کو تبسم ثواب

کس کی نظر کھا گئی کس کی ادا لے اڑی
عشق کا خونیں جگر، حسن کا رنگیں نقاب

نغمۂ حاضر سے ہے قلب پریشاں بہت
مطربِ ماضی شوق چھیڑ دے اپنا رباب

ہے مرا خوابِ نمو، نغمۂ اللہ ہو
اور مری آرزو زندگی اضطراب

خود کو بھی ہشیار کر، مجھ کو بھی ہشیار دیکھ
اشھد ان لا الٰہ ہے مری تعبیر خواب

اشھد ان لا الٰہ میری نواؤں میں ہے[1]
میری نواؤں میں ہے، میری اداؤں میں ہے

حق سے ہوا تھا کبھی سینۂ عالم گداز
مجھکو سنا دیجئے پھر وہ نوائے راز

ذوقِ طلب ہے تو پھر سود و زیاں سے گزر
راہِ وفا میں نہ کر فکرِ نشیب و فراز

آ ہی گئی تھی آج نیند سنگِ درِ یار پر
بیخودیٔ آرزو عمر ہو تیری دراز

پھر دلِ بیتاب کو چاہئے سوز و گداز
مطربِ آتش نفس چھیڑ دے اب اپنا راز

کہہ چکے سب حالِ دل بارگہِ دوست میں
اختر خاموش چھیڑ، تو بھی حدیثِ نیاز

---

[1] علامہ اقبال ؒ سے
شوق مری لے میں ہے، شوق مری نے میں ہے
نغمۂ اللہ ہو میرے رگ و پے میں ہے
[بال جبریل]

تحفۂ علم

علم کے میخانہ میں ہو میگسارِ زندگی
علم ہے اک جاوداں کیف و خمارِ زندگی

علم سے قوموں کا بنتا ہے مزاجِ ارتقا
علم ہے اک نعمتِ پروردگارِ زندگی

علم سے کھلتی ہیں کلیاں آرزو و شوق کی
علم ہے اک مژدۂ فصلِ بہارِ زندگی

علم کر دیتا ہے قوموں کو جہاں میں سر بلند
علم ہے اک جادۂ عز و وقارِ زندگی

آج جو قومیں حصولِ علم سے ہیں فیضیاب
عہدِ حاضر میں وہی ہیں تاجدارِ زندگی

علم نے آکر بنایا مقصدِ درد حیات
علم سے پہلے کسے تھا اعتبارِ زندگی

ہند کی اے صنفِ نازک آشنائے علم بن
ہر ادائے علم ہے آئینہ دارِ زندگی

علم اگر تجھ میں نہیں تو زندگانی بھی نہیں
خواستگارِ علم ہو اے خواستگارِ زندگی

ناشناسِ علم! کیوں تیری نظر محدود ہے
علم تو انسانیت کا اولیں مقصود ہے

کھول آنکھیں کر خدارا اپنی ہستی پر نظر
کس قدر محدودِ ظلمت ہیں ترے شام و سحر

تجھ میں ذوقِ علم کی کوئی تڑپ باقی نہیں
کس قدر چھایا ہے تیرے جہل کا تجھ پر اثر

تیرے گلشن میں نہیں تہذیبِ رفتہ کی بہار
تیرے دامن میں نہیں ہے عہدِ حاضر کا ثمر

منزلِ مقصود کو دنیا نے حاصل کر لیا
اور تو اب تک گرفتارِ فریبِ رہگذر

ہوشیار اے بادہ نوشِ جہل پیہم ہوشیار
چونک خوابِ بے حسی سے اے اسیرِ بام و در

تیرے جلووں سے کبھی تھا بزمِ مشرق کو فروغ
کیوں بجھا دی تو نے اپنی مشعلِ علم و ہنر

کھو دیا افسوس تو نے عزمِ سیتا کا خروش
رضیہ و سلطانہ کا تجھ میں نہیں جوش و اثر

اپنے اوپر رحم کر بیدار ہو، ہاں بیدار ہو
تیرا شیرازہ نہ ہو جائے کہیں زیر و زبر

تیری بیداری کلیدِ قفلِ بابِ ہند ہے
تو جمالِ ایشیا ہے آفتابِ ہند ہے

وطن کا سپاہی

بصد ناز و تمکیں، بصد کج کلاہی
وہ آیا، وہ آیا، وطن کا سپاہی

وطن جس کا ایماں، وطن جس کا پیارا
وطن کے مقدر کا روشن ستارا

جواں بازوؤں پر رِدا پارہ پارا
جبیں سے نمایاں مگر نورِ شاہی

وہ آیا، وہ آیا، وطن کا سپاہی

وہ تھرّا اُٹھی ظلم و طاقت کی دنیا
وہ گھبرا اُٹھی کبر و نخوت کی دنیا

وہ گرما اُٹھی عزم و ہمت کی دنیا
وہ لہرا اُٹھا پرچمِ بے گناہی

وہ آیا، وہ آیا، وطن کا سپاہی

صبا دل کُشائے چمن ہو رہی ہے
کلی آج گرمِ سخن ہو رہی ہے

منوّر فضائے وطن ہو رہی ہے
مبارک فروغِ مہِ نیم ماہی

وہ آیا، وہ آیا، وطن کا سپاہی

بہن کی خموش التجاؤں کو لے کر
پریشاں دلہن کی وفاؤں کو لے کر

دلِ افگار ماں کی دعاؤں کو لے کر
رواں بحرِ ہمت میں ہے مثلِ ماہی

وہ آیا، وہ آیا، وطن کا سپاہی

نہ رتبہ کی خواہش، نہ شہرت کا طالب　　نہ زر کی تمنا نہ دولت کا طالب
محبت کا بندہ، محبت کا طالب　　ز سرتا قدم مژدۂ خیر خواہی
وہ آیا، وہ آیا، وطن کا سپاہی

ہر اندیشہ رخصت، ہر اندیشہ باطل　　خوشا عزم راسخ، زہے شوقِ کامل
تصدق ہر اک گام ہمت پہ منزل　　سلامت یہ رہرو، مبارک یہ راہی
وہ آیا، وہ آیا، وطن کا سپاہی

شجاعت نے پایا حضورِ شجاعت　　شجاعت کو آیا سرورِ شجاعت
وہ چمکا فضاؤں میں نورِ شجاعت　　وہ چھٹنے لگی بزدلی کی سیاہی
وہ آیا، وہ آیا، وطن کا سپاہی

جفا کیا ہے روح جفا کانپتی ہے　　خوشا ابتدا انتہا کانپتی ہے
زمیں کانپتی ہے، فضا کانپتی ہے　　عدو کی صفوں میں مچی ہے تباہی
وہ آیا، وہ آیا، وطن کا سپاہی

عزائم کی تصویر، ہمت کا پیکر　　نظر جوہرِ تیغ کے آئینے پر
ہر اہلِ وطن کو مبارک ہو اختر　　وطن کی محبت کی "زندہ گواہی"
وہ آیا، وہ آیا، وطن کا سپاہی

شاعرہ کی دعاء

نشاطِ کیفِ غلامی سے بے نیاز کرے　　مرے وطن کو خدا حرّیت نواز کرے
حیاتِ قوم کے معنی ہیں ہستیٔ شاعر　　خدا کچھ اور میری عمر کو دراز کرے

سرورِ شوق سے میرے ہو چاک سینۂ گل — کلی بھی آنکھ کو گلشن میں نیم باز کرے
چمن تو کیا ہے زمانہ کی آنکھ کھل جائے — مری نوا کو کہاں تک اثر نواز کرے
ابھی نہیں ہے کوئی سوزِ نغمہ سے آگاہ — کچھ اور سینۂ ہندوستاں گداز کرے
شفا مآب ہوں بیمارِ بے حسی وجود — مرا سخن اثرِ کارِ چارہ ساز کرے
مری نوا ہی کے پردے میں مطرب کونین — وہ نغمہ چھیڑ مری شعر بین بھی ناز کرے
ہوں اہلِ شوق کو اس سے بصیرتیں حاصل — مری نگاہ جو کچھ انکشافِ راز کرے
ہر ایک دست طلب یوں بڑھے کہ اپنے لئے — درِ کمالِ سعادت کو پھر سے باز کرے
ہر ایک زبان پہ شورِ انا کے نغمے ہوں — جو دل ہو عظمتِ دار و رسن پہ ناز کرے
وہ مجھ کو بخش دے سوزِ دروں کہ جو اک دن — چراغِ خانۂ غربت کو شعلہ ساز کرے
جبینِ غزنوی جھک جائے میرے قدموں تک — جہاں میں بادشہی عظمتِ ایاز کرے
مری صدا میں ہو وہ مستیٔ اذانِ سحر — ہر ایک ذرے کو جو بیخودِ نماز کرے
نفس نفس کو مرے دے وہ جذبِ شوق کہ جو — نگاہِ قوم کا رخ جانبِ حجاز کرے

عجب نہیں کہ دعا سن لے میری اے اختر
درِ قبولِ خدا مجھ پہ آج باز کرے

غمِ دوست

اے غمِ دوست بتاؤں تیری قیمت کیا ہے — تو سلامت ہے تو پھر مجھکو ضرورت کیا ہے
عمر گذری اسی احساسِ محبت میں مگر — آج تک پھر بھی نہ سمجھے کہ محبت کیا ہے
سرِ مسجد و درِ میخانہ پہ ہو جا اختر — اور اربابِ محبت کی شریعت کیا ہے

مری ہے اور اختر آرزو کیا

کسی کھوئے ہوئے کی جستجو کیا
کسی بچھڑے ہوئے کی آرزو کیا

ترے رخسار رنگیں کے مقابل
گل و گلزار میں ہے رنگ و بو کیا

نمازِ عاشقاں ہیں اے عزیزو
تیمم کس کو کہتے ہیں، وضو کیا

نہ آئے آج تک تو روزِ محشر
وہ آئیں گے ہمارے روبرو کیا

پہنچ جاؤں شہ لولاک کے پاس
مری ہے اور اختر آرزو کیا

عالمِ رنگ و نغمہ میں کیف بہت سہی مگر
بیخودی سیر کائنات اپنی طرف بھی اک نظر

اُنکی بھی آنکھ ہوگئی جوشِ الم سے آج تر
میں نے اُٹھائی کیوں نگاہ عالم درد میں اُدھر

یوں نہ پہنچ سکیگا تو اُنکی حریم ناز میں
عشق کی تیغ تیز سے عقل سے پہلے جنگ کر

شکل حسیں دکھائے جا پردۂ درمیاں اُٹھا
شوق مرا ہے پارسا، عشق مرا ہے معتبر

میرے تمیز شوق کو ایک زمانہ چاہیئے
تیرا لہو ابھی ہے سرد میری نوا ہے گرم تر

آہ شراب شوق کا کیف بہت عجیب ہے
وہ ہیں کہ مجھسے بے نیاز اور میں اُنسے بیخبر

تیری فغاں نے کردیا سینۂ گل کو چاک چاک
اختر خوش نوا خموش، اختر خوش نوا ٹھہر

اختر۔ محترمہ م۔ ج بیگم

م۔ ج بیگم نام اور اختر تخلص ہے۔ آپ گورکھپور کی رہنے والی ہیں۔
کلام کا رنگ پختہ ہے۔ اشعار نہایت پُرکیف و پُراثر ہیں۔

بڑھائی کیوں رنگ و بو کی چادر فریب ہستی نے آدمی کو
جب اس کی محدود ہو چکی حد، تو خاک حاصل ہو زندگی کو

میں اپنے ذوقِ خدا پرستی کو ایسے مرکز پہ لا رہی ہوں
جہاں نہ دیر و حرم کے بندے ذلیل کرتے ہوں بندگی کو

قسم ہے ذوقِ عمل کی تجھکو، قدم بڑھا اضطرابِ ہستی
خلش طلب کی نہیں ہے جس میں وہ خاک پائیگا زندگی کو

چراغ ہستی جلا رہی ہوں، ہوا کی تیزی کا ڈر نہیں ہے
کہ میرا ذوقِ یقیں بجھانے نہ دیگا محفل کی روشنی کو

نظر میں کوئی سما رہا ہے، تمام ہستی پہ چھا رہا ہے
چھپے چھپے لٹ رہی ہوں اختر بچاؤں کیسے میں زندگی کو

ادا۔ محترمہ عزیز جہاں

اُردو کی اس ممتاز اور گرامی قدر شاعرہ نے بدایوں کی ادب پرور فضاؤں
میں آنکھ کھولی ہے آپ کے حالات جو آپ کی بڑی بہن مسز بی۔ حق نے
ارسال فرمائے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:۔

عزیز جہاں بیگم نام اور آدا تخلص ہے۔ قاضی بدر الحسن مرحوم (سپرنٹنڈنٹ محکمہ زراعت) بدایونی کی تیسری صاحبزادی ہیں۔ تاریخ پیدائش اگست ۱۹۲۴ء ہے۔ شاعرہ ابھی دنیا کی قید و بند سے آزاد ہے باپ کا سایہ سر پر نہیں۔ ماں کی قابل تربیت نے گھر پر تعلیم دلا کر ۱۹۴۰ء میں انٹرنس کا امتحان پاس کروایا۔ اُردو کے مضمون میں امتیاز خصوصی حاصل کیا۔ آجکل فارسی اور ہندی سے شوق ہے۔

شاعری کی عمر پانچ سال ہے ۱۹۳۸ء تک جناب اختر شیرانی سے استفادہ کیا۔ پھر حضرت جعفر علیخاں آثر لکھنوی سے اصلاح لی اور انکے کشمیر چلے جانے کے بعد بھی ان کا دامن نہ چھوڑا۔ بالآخر ۱۹۴۱ء میں اثر صاحب نے فرمایا "بیٹی اب تمھیں اصلاح کی ضرورت نہیں" (مسز بی۔ حق)

یہ نوخیز و نودمیدہ کلی آبروئے گلستاں ہے، اس نوعمر گرامی قدر شاعرہ کی ہستی پر اُردو شاعری بجا طور پر ناز کر سکتی ہے۔

محترمہ آدا کے یہاں روح شاعری صحیح معنوں میں جلوہ گر ہے، شاعری قافیہ پیمائی، اور انتخابِ الفاظ کا نام نہیں، شاعری نظم و غزل، قصیدہ و مثنوی کا نام نہیں۔ شاعری نام ہے ترجمانیٔ جذبات کا، اور محترمہ آدا کے یہاں ذاتی اور شخصی طور پر محسوس کئے ہوئے نہایت شدید جذبات کا ایک سمندر ہے جو موجیں مارتا نظر آتا ہے جس نے آپ کے کلام کو اس قدر پُرتاثیر، اس قدر دلدوز، اور اس قدر لطیف بنا دیا ہے کہ اُردو شاعری میں اس کی مثالیں ابھی شاذ ہیں! اور اس سلسلہ میں آپ نے اس قدر پختہ آرٹ کی

مثالیں پیش کی ہیں کہ آپ کو حیاتِ انسانی کے جذبۂ لطیف کی شاعرہ کہا جا سکتا ہے۔

محترمہ کو زبان پر بڑی قدرت حاصل ہے، جذبات کی صحیح ترجمانی کے لئے مناسب الفاظ کا انتخاب دنیائے ادب کا ایک نہایت مشکل مرحلہ ہے، اور محترمہ اس میں بطورِ احسن کامیاب ہیں، آپ کی زبان میں بڑی حلاوت اور شیرینی ہے، اس میں بڑی سلاست و شستگی، بڑی صفائی اور روانی موجود ہے، بعض بعض جگہ محترمہ اساتذۂ سلف کی طرح تکرارِ الفاظ سے بڑا کیف و لطف پیدا کر دیتی ہیں اور اس تکرار سے جذبات میں بڑی شدت اور تازگی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ تکرار وجدانی اعتبار سے شعر کو بہت بلند اور پُر اثر بنا دیتی ہے اس کی اکثر عمدہ مثالیں محترمہ کی نظم "خیر مقدم" میں موجود ہیں تشبیہات و استعارات پر محترمہ کو بڑی قدرت حاصل ہے آپ کی تشبیہات نادر، لطیف اور پُر کیف ہوتی ہیں ان میں بڑی تازگی اور شاعرانہ نازک خیالی موجود ہے، اس قسم کی کچھ اچھی مثالیں آپ کی نظمیں، کرمکِ شب تاب، جھیل، بہار کا پہلا پھول، وغیرہ ہیں۔

منظر نگاری میں انسانی جذبات کی کامیاب آمیزش محاکات کا ایک کارنامہ ہے۔ اور محترمہ کے یہاں اس قسم کی بھی اعلیٰ مثالیں موجود ہیں اس سلسلہ میں آپ کی نظم "جوہی کی کلیاں" پیش کی جا سکتی ہے۔

محترمہ کے کلام پر سب سے زیادہ اور سب سے گہرا اثر اختر شیرانی کا پایا جاتا ہے، آپ کے نغمے رومان پرور، اور رومان انگیز کیفیات سے معمول ہیں،

محترمہ نے اس رنگ کی اس قدر پختہ اور کامیاب مثالیں پیش کی ہیں کہ ان کا حریف تلاش کرنا مشکل ہے۔ اختر شیرانی کے علاوہ آپ آثر لکھنوی کے رنگ سے بھی متاثر ہوئی ہیں اور کلام میں اکثر آثر کی تاثیر اور سادگی کے نمونے موجود ہیں۔ کہیں کہیں علامہ اقبالؒ کے رنگ کی بھی جھلک آپ کے یہاں ملتی ہے۔ آپ شاعراتِ حاضرہ کی صفِ اوّل میں ایک نہایت ممتاز حیثیت رکھتی ہیں۔

سطورِ ذیل میں محترمہ کے کلام کا جو انتخاب ہے اس میں "خیر مقدم" "یادِ ماضی"۔ غزل: "جوش کہاں تڑپ کہاں لذّتِ جستجو کہاں"۔ "پروین کے نام" "احساسِ اوّلیں" "بہار کا پہلا پھول" "جھیل"۔ "تعبیر نو" "کرمکِ شب تاب" خود محترمہ آدا کا انتخاب ہے۔ جو انھوں نے اس کتاب کے لئے عنایت فرمایا ہے۔ بقیہ کلام راقم السطور کا انتخاب ہے۔

"خیر مقدم"!

ہر ایک حرفِ آرزو کو داستاں کئے ہوئے
زمانہ ہو گیا ہے ان کو میہماں کئے ہوئے [1]

سرودِ عیش، تلخیٔ حسرتاں نے بھلا دیا
دلِ حزیں ہے بیکسی کو حرزِ جاں کئے ہوئے

---

[1] غالب ؎
مدّت ہوئی ہے یار کو میہماں کئے ہوئے
جوش قدح سے بزم چراغاں کئے ہوئے

بہارِ حسن و دلبری کا خواب پھر سے دیکھ لوں
خیالِ حسن و دلبری کو جاوداں کئے ہوئے

کلی کلی کو گلستاں کئے ہوئے وہ آئیں گے
وہ آئیں گے کلی کلی کو گلستاں کئے ہوئے

سکونِ دل کی راحتوں کو آج اُن سے مانگ لوں
سکون دل کی راحتوں کو بیکراں کئے ہوئے

حدیث آہِ نیم شب سناؤنگی سناؤں گی
زبانِ شبنم و گہر کو ترجماں کئے ہوئے

وہ آرزوئے دل کی ہمتیں بڑھائیں شوق سے
غرورِ عشق بے نوا کو کامراں کئے ہوئے

وفورِ شوق و بے خودی، ٹھہر ٹھہر دلِ حزیں!
نگاہِ شوق و بے خودی کا امتحاں کئے ہوئے

تجلیاں لئے ہوئے وہ آرہے ہیں سوئے دل
نگاہ و دل کی وسعتوں کو لامکاں کئے ہوئے

وہ آئیں گے تو آئینگے جنونِ شوق ابھارنے
وہ جائیں گے تو جائینگے تباہیاں کئے ہوئے

متاع صبر و ہوش کو لٹاؤں ان کی راہ میں
وداعِ صبر و ہوش کو متاعِ جاں کئے ہوئے

میں ان کی بھی نگاہ سے چھپا کے انکو دیکھ لوں

کہ ان سے بھی ہے آج رشکِ بدگماں کیے ہوئے[1]

وقارِ عشق تو سہی کریں وہ اعترافِ غم
نظر کو دل کی دھڑکنوں کا رازداں کیے ہوئے

سرِ نیاز و پائے ناز ابتدا تھی عشق کی
اب انتہائے بیخودی ہے سرگراں کیے ہوئے

یہ کیفِ انتظار ہے کہ ساری عمر کاٹ دوں
نظر کو وقفِ انتظارِ دلستاں کیے ہوئے

یادِ ماضی

آغوشِ فلک میں ہیں جھلکتے ہوئے تارے
یا ساغرِ زر ساقیٔ مہوش نے سنوارے

کشتی ہے یہ پھولوں کی چمن میں کہ مہِ نو
بکھرے ہوئے غنچے ہیں کہ چھٹکے ہوئے تارے

تاروں بھرا آکاش ہے یا نیند کی دیوی
پیشانیٔ زرپاش پہ افشاں کو سنوارے

---

[1] غالب کا رشک کچھ اس سے بھی آگے بڑھ گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:-
دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے ؛ میں اسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے
جگر مرادآبادی نے محترمہ کے پہلے مصرعہ کے مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے:-
فطرتِ مجبور پر قابو ہی کچھ چلتا نہیں ورنہ ہم تو تجھ سے بھی تجھ کو چھپا کر دیکھتے

جھرمٹ میں ستاروں کے ہے مہتاب درخشاں
پہلو میں لئے ماضیٔ سوزاں کے شرارے

یا حلقۂ سیمینِ حسینانِ جہاں میں
ہے آئینۂ سیما کوئی چہرے کو نکھارے

ہاں ابرِ سیہ انجمِ رخشندہ پہ چھا جا
آنکھوں تلے پھرنے لگے ماضی کے نظارے

تاروں کی طرح میرے تصوّر میں ہیں روشن
وہ دن جو کبھی دوست کے پہلو میں گزارے

اظہارِ محبّت میں بھی اک طرزِ تغافل
پھر طرزِ تغافل میں توجّہ کے اشارے

آنکھوں سے اِدھر اشکِ گہرتاب کی بارش
گردوں پہ اُدھر سسکیاں بھرتے ہوئے تارے

کیا بھول گئے ہیں وہ محبّت کی کہانی
کیا یاد انھیں اب نہیں گنگا کے کنارے

بھولے سے نہ وہ جن کو کبھی یاد کریں گے
جیتا ہے کوئی اب انھیں یادوں کے سہارے

دیدار میسّر ہو جو نظروں کو دوبارہ
روشن کروں سینے میں تمنّا کے شرارے

میرے مہِ تاباں سے اَدا کون یہ پوچھے

تنہا کوئی کب تک شبِ مہتاب گزارے!!

غزل

جوش کہاں، تڑپ کہاں، لذتِ جستجو کہاں
ملنے کو وہ تو مل گئے ان کی اب آرزو کہاں؟

ہجر تھا سوزِ زندگی، نغمۂ سازِ زندگی
اب نہ رہے وہ ولولے، وصل میں آرزو کہاں!

پردے میں تھے تو رنگ نئے رازو نیاز رہتے تھے
اب ہیں نظر کے سامنے، عشرتِ گفتگو کہاں!

سامنے وہ نہ آئیں تو سامنا ان کا ہو سکے
تابِ نظارۂ عشق کو حسن کے روبرو کہاں!

شمع پہ مر مٹا پتنگ، مدعیٔ وفا نہ تھا
محفلِ جذب و سوز میں رخصتِ ہائے و ہو کہاں!

گوہرِ آبدار یہ نوکِ مژہ پہ خوب ہے
خاک میں مل گیا تو پھر اشک کی آبرو کہاں[1]!

میری ہی چشمِ شوق نے آئینہ ان کو دے دیا
رحم نگاہِ ناشکیب! ڈھونڈھئے کو بکو کہاں!

---

[1] مہر:۔ پاس ناموسِ عشق تھا ورنہ ۔ کتنے آنسو پلک تک آئے تھے

دل تھا تو لاکھ جلوے تھے دل جو نہیں تو کچھ نہیں
آئینے کو آئے گی بہار دعوت زنگ و بو کہاں!

دامنِ گل ہے عنبریں اس میں تو شک نہیں مگر
نکہتِ رائیگاں کہاں گیسوئے مشکبو کہاں

پروین کے نام

خدا کرے تجھے ہم تاب مہر و مہ پروین
مثالِ انجمِ رخشندہ سرفراز رہے

سبق لے گوہرِ تاباں سے تیری معصومی
جہانِ حرص و ہوا میں بھی پاکباز رہے[1]

یہ کائنات کہ مدفن ہے آرزوؤں کا
تو اس دیار میں مثلِ نوائے ساز رہے

خدا سے چشمِ حقیقت نگر ملے تجھ کو
کہ تو کبھی نہ اسیرِ حق و مجاز رہے

سرشکِ چشمِ مصیبت زدہ پہ کانپ اٹھے
کسی کے دل کو دکھانے سے احتراز رہے

ترے دماغ کو وہ عزم استوار ملے
کہ تیری راہ میں کوہِ گراں گداز رہے

دلِ ایاز کو بخشے مذاقِ آزادی
نیاز میں بھی اک اندازِ مشق ناز رہے

عطا ترے دلِ نازک کو ہو وہ سوزِ حیات
کہ تیرے دم سے تری قوم سرفراز رہے

مٹا دے ہند سے تفریقِ حاکم و محکوم
تو وہ کلی ہو گلستاں کو جس پہ ناز رہے!

---

[1] علامہ اقبالؒ ؎ حیا نہیں ہے زمانہ کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ

احساسِ اوّلیں

ایک موہوم اضطراب سا ہے
اک تلاطم سا، پیچ و تاب سا ہے

اُمڈے آتے ہیں خود بخود آنسو
دل پہ قابو نہ آنکھ پر قابو

دل میں اک دردِ میٹھا میٹھا سا
رنگ چہرے کا پھیکا پھیکا سا

زلف بکھری ہوئی پریشاں حال
دل ہے ناشاد اور جی ہے نڈھال

سینے میں اک چبھن سی ہوتی ہے
آنکھوں میں اک جلن سی ہوتی ہے

رنج سیرِ چمن سے ہوتا ہے
خفقاں انجمن سے ہوتا ہے

سر میں پنہاں تصوّرِ موہوم
دل میں اک آرزوئے نامعلوم

ایک نالہ سا ہے بغیر آواز
ایک ہلچل سی ہے نہ سوز نہ ساز

روح میں انتشار سا کیا ہے
دل کو یہ انتظار سا کیا ہے

کیوں یہ حالت ہے بیقراری کی
سانس لی یا کسی نے چٹکی لی

گھٹ کے رہتے ہیں صدمے سہتے ہیں
کیا محبت اسی کو کہتے ہیں؟[1]

---

[1] اسی جذبہ کو حضرت آرزو صدیقی نے بھی اپنی ایک نظم "محبت" میں ادا کیا ہے ملاحظہ ہو:-

محبت

(۱)

کبھی مدہوشیوں سے الفت ہے
کبھی خاموشیوں پہ حیرت ہے

کبھی ایک ایک شے کی حسرت ہے
کبھی ایک ایک شے سے نفرت ہے

اے خدا! کیا یہی محبت ہے؟

[بقیہ اگلے صفحہ پر]

بہار کا پہلا پھول

ہے زیبِ شاخِ حسنِ گلستاں کہیں جیسے
اک پھول جانِ کیفِ بہاراں کہیں جیسے

یا خامۂ مصوّرِ رنگیں نگار کا
وہ نقشِ اوّلیں کہ پریشاں کہیں جیسے

ابرِ کرم کا قطرۂ اوّل گہر بکف
افسانۂ بہار کا عنواں کہیں جیسے

طفلی کا ایک گام سوئے منزلِ شباب
سرنامۂ صحیفۂ ارماں کہیں جیسے

اک حرفِ آرزو جسے شوقِ گنہ کہیں
اک منفعل نگاہِ پشیماں کہیں جیسے

---

(۲)

اک خلش سی چھپی ہوئی دل میں
کوئی "لیلیٰ" حجابِ محمل میں

اک مسافر کنارِ منزل میں
یا کوئی شمع قلبِ محفل میں

اے خدا! کیا یہی محبّت ہے؟

(۳)

کبھی دیوانگی میں ہشیاری
کبھی وارفتگی میں خودداری

کبھی تخئیل کی سحرکاری
کبھی ہر شے سے عزمِ بیزاری

اے خدا! کیا یہی محبت ہے؟

(۴)

ایک شعلہ سا اور بھڑکتا ہے
ایک جلوہ سا اور لپکتا ہے

ایک نغمہ سا اور کھٹکتا ہے
ایک نشّہ سا اور بہکتا ہے

اے خدا! کیا یہی محبّت ہے؟

(۵)

کبھی محوِ نگارہ ہوجانا!
کبھی بے اختیار ہوجانا

آپ ہی بے قرار ہوجانا
خود بخود اشکبار ہوجانا

اے خدا! کیا یہی محبت ہے؟

عصیاں کی بزمِ تیرہ میں اک نور کی کرن
اہلِ نظر بھی حاصلِ ایماں کہیں جسے
یا آرزوئے عشقِ نہفتہ کی قلب میں
پہلی تڑپ، جراحتِ مژگاں کہیں جسے
کھویا ہوا سا خواب جوانی بہار کا
تجدیدِ اضطراب کا ساماں کہیں جسے
یا جستجوئے جلوۂ رنگینِ دوست میں
وہ چشمِ انتظار کہ حیراں کہیں جسے
یا اولیں سرشکِ محبت سرِ مژہ
محرومیٔ نشاط کا عنواں کہیں جسے

کرمکِ شب تاب

(قطعہ)

شبِ سیاہ میں روشن ہے شمع جگنو کی
دیا غریب کا جس طرح ٹمٹماتا ہوا
ہوا کے دوش پہ رقصاں ہے پنکھڑی گل کی
رکا ہوا سرِ مژگاں ہے قطرہ آنسو کا
فضائے ساکن و تیرہ میں جس طرح کوئی
لرز رہا ہو فلک سے گرا ہوا تارا
سزا کے خوف سے یا ایک لمحہ کو جیسے
گناہ گار کے دل میں خیال رحمت کا

جھیل

آغوش میں زمیں کے یہ جھیل سو رہی ہے

یا چاندنی سمٹ کر آغوش ہو گئی ہے

صحرا کی نازنیں کا یا یہ دلِ حسیں ہے
دنیا کے جھنجھٹوں سے جو آشنا نہیں ہے

دیدار کو تھی مضطر ماہِ فلک نشیں کے
آنسو ٹھہر گیا ہے رخسار پر زمیں کے

مسحور ہیں فضائیں کتنی خموش ہے یہ
جنّت کی حور کوئی مینا بدوش ہے یہ

کیفِ شراب میں ہے ڈوبا ہوا نظارا
سویا ہوا نظارا، کھویا ہوا نظارا

پتّوں کی آڑ لے کر مہتاب جھانکتا ہے
یا نو عروسِ شب نے گھونگھٹ الٹ دیا ہے

محوِ خرام دلکش دوشیزۂ صبا ہے
سبزے کی جنبشوں میں اک دل دھڑک رہا ہے

ہاہو کے مست و بیخود نذریں چڑھا رہی ہے
شبنم کی شاہزادی موتی لٹا رہی ہے

برنائیاں نچھاور رنگینِ مہ جواں پر
اک چاند ہے زمیں پر اک چاند آسماں پر

لہروں کی سلوٹوں میں کچھ پھول کانپتے ہیں
بستر جو پُر شکن ہے پہلو بدل رہے ہیں

تاروں کا عکس دلکش ہے سطحِ مرمریں پر
افشاں چُنی ہوئی ہے پیشانیٔ حسیں پر
لرزاں ہے کس لئے یوں ہاں کیوں شکن جبیں پر
کیا یاد آ رہا ہے؟ کیوں ہو رہی ہے مضطر؟
کیوں دل دھڑک رہا ہے، یوں بیقرار کیوں ہے؟
سوئے فلک نگاہِ حسرت شعار کیوں ہے؟
"مضطر ہوں اس لئے میں ناساز ہے سکوں اب
تقدیر کا ہے منشا بےچین ہی رہوں اب
تارہ سمجھ کے ایک اک ذرّے کو چومتی ہوں
کچھ پا کے کھو دیا ہے اب اسکو ڈھونڈتی ہوں
تکتی ہوں میں فلک کو حیران ہو رہی ہوں
ارمان و آرزو کی لاشوں پہ رو رہی ہوں
عہدِ نشاط گزرا وہ دل نہ سرخوشی ہے
پھر لوٹ آئے شاید بس آس یہ لگی ہے
لیکن تو اے حسینہ! یوں غم نواز کیوں ہے
پُرنم سرشکِ خوں سے یہ چشمِ ناز کیوں ہے
اُمید کے محل کو پل میں گرا دیا ہے
تجھکو بھی کیا کسی نے دل سے بھلا دیا ہے،

تعمیرِ نو!

محرومیِ تقدیر کا الزام کہاں تک
شرمندگیِ کوششِ ناکام کہاں تک

دنیا کو ضرورت ہے ترے عزمِ جواں کی
سرگشتہ رہیگا صفتِ جام کہاں تک

کبتک ترے ہونٹوں پہ حدیثِ رخِ تاباں
سر میں ترے سودائے لبِ بام کہاں تک

گیسوئے سیہ تاب و رخِ صاعقہ پرور
یہ مرگ و حیاتِ سحر و شام کہاں تک

لیلائے حقیقت سے بھی ہو جا کہیں دوچار
خوابوں کی حسیں چھاؤں میں آرام کہاں تک

رخِ گردشِ دوراں کا پلٹ سکتا ہے تو خود
ناداں! گلۂ گردشِ ایام کہاں تک

کبتک ترے سینہ میں خلش تیرِ مژہ کی
یادِ لبِ میگوں سحر و شام کہاں تک

اے ذرۂ ناچیز! اخجل مہر کو کر دے
افتادہ و تفتیدہ و گمنام کہاں تک

جز وہم نہیں قیدِ رہ و رسمِ زمانہ
اے طائرِ آزاد! تہِ دام کہاں تک

تنہا مجھے رہنے دے!

دل میں غمِ الفت کو مستور ہی رہنے دے
مجبورِ محبت کو مجبور ہی رہنے دے

اُمید کی دنیا کو بے نور ہی رہنے دے
معصومِ محبت کو مسحور ہی رہنے دے

جس حال میں بھی میں ہوں تنہا مجھے رہنے دے

دل پھول کی صورت ہی مرجھا کے نہ رہ جائے
آغوشِ تمنا میں لہرا کے نہ رہ جائے

ڈرہے نگہ حیراں شرما کے نہ رہ جائے
ترسا کے نہ رہ جائے تڑپا کے نہ رہ جائے

جس حال میں بھی میں ہوں تنہا مجھے رہنے دے

محدود ہی رہنے دے معصوم کی دنیا کو
ناشاد ہی رہنے دے مغموم کی دنیا کو
برباد ہی رہنے دے مظلوم کی دنیا کو
پامال ہی رہنے دے محروم کی دنیا کو
جس حال میں بھی میں ہوں تنہا مجھے رہنے دے

اک پریم پجارن کو سنسار سے کیا مطلب
مدہوشِ محبّت کو ہشیار سے کیا مطلب
بیگانۂ دنیا کو آزار سے کیا مطلب
دیوانۂ فطرت کو افکار سے کیا مطلب
جس حال میں بھی میں ہوں تنہا مجھے رہنے دے

ایوانِ محبّت میں رہزن کا گزر کیوں ہو؟
تقدیس کی جنّت پر ظلمت کا اثر کیوں ہو؟
اک طائرِ بیکس کو صیّاد کا ڈر کیوں ہو؟
نادانِ گلِ صحرا پہ گلچیں کی نظر کیوں ہو؟
جس حال میں بھی میں ہوں، تنہا مجھے رہنے دے

اُمید کے خرمن کو آہوں سے جلانا کیا
شمعِ رہِ منزل کو شکوں سے بجھانا کیا
خوابیدہ تمنّا کو نالوں سے جگانا کیا
معیارِ محبّت کو نظروں سے گرانا کیا
جس حال میں بھی میں ہوں، تنہا مجھے رہنے دے

عیدِ نظارہ

مژدہ نگاہِ شوق کہ عیدِ نظارہ ہے
پلکیں کسی کی رہگذر میں بچھاؤں میں
آمد ہے آج ایک سراپا بہار کی
سو طرح نمکدے کو بھی اپنے سجاؤں میں
خورشید کی جبیں سے کرن مستعار لوں
مہتاب سے ضیائے جواں مانگ لاؤں میں
دامانِ ابرِ تیرہ سے گوہر سمیٹ لوں
قوسِ قزح کے رنگ سے محفل رچاؤں میں
باغِ ارم سے آرزوئے رنگ و بو کروں
روئے شفق سے غازۂ احمر چھڑاؤں میں

شبنم سے اشکہائے گہر تاب چھین لوں — غنچے کے لعل لب سے تبسم چراؤں میں

بلبل سے پاکبازیٔ الفت طلب کروں — معصومیٔ شباب کو پھولوں سے چھاؤں میں

جذب وفا و ہمت پروانہ چاہیے — پھر گداز و سوز سوئے شمع جاؤں میں

ظلمت میں ہو نہ نور فشاں ماہِ نیم ماہ — پھر نثار ساغر انجم منگاؤں میں

وہ اور میرے گھر میں ہوں مہمان خوشا نصیب — گلہائے اشک سرخ سے دیپک جلاؤں میں

آنکھوں کو میری دولتِ دیدار ہی نصیب — خود کو نہ انکے شوق میں کیوں بھول جاؤں میں

وہ ابتدا سے آج سنیں گے حدیثِ غم — بلبل کی طرز نغمۂ رنگیں اڑاؤں میں

جب حسن ہی نیاز پہ مائل ہوا ہے ندیم — پھر کیا صلاح آج نہ کیوں روٹھ جاؤں میں

اے اضطرابِ شوق سنبھلنے دے اسقدر — ہاتھوں پہ رکھ کے دل کو پئے نذر لاؤں میں

اور اسکے بعد عرض کروں حکم ہو اگر — رنگین ایک مطلع آدا کا سناؤں میں

اے چشم مست تیرا اشارہ جو پاؤں میں — جو نغمے سو رہے ہیں انہیں بھی جگاؤں میں

فیض احمد فیض

مرگ سوز محبت

آؤ کہ مرگِ سوزِ محبت منائیں ہم — آؤ کہ حسنِ ماہ سے دل کو جلائیں ہم

خوش ہوں فراق قامت و رخسار یار سے — سرو و گل و سمن سے نظر کو ستائیں ہم

ویرانیٔ حیات کو ویران تر کریں — لے ناصح آج تیرا کہا مان جائیں ہم

پھر اوٹ لے کے دامنِ ابرِ بہار کی — دل کو منائیں ہم کبھی آنسو بہائیں ہم

سلجھائیں بے دلی سے یہ الجھے ہوئے سوال — واں جائیں یا نہ جائیں نہ جائیں کہ جائیں ہم

[بقیہ اگلے صفحہ پر]

جوہی کی کلیاں

بہا ہے خلد منظر جلوہ گر ہے
ہجوم سبزہ تا حدِّ نظر ہے

ہوائے مست ہے بہکی ہوئی سی
فضائے عنبریں مہکی ہوئی سی

سکوتِ شب تحیر آزما ہے
جمالِ ماہ کیفیت فزا ہے

ہوائے نرم و نازک جیسے آہیں
کہ خوابِ نازکی بے ربط سانسیں

سپہرِ نیلگوں اور نورِ اختر
کہ اوڑھی ہے حسیں فطرت نے چادر

فلک سے مہ کی بے تابانہ کرنیں
وفورِ شوق سے مستانہ کرنیں

برائے سیرِ گل آئی ہوئی ہیں!
زمیں تا آسماں چھائی ہوئی ہیں

ستارے آسماں سے گر پڑے ہیں
کہ جوہی کے شگوفے کھل رہے ہیں

نزاکت آفریں رعنا سمن بر
تخیل کے نشاط انگیز پیکر

کتابِ حسن کا عنوان رنگیں
جوانِ فطرت کا ارمانِ بہاریں

جبینِ غنچہ پر شبنم نہیں ہے
عرق آلود روئے نازنیں ہے

یہ کلیاں ہیں کہ ماضی کی وہ یادیں
جنھیں ہنگامہ ہائے غم کھلا دیں

بڑے نازوں کی یہ پالی ہوئی ہیں
مئے عشرت کی متوالی ہوئی ہیں

برائے نذرِ شاعر خونِ دل سے
یہ گلدستہ بنایا ہے زہیں نے!

پھر دل کو پاسِ ضبط کی تلقین کر چکیں
اور امتحانِ ضبط سے پھر جی چرائیں ہم

آؤ کہ آج ختم ہوئی داستانِ عشق
اب ختمِ عاشقی کے فسانے سنائیں ہم ("نقش فریادی" ص۱۰۷-۱۰۸)

محترمہ نے آزاد نظمیں بھی لکھی ہیں، لیکن مقامِ شکر ہے کہ انھوں نے "آزاد نظم" کی صحیح اسپرٹ کو سمجھنے کی کوشش کی ہے اور اس عریانی اور فحاشی سے احتراز کیا ہے جو "ترقی پسند" ادیبوں کے ہاتھ میں آکر "آزاد نظم"[1] کا ایک جزو بن گئی ہے۔ ذیل میں محترمہ کی اس قسم کی ایک نظم پیش کی جاتی ہے۔

بیزاری

زیست ایک خواب طربناک و فسوں ساز سہی
رس بھرے نغموں کی ایک دلنشیں آواز سہی
فرشِ مخمل بھی ہے، زر و سیم کی جھنکار بھی ہے
جنّتِ دید بھی ہے، عشرتِ گفتار بھی ہے
چشمِ سرشار کا اعجاز سہی
زیست اک خواب طربناک و فسوں ساز سہی

---

[1] اردو میں "بلینک ورس" (Blank Verse) یا "آزاد نظم" دراصل انگریزی ادب کی منّت کش ہے اور ردیف و قافیہ کی قیود سے بغاوت کا نتیجہ ہے "آزاد نظم" اگر صرف ردیف و قافیہ ہی سے آزاد رہتی تو غالباً شعراء کی یہ کوشش مستحسن ہوتی لیکن اکثر "ترقی پسند" شعراء و ادباء کے ہاتھوں میں آکر یہ چیز صرف صوری حیثیت سے ردیف و قافیہ ہی سے نہیں بلکہ معنوی حیثیت سے مشرقی تہذیب و معاشرت، اخلاق و مذہب کی قیود سے بھی آزاد ہوگئی ہے اس

قہر ہے اُف یہ تسلسل، یہ تواتر، یہ جمود
یہ خموشی، یہ تسلّی، یہ گرانبارہ سکوت
شوق کو رخصتِ پرواز نہیں
رفعتِ روح کا در باز نہیں

[پچھلے صفحہ سے] وقت "آزاد نظم" کے سب سے بڑے علمبردار ن۔م۔ راشد مصنف "ماورا" ہیں "آزاد نظم" کے علمبرداروں میں ن۔م۔ راشد کے ساتھ عموماً فیض احمد فیض مصنّف "نقش فریادی" کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ فیض نے آزاد نظمیں لکھی ہیں۔ لیکن نسبتہً کم لکھی ہیں "نقش فریادی" میں صرف چند آزاد نظمیں ہیں لیکن وہ بھی صوری و معنوی "آزادی" کی اس شدّت سے عاری ہیں جو راشد کی نظموں کی نمایاں خصوصیت ہے۔ جیسا کہ "نقش فریادی" کے دیباچہ" میں خود فیض نے لکھا ہے" ان نظموں میں میں نے روایتی اسالیب سے غیر ضروری انحراف مناسب نہیں سمجھا۔ بحور میں کہیں کہیں ہلکا سا تصرّف ہے اور قوافی میں دو ایک جگہ صوتی مناسبت کو لفظی صحت پر ترجیح دی گئی ہے اور بس"۔ اس لئے "نقش فریادی" کے فیض کو اس معنی میں "آزاد نظم" کا علمبردار کہنا جس میں "ماورا" کے راشد کو کہا جاتا ہے، نہ صرف غلط بلکہ فیض پر ایک بیجا اتہام ہے۔ فیض کا "نقش فریادی" جذباتی شاعری کا ایک بلند پایہ زبردست اور شاندار نمونہ ہے۔ یہاں آزاد نظم" سے میری مراد وہ "آزاد نظم" ہے جس کی مثالیں راشد اور متّبعینِ راشد [باقی اگلے صفحہ پر]

جسم آسودہ سہی، روح مگر ہے بیتاب
اک بے نام تغیّر کے لئے
درد کی ٹیس سہی، لذّتِ جاوید نہیں

[پچھلے صفحہ سے] پیش کر رہے ہیں۔ مجھے اس میں کلام نہیں کہ انکے یہاں خیالات کی گہرائی و سنجیدگی موجود ہے مگر اس کے باوجود یہ امر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ خدا و مذہب سے بغاوت، اخلاق کے قدیم معیاروں سے تصادم، تو احشات کی ترغیب و ہوس پرستی کی خواہش، اور مغربیت کی غلامانہ تقلید انکی شاعری کی ممتاز اور نمایاں خصوصیات ہیں۔ چند مختصر مثالیں ملاحظہ ہوں:-

خدا و مذہب سے بغاوت

"دریچے کے قریب" جو راشد کے مبصّر اور مقدمہ نگار کرشن چندر کے خیال میں "فکری اور فنّی اعتبار سے راشد کی بہترین نظم ہے" وہ ایک پرانی مسجد کے بلند مینار کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے:-

اس مینار کو دیکھ
صبح کے نور سے شاداب سہی،
اسی مینار کے سائے تلے کچھ یاد بھی ہے،
اپنے بیکار خدا کے مانند
اونگھتا ہے کسی تاریک نہاں خانے میں
ایک افلاس کا مارا ہوا ملّائے حزیں

[بقیہ اگلے صفحہ پر]

نغمۂ اُمید نہیں
قہر ہے اُف یہ تسلسل، یہ تواتر، یہ جمود

[پچھلے صفحہ سے] ایک عفریت — اداس
تین سو سال کی ذلّت کا نشاں
ایسی ذلّت کہ نہیں جس کا مداوا کوئی"

["ماورا" ص۱۰۶]

یا مثلاً نظم "فطرت اور عہدِ نو کا انسان" میں انسان فطرت سے کہتا ہے :-
"شکر ہے زندانیٔ اہرمن و یزداں نہیں
ان سے بڑھکر کچھ بھی وجہِ کاہشِ انساں نہیں" ["ماورا" ص۵۴]

اسکے مقابلہ میں فیض اپنے تمام "نقشِ فریادی" میں اس سے آگے نہیں بڑھ سکا۔

سیکھی ہیں میرے دلِ کافر نے بندگی ۔۔۔ ربِّ کریم ہے تو تری رہگزر میں ہے

["نقشِ فریادی" ص۱۰۰]

اُسکی جراُت معصیت کی حد یہ ہے کہ

اک فرصتِ گناہ ملی وہ بھی چار دن ۔۔۔ دیکھے ہیں ہمنے حوصلے پروردگار کے

[نقشِ فریادی ص۸۶]

اخلاق کے قدیم معیاروں سے تصادم

"آہ انساں کہ ہے وہموں کا پرستار ابھی
حسن بیچارے کو دھوکا سا دئے جاتا ہے

[بقیہ اگلے صفحہ پر]

سوچتی ہوں کہ کوئی حجلۂ تاریک ہے کیا
یہ گرانبارِ تسلسل
یہ حیاتِ جامد

[پچھلے صفحہ سے]
ذوقِ تقدیس پہ مجبور کئے جاتا ہے!
ٹوٹ جائیں گے کسی روز مزامیر کے تار
مسکرا دے کہ ہے تابندہ ابھی تیرا شباب
ہے یہی حضرتِ یزداں کے تمسخر کا جواب"

["ماورا" نظم حزنِ انساں" ص۸۵]

"رہی ہے حضرتِ یزداں سے دوستی میری
رہا ہے زہد سے یارانہ استوار مرا
خیال ہی میں کیا پرورش گناہوں کو
کبھی کیا نہ جوانی سے بہرہ یاب انھیں
یہ مل رہی ہے مرے ضبط کی سزا مجھ کو
کہ ایک زہر سے لبریز ہے شباب مرا
لو آگئی ہیں وہ بن کر مہیب تصویریں
وہ آرزوئیں کہ جنکا کیا تھا خون میں نے
مگر یہ جتنی اذیت بھی دیں مجھے کم ہے
کیا ہے روح کو اپنی بہت زبوں میں نے

[بقیہ اگلے صفحہ پر]

جس کی دیواروں کی سنگینی سے لرزاں ہے خیال،
کوئی روزن بھی نہیں، کوئی دریچہ بھی نہیں
اک دنیا ہے کہ ہے تیرہ و محدود و اداس

[پچھلے صفحہ سے] اسے نہ ہونے دیا میں نے ہمنوائے شباب
نہ اس پہ چلنے دیا شوق کا فسوں میں نے
اسے کاش چھپ کے کہیں اک گناہ کر لیتا
حلاوتوں سے جوانی کو اپنی بھر لیتا،
"گناہ ایک بھی اب تک کیا نہ کیوں میں نے"

["ماورا" نظم "مکافات" ص۵۶ تا ۵۸]

فیض نے اس سلسلہ میں صرف اتنا کہا ہے — اور بجا طور پر کہا ہے :-

عرصۂ دہر کی جھلسی ہوئی ویرانی میں — ہم کو رہنا ہے، پہ یونہی تو نہیں رہنا ہے
اجنبی ہاتھوں کا بے نام گرانبار ستم — آج سہنا ہے، ہمیشہ تو نہیں سہنا ہے
یہ ترے حسن سے لپٹی ہوئی آلام کی گرد — اپنی دو روزہ جوانی کی شکستوں کا شمار
چاندنی راتوں کا بیکار دھکتا ہوا درد — دل کی بے سود تڑپ، جسم کی مایوس پکار

چند روز اور مری جان! فقط چند ہی روز

["نقشِ فریادی" نظم "چند روز" اور "مری جان!" ص۱۰۵-۱۰۶]

فواحشات کی ترغیب و ہوس پرستی کی خواہش

"اس کا چہرہ اس کے خد و خال یاد آتے نہیں

[بقیہ اگلے صفحہ پر]

نور و نکہت سے گریزاں، مہ و انجم سے نفور

جس کی دیواروں کی سنگینی سے لرزاں ہی خیال

[پچھلے صفحہ سے] اک برہنہ جسم اب تک یاد ہے

اجنبی عورت کا جسم

میرے ہونٹوں نے لیا تھا رات بھر

جس سے اربابِ وطن کی بے بسی کا انتقام

وہ برہنہ جسم اب تک یاد ہے

["ماورا" نظم "انتقام" ص۱۱۶]

"روحیں مل سکتی نہیں ہیں تو یہ لب ہی مل جائیں،

آ، اسی لذّتِ جاوید کا آغاز کریں،

صبح جب باغ میں رس پینے کو زنبور آئے

اس کے بوسوں سے ہوں مدہوش سمن اور گلاب

شبنمی گھاس پہ دو پیکرِ یخ بستہ ملیں،

اور خدا ہے تو پشیماں ہو جائے!"

["ماورا" نظم "اتفاقات" ص۸۳]

"دیکھ اس جذبات کے نشے کو دیکھ،

تیرے سینے میں بھی اک لرزش سی پیدا ہو گئی!

زندگی کی لذّتوں سے سینہ بھر لینے بھی دے [بقیہ اگلے صفحہ پر]

کاش پڑ جائے کہیں ایک خراش — ایک شگاف
غم کے ہاتھوں ہی سہی

[پچھلے صفحہ سے] مجھ کو اپنی روح کی تکمیل کر لینے بھی دے!"
—— [ماورا" نظم "طلسم جاوداں" ص۷۷]

"تیرے بستر پہ مری جان کبھی
بیکراں رات کے سناٹے میں
جذبۂ شوق سے ہوجاتے ہیں اعضا مدہوش
اور لذت کی گرانباری سے
ذہن بن جاتا ہے دلدل کسی ویرانے کی
[ماورا" نظم "بیکراں رات کے سناٹے میں" ص۱۱۱]

لیکن یہاں بھی فیض نے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہا :-
لیکن اس شوخ کے آہستہ سے کھلتے ہوئے ہونٹ
ہائے اس جسم کے کمبخت دلآویز خطوط
آپ ہی کہئے کہیں ایسے بھی افسوں ہونگے"
یا —— [نقش فریادی" نظم "موضوع سخن" ص۱۲۱]

آج کی رات سازِ درد نہ چھیڑ
دکھ سے بھرپور دن تمام ہوئے — اور کل کی خبر کسے معلوم؟
دوشِ فردا کی مٹ چکی ہیں حدود — ہو نہ ہو اب سحر کسے معلوم؟

[بقیہ اگلے صفحہ پر

اور بھولے سے کبھی
کوئی آوارہ سی، چنچل سی کرن آ نکلے

[پچھلے صفحہ سے] زندگی ہیچ! لیکن آج کی رات
ایزدیت ہے ممکن آج کی رات
آج کی رات سازِ دردِ نہ چھیڑ"
[نقش فریادی"۔ نظم "آج کی رات"۔ ص ۶۸]

مغرب پرستی

قہوہ خانہ کے شبستانوں کی خلوت گاہ میں،
آج کی شب تیرا اُذزدانہ ورود!
عشق کا ہیجان، آدھی رات اور تیرا شباب
تیری آنکھ اور میرا دل
عنکبوت اور اسکا بیچارہ شکار!"
["ماورا" نظم "آنکھوں کے جال" ص ۹۵-۹۶]

"آج پھر جی بھر کے پی آیا ہوں میں
دیکھتے ہی تیری آنکھیں شعلہ ساماں ہو گئیں
شکر کر اے جاں کہ میں،
ہوں درِ افرنگ کا ادنیٰ غلام
["ماورا"۔ نظم "شرابی"۔ ص ۱۱۳]

ایک لمحہ کے لئے
میرے تاریک گھروندے میں اُجالا ہو جائے

اداؔ محترمہ ف۔ بیگم :-

آپ اپنا پورا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتیں۔ ف۔ بیگم نام اور اداؔ تخلص ہے آپ کی جائے ولادت لکھنؤ ہے، مگر تعلیم و تربیت حیدر آباد میں ہوئی آپ حضرت جلیل کے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ اُردو، فارسی، عربی کی تعلیم خانگی طور پر پائی اور اچھی قابلیت حاصل کر لی۔ شاعری کا ذوق اور ادبی رجحان اور دلچسپی اوائلِ عمر ہی سے ہے۔ نظم و نثر دونوں میں اچھی مہارت ہے :-

---

[پچھلے صفحہ سے] یہاں زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں، ورنہ "آزاد نظم" کی تائید و مخالفت میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے، لیکن ان بحثوں سے قطع نظر، ایک اور بات بھی قابلِ لحاظ ہے، اہل زبان اور صاحب نظر اصحاب اچھی طرح جانتے ہیں کہ قوم کی طرح زبان کی بھی ایک زندگی اور ایک انفرادیت ہوتی ہے جو اس قوم کی تہذیب و تمدن، اس کے اخلاق و معاشرت" اس کے رسم و رواج اور اسکے افکار و خیالات سے تشکیل پاتی ہے۔ یہ ایک واقعہ ہے کہ کسی ایک زبان کے نازک اور لطیف خیالات کی کماحقہ، کوئی دوسری زبان متحمل نہیں ہو سکتی اور یہ کوشش اس سے کم مضحک نہیں ہوتی جتنی مشرقی فضاؤں کی پروردہ خاتون کو مغربی سایہ پہنا کر اس کو خالص مغربی عورت سمجھ بیٹھنے کی ہوتی ہے۔ "ج"

جب فضا میں سکوت ہوتا ہے
ذرّہ ذرّہ جہاں کا سوتا ہے

جب فلک پر گھٹائیں چھاتی ہیں
بجلیاں کوند کر ڈراتی ہیں

اور جب کوئی خوف کھاتا ہے
رخِ رنگیں کو ڈھانپ لیتا ہے

مجھے معلوم ہوتا ہے ایسا
کہ تمھاری جبیں کی ہے یہ ضیا

محو پہروں اسی میں رہتی ہوں
دل کو تسکین یوں ہی دیتی ہوں

مگر افسوس تم نہیں آتے

ادیب محترمہ شبیر خالدہ

آپ موجودہ دور کی ایک خوشگو شاعرہ ہیں۔ کلام اکثر زنانے رسائل خصوصاً عصمت اور خاتونِ مشرق میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ آپ کے کلام سے آپ کے اعلیٰ ذوق اور خوشگوئی کا اندازہ ہوتا ہے، کلام میں بڑا کیف و سرور، اور جذبات کی فراوانی ہے۔

اے نسیمِ صبحدم، اے باعثِ آرامِ جاں
تیری نکہت آفریں رفتار سے ہوں شادماں

تیرے جھونکوں کے دماغ و دل ہیں محوِ انبساط
دردِ دل ہجراں کشیدہ جو تھا محرومِ نشاط

حسرتِ دیدار ہر دم خوں رلاتی ہے مجھے
تیرے آنے سے کسی کی یاد آتی ہے مجھے

صبح کا دلچسپ منظر تازگی بخشِ نظر
ہے تو اس نظارۂ سیمیں میں ڈوبی کس قدر

پُر فضا اونچے پہاڑوں سے طلوعِ آفتاب
ہے نمایاں تیرے ہر انداز سے کیفِ شراب

وہ تمنائے بہار آلودہ میرے دل میں ہے
کچھ اثرِ واماندگی کا پہلے ہی منظر میں ہے

حسرتوں کی جو بنا ہے دل پہ کچھ پژمردگی
بن گئی ہوں میں سراپا مرکزِ افسردگی

دل شکستہ ہوگیا اتنی بڑھیں ناکامیاں
پھر بھی ہی بیتابیوں کا رنگ چہرے سے عیاں

دیدیا ہمت نے میری مجھکو افسردہ جواب
اور اندازِ سکوں میں بھی ہے نشانِ اضطراب

ہوئے ہیں خوب ہی جھونکے ترے عرق شمیم
ہو اگر تیرا گزر کوچہ میں اسکے اے نسیم

اپنے دامن میں لٹی پھرتی ہی خوشبودار پھول
نذر کر دینا مری جانب سے بھی دو چار پھول

لیکن ایسے پھول جو افسانۂ جذبات ہوں
الفتِ صادق ہیں جو دیوانۂ جذبات ہوں

جن کی ہر اک پنکھڑی پر ہو کھنچی تصویرِ دل
ہر رگ و ریشہ پہ ہو جنکے لکھی تحریرِ دل

اسیر

رحمت بیگم المتخلص بہ اسیر ڈاکٹر عبدالوہاب صاحب حیدرآبادی کی دختر اور رحمت اللہ شریف صاحب حیدرآبادی اول تعلقدار کی شریکِ حیات ہیں۔ تعلیم خانگی طور سے ہوئی۔ شعر گوئی کا اچھا ذوق ہے گو کسی سے تلمذ حاصل نہیں۔ رسالہ شہاب میں آپ کا کلام اکثر شائع ہوتا ہے، پاکیزہ و سنجیدہ ہوتا ہے خیالات میں بلندی اور جدت پائی جاتی ہے، اسی طرح آپ کے مضامین پُر از معلومات اور مفید ہوتے ہیں، زبان صاف اور اسلوب بیان دلچسپ ہوتا ہے، کلام کا نمونہ یہ ہے:۔

فکرِ فردا ہے نہ اب ہم کو خیالِ دوش ہے
ایک ہم ہی کیا ہیں ساری بزم ہی مدہوش ہے

بڑھ گئی ہیں بحرِ آزادی کی طوفاں خیزیاں

اک سفینہ وہ بھی اب طوفاں سے ہم آغوش ہے
دعوتِ دیوانگی دیتی ہے یہ وارفتگی
موجِ صہبائے تفکر بھی جنوں بردوش ہے
مائلِ تقلید کیوں ہے آجکل ذوقِ سلیم
چشمِ بینا بند ہے اور عقل بھی روپوش ہے
کس قدر پابندیٔ آئینِ فطرت ہے اسیر
روحِ آزادی کا یہ جذبہ جراحت کوش ہے

وہ ماہ انور کی ضیا — وہ نور کی سیمیں ردا — اوڑھے ہوئے ساری فضا
ایک ایک ذرہ ارض کا
ہے دشت میں تیری ضیا — صحرا میں تابانی تری — صحنِ چمن میں بھی وہی
ہے نور افشانی تری

اظہری محترمہ اظہر سلطانہ معظم

اظہر سلطانہ نام اور اظہری تخلص ہے بھوپال کی رہنے والی اور دورِ جدید کی ایک خوش گو شاعرہ ہیں کلام کا نمونہ یہ ہے :-

سنہری کرن نیلگوں آسماں پر — ہویدا ہوا نور سارے جہاں پر
ہوا فرش گسترہ اب سیم و زر کا — کرشمہ یہ ہوتا ہے دھوکا گہر کا
وہ کوئل درختوں پہ کرتی ہے کو کو — ہے قمری بھی گلشن میں کہتی تو ہی تو

اذانِ ازل کا ہے شور اب مسجدوں میں — اٹھا شورِ ناقوس بھی مندروں میں

وہ دیکھو چلے مسجدوں کو نمازی — جگاتا ہے دیوی کو ان کا پجاری

سہانا سماں صبح کا تو نے کھویا — بہاریں مناظر کا بھی لطف کھویا

کہاں تک سجھے اطہری کہہ سنائے

ارے سونے والے تو جاگے سو پائے

اعجاز

[illegible]

درد دینے لگا مزا دل کو [illegible]

[illegible]

سارا عالم ہے بستۂ اخلاق — کوئی سلطان یا فقیر نہیں

آفتاب

آفتاب جہاں [illegible]



سیدہ سردار 'اختر'

اذانوں کا ہے شور اب مسجدوں میں
اُٹھا شورِ ناقوس بھی مندروں میں

وہ دیکھو چلے مسجدوں کو نمازی
جگاتا ہے دیوی کو ان کا پجاری

سہانا سماں صبح کا تونے کھویا
بہاریں مناظر کا بھی لطف کھویا

کہاں تک سبھی اطہری کہہ سنائے
جو سوئے سو کھوئے جو جاگے سو پائے

اعجاز

ملکۂ دکن حضرت دولہن پاشا بیگم صاحبہ کا تخلص ہے، دکن کی تاریخ میں آپ سب سے پہلی ملکہ ہیں جنہوں نے اُردو شعر کہے۔ آپ کا جو کلام شائع ہوا ہے اس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے یہاں تاثیر، پختگی، زبان کی سادگی وصفائی اور خیالات کی بلندی موجود ہے۔

ان کو عہدِ وفا کی لاج نہیں
دردِ دل کا کوئی علاج نہیں

دو ہی دن میں بدل گیا وہ رنگ
کل جو تھا لطف مجھ پہ آج نہیں

درد دینے لگا مزا دل کو
اب دوا کی کچھ احتیاج نہیں

سچ ہے اب خسروِ دکن کے سوا
کوئی شایانِ تخت و تاج نہیں

سارا عالم ہے بندۂ اخلاق
کوئی سلطاں سا خوش مزاج نہیں

آفتاب

آفتاب جہاں نام اور آفتاب تخلص ہے دہلی کی ایک صاحبِ ذوق اور

عفت مآب خاتون ہیں۔ اکثر زنانہ مشاعروں میں بھی حصّہ لیتی ہیں۔ ذیل کی غزل ایک مشاعرہ ہی کی غزل ہے جو محترمہ نے ۲۶ مارچ ۱۹۴۰ء کو دہلی میں ایک مشاعرہ میں پڑھی تھی جو بصدارت محترمہ خواجہ بانو صاحبہ اہلیہ حضرت خواجہ حسن نظامی منعقد ہوا تھا۔

آپ کا شاعرانہ مذاق سنجیدہ و بلند ہے، زبان شستہ اور صاف لکھتی ہیں، جذباتی اعتبار سے بھی آپ کا کلام قابلِ قدر ہے :-

خوشی کا ذکر کیا، غم کا گِلا کیا　　نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا
نہیں ملتا محبت کا نشاں بھی　　یہ بدلی ہے زمانے کی ہوا کیا
گناہِ عشق کی ہیں مرتکب ہوں　　ذرا دیکھیں وہ دیتے ہیں سزا کیا
تصور میں وہی باتیں ہیں اُنسے　　جدا ہو کر وہ ہوتے ہیں جدا کیا
کرم کرتے نہیں چلئے نہ کیجے　　ستم کی لذتوں کا پوچھنا کیا
ڈرے میری بلا سیلابِ غم سے　　خدا جب آشنا ہے ناخدا کیا
نہیں کچھ اعتبارِ زندگانی　　مگر دل میں تمنائیں ہیں کیا کیا
مسرت ہے، نہ الفت ہے، نہ راحت　　الٰہی تیری دنیا کو ہوا کیا

جہاں ہو آفتابِ عالم آرا
وہاں کی روشنی کا پوچھنا کیا

اکبری محترمہ اکبری خانم - بیرا بگینیاں

رسالہ عصمت کی شاعرہ ہیں، زیادہ تر مذہبی و اخلاقی مضامین نظم کرتی ہیں۔ ذیل کی مناجات آپ کے مخصوص رنگ کا ایک نمونہ ہے :-

ایک گنہگار کی دعاء

کریں التجا کس سے ہم اے خدا　　نہیں دوسرا کوئی تیرے سوا
سوا تیرے مشکلکشا کون ہے　　غریبوں کا والی بتا کون ہے
تو فرمانروا ہم ہیں فرماں پذیر　　ہم افتادہ بیکس ہیں تو دستگیر
کیا ہم نے یہ جان و دل سے قبول　　کہ سچا ہے تو اور تیرا رسول
ہمارا یہ ایمان بالغیب ہے　　کہ تو سب کا معبود لاریب ہے
بھلا کیونکہ ہو یہ ہماری مجال　　نہ مانیں تیرا حکم اے ذوالجلال
مگر نفس غافل کے مکر و فریب　　لئے لیتے ہیں عقل و صبر و شکیب
جہاں پھونکا اک وسوسہ کان میں　　تزلزل پڑا دین و ایمان میں
پڑا جس گھڑی معصیت کا حجاب　　نہیں سوجھتا کچھ ثواب و عذاب
کٹی ہائے غفلت میں عمرِ عزیز　　نہ کی نیک و بد میں کبھی کچھ تمیز
کیے فعل ہم نے بہت ناسزا　　ہوئی ہم سے واقع خطا پر خطا
ہے افسوس پاس اک بھی خوشہ نہیں　　سفر دور کا اور توشہ نہیں
مدد میری اے میرے رحمٰن کر　　مری سخت مشکل کو آسان کر
رکھ ایسا محبت میں ثابت قدم　　کہ غافل نہ ہوں تجھ سے میں ایکدم
رہوں یا کہ دنیا سے جاؤں گذر　　نہ نکلوں ترے حکم سے ذرہ بھر
ہیں دنیا میں جو مہربان و شفیق　　یہ سب جیتے دم کے ہیں اپنے رفیق
نہ پوچھے گا تربت پر آ کر کوئی　　کہ اے خستہ تن کیا ہے حالت تری

مگر تجھ سے امید ہے اے خدا | کہ ہر حال میں تو ہے مونس میرا
نہ رسوا مجھے اے خدا کیجیو | میری شرم محشر میں رکھ لیجیو
نہ تکیہ عمل پر ہے بالکل مجھے | نبیؐ کا فقط ہے توسّل مجھے
خطائیں میری عفو کر اے کریم | کہ ہے ذات تیری غفور الرحیم

خطائیں میری بخش دینا تمام
طفیل پیمبر علیہ السّلام

اُما

شریمتی لیلا دیوی نام اور اُما تخلص ہے۔ آپ لاہور کی رہنے والی ہیں، اُردو سے بڑا لگاؤ ہے اور اس میں اکثر کہتی رہتی ہیں۔ آپ کا کلام صاف ستھرا اور سنجیدہ ہوتا ہے۔ زبان عمدہ لکھتی ہیں۔ مولانا راشد الخیری کی وفات پر آپ نے جو مرثیہ لکھا تھا اس کے کچھ بند مندرجہ ذیل ہیں:۔

ختم دلی نہ کبھی ہوگا یہ رونا تیرا | اشکِ غم سے ترے رخسار کو دھونا تیرا
ہائے اسے اجڑے چمن ہیچ ہے ہونا تیرا | جسکو بھایا کبھی بیکار نہ ہونا تیرا

اٹھ گیا کیسا قلمکار، قلم کا افسر
داغ ہے راشدِ خیری کا ادب کے دل پر

صنفِ نازک کیلئے کیسے اٹھائے صدمے | رات دن ایک کئے کیا کیا مضامین لکھے
غمِ نسواں کے وہ حضرت نے مرقعے کھینچے | اب دیکھیں گے، نہ دیکھیں گے کبھی ہم مر کے

کس طرح بھولیں گے احسان تمہارے خیری

اب کیسے کہے کہ پکار رہے ہیں ہمارے خبری

دفتر ہند کی موجودہ مصیبت کیلئے ٭ پیش خالق وہ آمنا پہنچی ہیں برأت کیلئے

انجم

عارفہ بیگم نام اور انجم تخلص ہے۔ اکبر آباد کی رہنے والی ہیں۔ آپ جوش ملیح آبادی کے رنگ سے متاثر ہوئی ہیں۔ کلام میں سادگی و صفائی ہے۔ آپ کے یہاں محاکات اور منظر نگاری کی اچھی مثالیں ملتی ہیں، کلام میں بڑی روانی ہے۔

سیر کشمیر

ہماری نگاہیں کدھر جا رہی ہیں ٭ یہ کیا دیکھتی ہیں کہ اترا رہی ہیں
رسے اپنی نظروں کا اوج رسائی ٭ بہشت بریں کی خبر لا رہی ہیں
یہ کشمیر کا گلستاں اللہ اللہ ٭ بہاریں فرشتوں کو للچا رہی ہیں
یہ انوار کا دن بھی یوم طرب ہے ٭ وہ گلشن کی شہزادیاں گا رہی ہیں
جدھر دیکھئے صورتیں پیاری پیاری ٭ حسینان جنت کو شرما رہی ہیں
یہ معلوم ہوتا ہے دوشیزہ پریاں ٭ خراماں خراماں چلی آ رہی ہیں
نہ دیکھو سنبھالو نظر ان کے رخ سے ٭ حیادار آنکھیں جھکی جا رہی ہیں
یہ پر کیف منظر ہے کیا روح پرور ٭ نگاہیں نگاہوں کو شرما رہی ہیں
یہ گردش میں ہیں انکی مستانہ آنکھیں ٭ کہ گلزار میں جام چھلکا رہی ہیں

دلہن کی طرح باغ آراستہ ہے
ہوائیں درِ خلد سے آ رہی ہیں

سلاطینِ اسلام کی سیر گاہیں
جو برسوں خیابانِ طوبیٰ رہی ہیں

لطافت میں ڈوبی ہوئی ہیں ابھی تک
مشامِ تمنّا کو مہکا رہی ہیں　ق

خواتینِ مغلیہ کی پاک شکلیں
یہاں مدتوں جلوہ آرا رہی ہیں

کہ جن کی تمنّا میں موجِ ہوا کی
سر اپنا پہاڑوں سے ٹکرا رہی ہیں

انجم

عقیلہ خاتون نام اور انجم تخلص ہے رسیکری کی رہنے والی ہیں آپ کا کلام کبھی کبھی عصمت اور خاتونِ مشرق وغیرہ رسالوں میں شائع ہوتا ہے سادگی و صفائی آپ کے کلام کے جوہر ہیں۔

یادِ ماضی

یاد ہے مجھکو مرا گذرا زمانہ یاد ہے
محفلِ عشرت کا وہ رنگیں فسانہ یاد ہے

آہ وہ شوخی شرارت، آہ وہ بچپن کے دن
وہ سکوں پرور زمانہ اور وہ دورِ مطمئن

آہ وہ ساون کی رت، وہ گیت گانا جھولنا
ہر سہیلی کا وہ لڑنا اور لڑکر بھولنا

شاد رہتی تھی سدا اور رنج و غم کافور تھا
دل مرا بچپن کی مے سے جب کبھی مسرور تھا

مثلِ گل بزمِ چمن میں مرکزِ الفت تھی میں
واسطے ماں باپ کے سرمایۂ عشرت تھی میں

یادِ بچپن کی مجھے جبدم ستاتی ہی بہت
چشمِ مضطر اشکِ خوں پہروں بہاتی ہی بہت

کیا ہوا اب یا الٰہی آہ وہ دلکش سماں!
یاد سے جس کی ہوئی جاتی ہے انجم نیمجاں

آنور

انور جہاں بیگم نام اور آنور تخلص ہے۔ آپ جناب سراج الدین صاحب سابق دوم تعلقدار حیدر آباد دکن کی دختر ہیں۔ اورنگ آباد میں قیام ہے۔ تعلیم خانگی طور پر ہوئی۔ اُردو اور فارسی کی استعداد بہت اچھی ہے آپ کی منقبت "پیشکش امام مظلوم" اچھی نظم ہے، اور معنوی و لفظی حیثیت سے بہت پُرشوکت ہے۔ اس نظم سے محسنؔ کاکوروی کا رنگ جھلکتا ہے۔

پیشکش امام مظلوم

اے شہِ تشنہ لب و راحتِ جانِ زہراؓ
اے جگر بندِ علیؓ فخرِ حجاز و بطحا

اے حسینِ مدنی سرورِ ریاضِ احمدؐ
صدفِ بحرِ کرامات کے دُرِّ یکتا

ساقیٔ کوثر و تسنیم مکینِ فردوس
کسقدر رتبۂ عالی تمھیں حق نے بخشا

وارثِ خلقِ حسنؓ حاملِ حُسنِ نبویؐ
چشمۂ رحم و کرم شاہِ شہیدانِ بلا

نورِ ایمان سے پُر نور جبینِ انور
عشق اللہ سے معمور دلِ حسرت زا

خشک ہونٹوں پہ زباں پھیر کے خاموش رہا
کیا قناعت تھی تری پیکرِ تسلیم و رضا

صبرِ ایوبؑ کی تصویر دکھا دی تو نے
اپنے ہاتھوں سے جواں لختِ جگر دفن کیا

دورِ خزاں

چمن کے چپّہ چپّہ سے ہویدا رنگِ بربادی
نہ باقی اب وہ رعنائی، نہ رنگینی، نہ شادابی
سمومِ بادِ صرصر سے گلستاں بن گیا صحرا

غضب کا چھا گیا گلشن کے بام و در پہ سناٹا

روانی تھم گئی موجوں کی چشمے خشک و ساکن ہیں

جو گلشن رشکِ گلزارِ جناں تھے اب وہی بن ہیں

شمیمِ روح پرور شعلۂ آتش بنی یکسر

شجر ہائے گلستاں خاک کر ڈالے شرر بن کر

شعاعِ مہرِ تاباں نے لگا دی آگ سبزے میں

نسیمِ صبح گاہی خاک بر سر جس کے ماتم میں

نگاہِ یاس سے تکتے ہیں طائر اپنی ویرانی

کہیں کس سے ستم کش دورِ گردوں کی ستم رانی

آہ

میمونہ بیگم نام اور آہ تخلص ہے آپ نے ناہید زنانہ کالج میں تعلیم پائی اور وہیں سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا۔ کلام میں واقعہ نگاری، اور واردات قلب کی ترجمانی ہے۔ گو ابھی پختگی پیدا نہیں ہوئی ہے۔

ہر گھڑی تم کو یاد کرتی ہوں
ہر گھڑی آہ سرد بھرتی ہوں

گاہ جیتی ہوں، گاہ مرتی ہوں
شکر پروردگار کرتی ہوں

دن تو جوں توں گزر ہی جاتا ہے
شب کو تارے شمار کرتی ہوں

ہیں پریشانیوں میں بھی ہر دم
دم تری دوستی کا بھرتی ہوں

دل میں جو ہے زباں پہ کیا لاؤں
بات کہتے ہوئے بھی ڈرتی ہوں

پھول کھلتے ہیں باغِ حسرت کے
جب کبھی آہ سرد بھرتی ہوں
گاہ تارے، تو گاہ تارِ نفس
رات بھر میں شمار کرتی ہوں
زندگی موت سے بھی بدتر ہے
سو کے اٹھتی ہوں اٹھکے مرتی ہوں
امتحاں کیسا اور کہاں کا سبق
میں فقط تم کو یاد کرتی ہوں

آہ کے ساتھ ہے تمھاری یاد
یاد کے ساتھ آہ کرتی ہوں

(ب)

باطن

آپ کا نام حسینی بیگم اور تخلص باطن ہے۔ آپ کا تعلق ریاست حیدرآباد سے ہے۔ اردو کے علاوہ آپ فارسی اور عربی میں بھی اچھی قابلیت رکھتی ہیں، قرأت سے بھی واقف ہیں، "حمایت الاسلام" کے نام سے ایک کتاب بھی شائع کی ہے جس میں فرائض اور اخلاق کا تذکرہ ہے۔ اردو شاعری کا بھی ذوق ہے ؎

خاک کا پتلا ہے باطن آدمی
دل کو دیکھے آزمایا کون تھا
شاہِ دکن کی ہم پہ عنایت عظیم ہے
اہلِ دکن کے ساتھ محبت عظیم ہے

بانو مخترمہ جہاں بانو بیگم ام۔ اے حیدرآبادی

مخترمہ جہاں بانو بیگم حیدرآباد کی ان خواتین میں سے ہیں جنھوں نے حیدرآباد کے علاوہ ہندوستان کی علمی دنیا میں کافی شہرت حاصل

کرلی ہے ۔ ان کے والد ابو رضا بیرسٹر مرحوم حیدر آباد میں ناظم فوجداری بلدہ، اور ان کے دادا مولوی وسیل الدین صاحب احترام جنگ اورنگ آباد کے صوبہ دار، اور مجلس مالگذاری کے رکن تھے،

جہاں بانو بیگم صاحبہ کے نانا مرزا نصر اللہ خاں المخاطب دولت یار جنگ مرحوم نہ صرف مشاہیر ایران سے تھے ۔ بلکہ سرکار نظام کے اعلیٰ عہدہ دار اور بلند پایہ مورخ اور ادیب تھے ان کی کتابیں "تاریخ دکن" اور "داستان ترکتازانِ ہند" فارسی زبان کی قابلِ قدر کتابیں ہیں ۔

محترمہ جہاں بانو بیگم کی ولادت حیدر آباد میں ۱۹۱۳ء میں ہوئی ۔ آپ کی تعلیم ابتدا سے زنانہ ہائی اسکول نام پلی میں ہوئی ۔ بی ۔ اے اور ام ۔ اے کی ڈگریاں جامعہ عثمانیہ سے حاصل کیں ۔ جب آپ ام ۔ اے میں زیرِ تعلیم تھیں، اس وقت کلیہ اناث حیدر آباد میں لکچرار کی خدمت پر مامور ہوگئی تھیں ۔

آپ کو بچپن سے علمی ماحول نصیب ہوا ۔ خاندانی روایات کے بموجب لکھنے پڑھنے سے خاص شغف رہا ۔ گویا وراثتاً آپ کو علم کی خدمت گزاری ودلیعت ہوئی تھی ۔

اردو زبان کی خدمت آپ نثر، نظم، تقریر، ایڈیٹری اور تدریس وغیرہ کے ذریعے کرتی ہیں ۔ آپ عصمت کی مشہور مضمون نگاروں میں سے ہیں، نظم کم لکھتی ہیں مگر خوب لکھتی ہیں، خیالات کی بلندی، اسلوب کی صفائی، اور پاکیزگی، لطافت اور رنگینی آپ کے کلام میں موجود

ہیں، آپ کے خیالات پر علامہ اقبالؒ کا بھی کافی اثر پڑا ہے۔

تضمین بر نظم شبلی

تنگ آیا ہوں زندگانی سے — اپنی قسمت کی بے زبانی سے
شورش و کاوش جہانی سے — ہے تمنّا کہ چھوٹ جاؤں میں

جس طرح بوئے گل ہو گل سے جدا

جیسے محفل وداعِ یار کے بعد — جیسے پروانہ شمع زار کے بعد
جیسے دل رخصتِ قرار کے بعد — ہوں پریشان کدھر کو جاؤں میں

ہو کے اب اپنے باغ و گل سے جدا

نکہت و بوئے گل گلوں کے ساتھ — عشوۂ برق بادلوں کے ساتھ
دردِ دل پُر ز غم دلوں کے ساتھ — کیا کہوں تجھ سے اپنی حالتِ زار

ساتھ تیرے مری خوشی بھی رہی

صبح ہستی آشنائے شامِ ہستی ہو چلی — مہرِ تاباں کی درخشانی میں پستی ہو چلی
شاہِ انجم چھپ گیا تاروں کی بستی ہو چلی — اور مسلّط چار سو یک گونہ مستی ہو چلی
شام کے آغوش میں مہرِ تپاں روپوش ہے — شب کی تاریکی میں دنیائے عمل بیہوش ہے

صبح کا نکلا ہوا اب کارواں منزل میں ہے — لیلئ شب محوِ خوابِ جانفزا منزل میں ہے
ایک فقط بلبل نواسنج فغاں محفل میں ہے، — اور اک ہیجان برپا اس دلِ بسمل میں ہے[1]

---

[1] علامہ اقبالؒ ۔ ایک بلبل ہے کہ ہے محوِ ترنّم اب تک ۔ اس کے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم اب تک

ربط ہم دونوں میں دیرینہ ہے نالے ایک ہیں
کشتگانِ غم ہیں اپنے دل کے چھالے ایک ہیں

ہیں رہِ غم کے مسافر اپنی منزل دور ہے
مرحلے طے کرنے ہیں راہِ عمل بے نور ہے

لَن ترانی کی صدا باقی ہے کوہِ طور ہے
یاں تنازعِ للبقا کا جاوداں دستور ہے

اے کہ سن گر آرزوئے منزلِ مقصود ہے
حرکت لا منتہا ہی رازِ ہست و بود ہے[1]

سونے والے جاگ غفلت سے سحر ہونے کو ہے
پھر ہم آغوشِ تجلّی برگ و بر ہونے کو ہے

قافلہ کا کوچ پھر اے بےخبر ہونے کو ہے
تو پڑا سوتا ہے کیوں؟ کیا دیر ہونے کو ہے

بدرؔ، محترمہ بدر النسا حیدر آبادی

بدر النساء نام اور بدرؔ تخلص ہے۔ مولوی آغا یاور علی صاحب ناظم کورٹ آف وارڈ ریاست حیدر آباد کی شریکِ حیات ہیں، تعلیم خانگی طور پر ہوئی ہے، نثر اور نظم دونوں لکھتی ہیں، کلام کا انداز یہ ہے:-

سنبھل اے عندلیبِ زار بیتابی سے کیا حاصل
چمن میں رہ گئی فصلِ بہار آہستہ آہستہ
بدرؔ آواز آتی ہے کفن سے کشتۂ غم کی

---

[1] اس بند اور آخری بند کے خیالات پر علامہ اقبالؒ کا اثر نمایاں ہے اس بند کو پڑھ کر علامہ اقبالؒ کے عمل اور خودی کا درس یاد آجاتا ہے اور آخری بند میں علاّ کی امید کی جھلک موجود ہے

لحد پر ڈالئے مٹّت غبار آہستہ آہستہ[1]

بدرؔ۔ محترمہ بدرِ جہاں قریشی

بدرِ جہاں نام اور بدرؔ تخلص ہے۔ آپ کا وطن خورجہ ہے شعر و شاعری کی طرف فطری رجحان ہے آپ کا ذوقِ سلیم اور مذاق ستھرا ہے۔ آپ کے کلام میں رومانیت کے چھینٹے بھی ملتے ہیں۔

لطفِ شام

شام کی کالی زلفوں میں اک تارا جھلمل کرتا ہے
پیشانی پر بندی ہے، یا شب کا حُسن نکھرتا ہے
دن کی اُلجھن ختم ہوئی، مدہوش جوانی سے کہہ دو
منزل رہ رہ کر کاٹے، دریا کی روانی سے کہہ دو
رنگ مشکیں چھایا ہے، اک بوئے عنبر مہکی ہے
غنچہ بیخود ہے، پتّی پتّی مہکی ہے
فطرت اپنے نازوں کے پالوں کو لوری دیتی ہے
دن بھر کا غم، غم کی کلفت، گویا چھینے لیتی ہے
بدرؔ چلو کچھ دل بہلائیں باغ کے رنگیں گوشوں میں
قدرت کی گلکاری دیکھیں پودوں اور گلبوٹوں میں

---

[1] آہستہ برگِ گل بفشاں بر مزارِ ما   بس نازک است شیشۂ دل در کنارِ ما
یہ فارسی شعر شاہزادی زیب النساء مخفی کا بتایا جاتا ہے۔

فنا کیا، زیست کیا، راز بقا کیا
جب اُسکے ہیں، پھر اس کا پوچھنا کیا

نہیں منت کشِ سحر مسیحا
دیا ہے اس نے دردِ لا دوا کیا

ہوئی مدہوش اک ساغر میں محفل
یہ مے شیشہ میں تھی نورِ خدا کیا

نہیں دنیا میں کوئی محرمِ راز
سناؤں حال دل اپنا بھلا کیا

سمجھ تو دولتِ کونین پالی
ملا ہے یہ دلِ درد آشنا کیا

نگاہیں کر رہی ہیں رازِ دل فاش
ترے خاموش رہنے سے ہوا کیا

فنا میں ہے بقا کا راز پنہاں
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

وفا ہی اُٹھ گئی دنیا سے جب بدر
پھر اپنے اور پرائے کا گلا کیا

بشیر - محترمہ بشیر النساء حیدرآبادی

بشیر النساء نام اور بشیر تخلص ہے، مولوی ضامن علی صاحب کنٹریکٹر کی شریکِ حیات ہیں، حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ خانگی طور سے تعلیم پائی۔ شعر گوئی کا شوق بچپن سے ہے۔ کلام میں لطافت اور پاکیزگی موجود ہے آپ اکثر زنانہ جلسوں میں بھی نظمیں سناتی ہیں، آپ عصمت کی مخصوص شاعرات سے ہیں۔

۱؎ محترمہ نے یہ غزل دہلی کے ایک زنانہ مشاعرہ میں پڑھی تھی جو ۱۶ مارچ سنہ ۱۹۴۰ء کو محترمہ خواجہ بانو صاحبہ اہلیہ حضرت خواجہ حسن نظامی کی زیرِ صدارت ہوا تھا۔

۲؎ غالب ؎ آشنا غالب نہیں ہیں دردِ دل کے آشنا : ورنہ کسکو میرے افسانہ کی تابِ استماع

ہوا خواہانِ دولت نے ارادت کا ثمر پایا
بہار آئی۔ سنہری رُخ پہ پھولوں کے نکھار آیا
زبرجد سے مزیّن تختہ ہائے مرغزاراں ہیں
کہیں قمری کے نغمے ہیں کہیں طاؤس رقصاں ہیں
سپیدی چھا رہی ہے لاجوردی آسمانوں پر
چلی ہیں رات کی تاریکیاں انجم کے شانوں پر
طیورِ خوشنوا شاخِ شجر پر چہچہاتے ہیں
تبسّم ریز ہیں غنچے، گلِ تر کھِل کھلاتے ہیں
کدورت دل سے دھوتی ہیں یہ موجیں جوئبارونکی
طیورِ صبح کی تانیں، صدائیں آبشاروں کی
گیاہِ سبز پر بکھرے ہوئے شبنم کے موتی ہیں
عروسانِ بہاری صبحدم موتی پروتی ہیں
عجب پُر کیف عالم ہے، عجب دلچسپ منظر ہے
مسرت بانٹنے میں منہمک قدرت سراسر ہے

~~~~~

محسنِ اعظم

راشد الخیری ادیبِ پاک بیں، روشن ضمیر
آج تک ہے تیری ہستی آپ ہی اپنی نظیر
تیرے تدبّر کارناموں پر ہے نازاں زندگی
~~~~~

تو نے دی ہندوستاں کو خانگی آسودگی

آہ وہ دورِ تباہی وجودِ خانہ سوز
یاد ہے وہ عہدِ رفتہ کا سبق ہم کو ہنوز

صنفِ نازک نام ہے جن ناتواں افراد کا
ہر زمانے میں رہا جس کو گلہ بیداد کا

ظلم کیا کیا ڈھائے اس پر جذبۂ خود کام نے
کب رکھا آسودہ اس کو گردشِ ایّام نے

الغرض کیسا زمانہ اس پہ گذرا ناگہاں
بادۂ غفلت سے جب سرشار تھا ہندوستاں

تختۂ مشقِ ستم تھی موردِ آفات تھی
ایک مٹی کا کھلونا یعنی عورت ذات تھی

خود شریکِ زندگی سے آدمی کو عار تھا
خاک آلودہ سراسر دامنِ زرنار تھا

علم کی تحصیل سم اس کے لئے لاریب تھا
خواہ کچھ پڑھ لے مگر لکھنا سراسر عیب تھا

ایک کمسن طفل کی گھرکی سے ڈر جاتی تھی وہ
زندگی بھر اس طرح گھٹ گھٹ کے مر جاتی تھی وہ

تھا ستم کا دور دورہ دادرس کوئی نہ تھا
شمعِ محفل تھی فروزاں ہم نفس کوئی نہ تھا

گھر جہنّم بن چکے تھے جہل کی بیداد سے
ایسے میں اک غمگسار اُٹھا جہاں آباد سے
مرحبا اے راشد الخیری ادیبِ حق شناس
برگزیدہ تیری ہستی پاک تھا تیرا قیاس
مرحبا اے حامیٔ نسواں شفیقِ بے کساں
اے سزاوارِ عقیدت نازشِ ہندوستاں
اے پرستارِ صداقت قابلِ صد احترام
آج تک زندہ ہے اور جاں بخش ہے تیرا پیام
اے ادیبِ پاک طینت، اے حکیم دادرس
کتنے موزوں وقت پر تو نے بجایا ہے جرس
تیرے دردانگیز نالے کارگر یکسر ہوئے
تیرے دلکش ساز سے آباد ہندی گھر ہوئے
خامہ فردوس آفریں تھا اور نوائیں خانہ ساز
تیری ہر اک آہ سمجھاتی رہی فطرت کے راز
حق و باطل، خیر و شر سے باخبر تو نے کیا
نظمِ استبداد کو زیر و زبر تو نے کیا
تو نے بخشی ہے حقوق و حرّیت سے آگہی
پھونک دی تو نے گھریلو زندگی میں زندگی
خون رو رو کر رُلایا سنگ دلِ افراد کو

تیری آہوں نے تپایا ہے دلِ فولاد کو
طبقۂ اہلِ قلم گم شعبدہ کاری میں تھا
اور تو تنہا خواتین کی طرفداری میں تھا

کوششیں تیری رہیں دو بہ درخشاں کے لئے
وقف کردی زندگی امدادِ نسواں کے لئے

تیری جاں سوزی برائے طبقۂ مظلوم تھی
تیری تحریروں کی دنیائے ادب میں دھوم تھی

لکھنے والوں سے جدا لکھنے کا تیرے ڈھنگ تھا
رنگ آمیزی پہ تیری اک زمانہ دنگ تھا

تیری صبح و شام سے بر پا نشانِ زندگی
تیری صبح و شام و شب سے زندگی پائندگی

توڑے ہیں بندِ غلامی تیری تحریکات نے
گُر پنپنے کے سکھائے تیری تصنیفات نے

تیری دلسوزی کا نسوانی ادب ممنون ہے
جس کی رگ رگ میں رواں تیرے جگر کا خون ہے

زندۂ جاوید تیرے کارنامے اور پیام
صنفِ نسواں پر سدا واجب ہے تیرا احترام

آج اے غمخوارِ نسواں بے نیازِ غم ہے تو
دامنِ رحمت میں شاداں محسنِ اعظم ہے تو

بیگم اسمٰعیل

آپ نواب محمد اسمٰعیل خاں صاحب کی شریکِ حیات تھیں۔ اور اشرف زمانی نام تھا۔ آپ نے مئی ۱۹۴۰ء میں اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ آپ کے دل میں بڑا قومی و اسلامی درد تھا۔ ادب سے آپ کو خاص شغف تھا۔ آپ کے ادبی کارنامے اور قومی جذبات قابلِ یادگار ہیں۔ آپ میرٹھ میں ایک حمیدیہ زنانہ اسکول قائم کر گئی ہیں۔ شعر بھی کہتی تھیں آپ کے کلام سے بھی قومی و ملّی جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔

اگر دل سے رہا قانع تو شاہِ خسرواں ہوگا
توکل دولتِ دارین کا طبل و نشاں ہوگا

خدا کے واسطے اے مسلمِ خوابیدہ اٹھ تو بھی
ترا یہ خوابِ غفلت ایک دن خوابِ گراں ہوگا

مصیبت ہے کہ نسواں میں نہیں احساسِ خودداری
نہ ہوگا اب اگر پیدا تو کب اے خواہراں ہوگا

اگر ہو جائے پیدا تیرے دل میں جذبۂ خدمت
تو اے خاتونِ مسلم تجھ سے روشن اک جہاں ہوگا

ق

کہ تیری گود میں پلتی ہے قومِ مسلمِ عالی
تو جس سے تری ہر فرد، فردِ رفتگاں ہوگا

بیگم افضال

آپ ڈاکٹر محمد افضال حسن صاحب کی شریکِ حیات ہیں۔ کلام

اکثر خاتونِ مشرق میں شائع ہوتا ہے۔ اکثر اسلامی شاعری کرتی ہیں اور حفیظ جالندھری کے "شاہنامہ اسلام" کے رنگ سے متاثر معلوم ہوتی ہیں۔

تعمیرِ حرم

اٹھائی جا رہی تھیں جب خدا کے گھر کی دیواریں
تو معمارانِ بیت اللہ نے سوچا کہ کیا مانگیں
معاً آئی لبوں پہ یہ دعا اے خالقِ اکبر
تری رحمت ہو اس گھر پہ یہاں کے رہنے والوں پر
کرم سے تیرے اس صحرا میں ایسا شخص پیدا ہو
کہ جس کی ذات الطافِ خداوندی کا چشمہ ہو
جو بیت اللہ کے آداب انسانوں کو سکھلائے
طریقے جو عباداتِ خداوندی کے بتلائے
جو قلب و ذہنِ انسانی کو اک تابندگی بخشے
جہانِ کُن فکاں کی روح کو اک زندگی بخشے
وہ اُمّی جو کتابِ زندگی پڑھتا ہوا آئے
خدائی علم و حکمت کی یہاں تعلیم فرمائے
ہوئی مقبول معمارِ حرم کی یہ دُعا ساری
کہ بطحا سے ہوا وہ چشمۂ لطفِ خدا جاری
جو ساری نوعِ انسانی کا رہبر اور ہادی ہے
وہ جس کے فیض سے شاداب ہر صحرا و وادی ہے

جو حامل ہے کتاب اللہ و قانون الٰہی کا
وہی ہے رہنما ہے آخری ساری خدائی کا
لوائے الحمد جس کے ہاتھ میں ہوگا قیامت میں
اسی کی بس سنی جائے گی انساں کی شفاعت میں

بیگم رضا

آپ محترم جناب رضا صاحب کی شریکِ زندگی ہیں، اور صادق منڈی میں مقیم ہیں۔ خاتونِ مشرق کی شاعرہ ہیں۔ کلام کا رنگ پختہ ہے۔ اس میں جذبات کی گہرائی، صداقت جوش اور اثر موجود ہے۔ آپ کی غزلیں بہت پُر کیف ہوتی ہیں۔

علاجِ گردشِ لیل و نہار کر نہ سکی

خزاں نصیبی کی حد ہو چکی کہ ہنستی ہیں
کبھی تصورِ فصلِ بہار کر نہ سکی
فریب خوردہ طبیعت تیرے وعدوں پہ
ہزار چاہا مگر اعتبار کر نہ سکی
تڑپ تڑپ کے کٹی عمر سوزِ حسرت میں
کسی پہ دردِ جگر آشکار کر نہ سکی
فلک نے پیس دیا دل کی آرزوؤں کو
علاجِ گردشِ لیل و نہار کر نہ سکی
نہ چین لینے دیا دل کی بےکلی نے مجھے
یہ ٹیس مجھکو فراغت شعار کر نہ سکی

بیگم رُسوا

آپ حضرتِ رُسوا رنگپوری کی زوجہ ہیں، کلام میں پختگی و متانت ہے،

خیالات بلند اور طرزِ بیان پاکیزہ و لطیف ہے۔

فنا ہو کے مجھے لطفِ بقا معلوم ہوتا ہے
جدھر آنکھیں اُٹھاتا ہوں خدا معلوم ہوتا ہے

بلا لے ہاں بلا لے بیکسی گورِ غریباں کی
کوئی میری لحد کو ڈھونڈھتا معلوم ہوتا ہے

الٰہی خیر پھر مجھکو کسی کی یاد آئی ہے
جگر میں آج درد اُٹھتا ہوا معلوم ہوتا ہے

ابھی ٹوٹی ہوئی امید میں کچھ جان باقی ہے
ابھی اے ہمنشیں کچھ آسرا معلوم ہوتا ہے

وہی کعبہ میں ہے رسؔوا وہی بتخانہ میں بھی ہے
ہمیں تو ذرے ذرے میں خدا معلوم ہوتا ہے

بیگم عروؔج

آپ حضرت عروج بدایونی کی شریک حیات ہیں، خاتونِ مشرق کی شاعرہ ہیں، عموماً نعتیہ مضامین نظم کرتی ہیں۔ کلام میں صفائی و روانی موجود ہے۔

نعت

بشر کیا لکھ سکے گا نعت پُر عظمت محمدؐ کی
خدا قرآن میں کرتا ہے خود مدحت محمدؐ کی

نہ کیوں روشن تریں ہو عزت و حرمت محمدؐ کی
عیاں ہے سورۂ والشمس سے صورت محمدؐ کی

تمنّا خون بنکر دوڑتی پھرتی ہے رگ رگ میں
مری ہستی کی گویا روح ہے الفت محمدؐ کی

ھواللہ احد کا نعرہ سُنکر بُت ہوئے اوندھے
تعالی اللہ چھائی اس طرح ہیبت محمدؐ کی [۱]

اسامہؓ سے انسؓ سے اور بلالؓ و زیدؓ سے پوچھو
کہ ان سب پر رہی ہے کس قدر شفقت محمدؐ کی

کھلے جنت کے دروازے بڑھے رضواں بھی لینے کو
گنہگاروں کو لیکر آئی جب رحمت محمدؐ کی

بشر کی کیا حقیقت ہے وہ مخدوم دو عالم ہیں
کیا کرتے تھے جبرئیل امیں خدمت محمدؐ کی

ہوئی معراج پہنچے عرش پر خالق سے باتیں کیں
یہ عزت ہے محمدؐ کی، یہ رفعت ہے محمدؐ کی

قسم کھا کر کہا ہے نحن اقرب کہنے والے نے
وہ مجھ سے دور ہے جس پر نہیں رحمت محمدؐ کی

---

(۱)

پروین

زینت پروین نام اور پروین تخلص ہے، بدایوں کی رہنے والی ہیں، عموماً

---

[۱] علامہ اقبال رح ؎ کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے
منھ کے بل گر کے ھو اللہ احد کہتے تھے (شکوہ)

اخلاقی و اصلاحی مضامین نظم کرتی ہیں۔

معصوم بچوں سے خطاب

صنعتِ صانعِ قدرت کا کرشمہ تم ہو حسنِ معصوم کا معصوم نمونہ تم ہو
سارے گھر کے لئے دلچسپ تماشہ تم ہو پر میں واقف ہوں کہ ناواقفِ دنیا تم ہو
اس لئے فرض ہے مجھ پر کہ دعا دوں تم کو
اور پھر عالمِ دنیا بھی دکھا دوں تم کو
چادرِ فاطمہ زہراؓ کا ہو سایہ تم پہ پرتوِ عصمتِ مریمؑ ہو ہمیشہ تم پر
نظرِ خاصۂ خاصاں ہو خدایا تم پر لطفِ باری تعالیٰ ہو ہمیشہ تم پر
قوم کی اپنی روایات تمھیں یاد رہیں
فاطمہ بی بیؓ کی عادات تمھیں یاد رہیں
گلشنِ علم کی نوخیز کلی بن کے رہو درِ انجم کی شعاعِ ازلی بن کے رہو
صفحۂ زیست کا عنوانِ جلی بن کے رہو اپنے بیگانوں کی نظروں میں بھلی بنکے رہو
حسنِ انوار سے تسخیر دوبالا ہو جائے
نورِ عادات سے گھر بھر میں اُجالا ہو جائے
باعثِ زینتِ کاشانۂ انجم بن کر اور نسیمِ چمنستاں کا تبسم بن کر
بربطِ خلق کا پاکیزہ ترنم بن کر شکلِ معصوم کا دلچسپ تکلم بن کر
حسنِ سیرت کا سبق سیکھ کے ماں سے اپنی
ساری دنیا کو سنا دینا زباں سے اپنی

پروین۔ محترمہ عابدہ خانم

حالات اور کلام کے لئے دیکھئے "نسرین"

پنہاںؔ۔ محترمہ سپہر آرا خاتون المخاطب بہ رابعہ بریلوی

آپ کے حالات آپ کی بڑی بہن محترمہ آمنہ خاتون عفتؔ نے اپنی نگرانی میں لکھوا کر ارسال فرمائے ہیں جو شکریہ کے ساتھ درج کئے جاتے ہیں۔

"محترمہ رابعہ خاتون پنہاںؔ بریلوی دختر دوئم مولوی عبدالاحد صاحب مرحوم سپرنٹنڈنٹ ڈی۔ پی۔ آئی آفس الہ آباد، ۷ اگست ۱۹۰۶ء کو بمقام سہارنپور تولد ہوئیں۔ بریلی کے ایک شریف اور ممتاز خاندان کی چشم و چراغ ہیں۔ فارسی۔ اردو۔ اور انگریزی کی تعلیم کافی حد تک اپنے والدِ مرحوم سے گھر پر حاصل کی۔ دس سال کی عمر میں مضمون نگاری کی ابتدا ہوئی۔ آپ کی نثر ابتدا ہی سے آپ کے ستھرے۔ پاکیزہ اور سنجیدہ دماغ کی آئینہ دار ہے اور ساتھ ہی آپ کا سوادِ خط بھی بہت پاکیزہ ہے۔ رسائل نے آپکا عکس سوادِ خط بھی شائع کیا ہے ۱۹۲۱ء سے شاعری کا ذوق فطری منصۂ شہود پر آیا۔ ابتداءً شاعری ہی سے فارسی سے زیادہ شوق رہا اور ابتدائی فارسی غزلیں اور نظمیں ایسی تحریر کیں کہ استادانِ وقت نے لوہا مان لیا۔ ابتداءً ذوق میں قبلہ ماجد علی صاحب سے اصلاح سخن حاصل کی۔ ایک سال بعد قبلہ نے آپ کو طالب علی صاحب ایڈوکیٹ الہ آبادی کی شاگردی میں دیدیا۔

چنانچہ دو سال طالب علی صاحب ایم - اے - ایل - ایل - بی الہ آبادی نے اصلاح سخن ونثر کی'۔ پھر جناب نے نثر ونظم کا پروانہ معراج دیدیا اور ضرورت اصلاح سے بالا کردیا - آپ کا اُردو- فارسی کلام شروع ہی سے پختہ اور عمیق رہا۔ شروع زمانہ سے نظمیں۔ غزلیات اور افسانے وغیرہ برابر ملک کے چیدہ رسائل واخبارات میں نہایت اعزاز وافتخار کے ساتھ شائع ہوتے رہے ۱۹۲۵ء میں محترمہ اپنے عزیز والد صاحب قبلہ کی وفات سے بہت دل شکستہ ہوگئیں! اور اسی سال الہ آباد سے اپنے وطنِ مالوف بریلی تشریف لے آئیں۔

جنوری ۱۹۲۸ء میں آپ کی شادی آپ کے خاندانی عزیز جناب صوفی صغیر حسن صاحب ایم - اے - بی - ٹی پرنسپل اسلامیہ کالج الہ آباد سے ہوئی جن کے ساتھ آپ کچھ عرصہ دہلی مقیم رہیں اور آج کل الہ آباد میں قیام پذیر ہیں - یہ شادی آپ کی والدہ صاحبہ اور آپ کے دیگر اعزا نے اپنے حسبِ منشاء کی' اور بفضلہ تعالیٰ آپ نے اپنی حسبِ طبیعت نہایت عالی دماغ اور لٹریری شوہر پایا۔

اپنے والد کی یاد میں آپ نے ۱۹۲۹ء میں ایک منظوم مجموعہ بعنوان "اشکِ خونیں" شائع کرایا تھا جس سے آپ کے اس عشق کا جو آپ کو والد صاحب مرحوم سے تھا' پتہ چلتا ہے۔

آپ کے نظموں اور افسانوں کے مجموعے عنقریب شائع ہونیوالے ہیں۔

آپ ابتداء عمر سے نہایت متشرع اور پابند صوم وصلوٰۃ ہیں۔ شرعی پردہ کو پسند فرماتی ہیں - آپ کو دستکاری' سلائی' کھانا پکانا - اور جملہ امور

خانہ داری میں کافی درک ہے۔ آپ کے پانچ بچے ہیں جس میں دو لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔ آپ کے خصائل نہایت پاکیزہ ہیں۔ آپ رقیق القلب، خوش طبع، خوش خلق، اور ہمدرد ہیں، اور زنانہ سوسائٹی میں آپ کو خاص امتیاز حاصل ہے۔"

محترمہ رابعہ خاتون پنہاںؔ کا شمار موجودہ دور کی چند مخصوص اور ممتاز ترین شاعرات میں ہے۔ آپ اُردو کے ساتھ ساتھ فارسی کی بھی اچھی شاعرہ ہیں[1] کلام میں پختگی موجود ہے، جذبات اور وارداتِ قلب کی ترجمانی پر آپ کو بڑی قدرت حاصل ہے۔ بڑی خوش فکر اور خوش گو شاعرہ ہیں۔ آپ کے اشعار بغایت لطیف و پُرکیف ہوتے ہیں اور آپ کی قادر الکلامی کا پتہ دیتے ہیں آپ کی زبان پُروقار ہے اس میں فارسی کی آمیزش زیادہ ہے۔ ایسی اُردو شاعرات میں اس قدر بلند اور عمدہ کہنے والی خواتین کم ہیں۔

---

[1] محترمہ پنہاںؔ کے فارسی کلام کا نمونہ یہ ہے:-

گفتند کہ از عشق طبیاں رستہ نکوتر | گفتم کہ باوج طپشش رستہ نکوتر
گفتند دریں راہ خبر ہیچ نہ آید | گفتم کہ ز دانستہ نہ دانستہ نکوتر
گفتند کہ چشمش ہمہ دم خونِ جگر ریزہ | گفتم کہ ز آلائشِ غم شستہ نکوتر

ولا از رمزِ ہستی با خبر زی

ز سودائے سکوں بیگانہ تر زی

خود محترمہ نے اپنے کلام کا جو انتخاب ارسال فرمایا ہے یہ ہے:-

تجلّیوں نے نقاب اُلٹا۔ لبوں پہ آیا حسیں تبسّم
نویدِ آئینۂ تخیّل تجھے وہ بیخود بنا رہے ہیں

عزیزِ خاطر ہے باغباں کی قفس کے خوگر بھی ہو گئے ہیں
ہم اپنے ہاتھوں سے فصلِ گل میں نشیمن اپنا لٹا رہے ہیں

زیدتی ہے ترے عتاب کا رنگ　　شیشۂ چشم میں شراب کا رنگ

لیلۃ المعراج

[پچھلے صفحہ سے]

نہادہ بہ فرقش فلک تاجِ امشب　　شدہ بحرِ انوار مّواج امشب
بہ بیں جلوۂ نور معراج امشب

عطا کردِ تابشں بہ عقدِ ثریا　　ضیائے منزّہ دہد اختراں را
بہ بیں جلوۂ نورِ معراجِ امشب

بہ فردوسِ رنگیں پیامِ مسرت　　چمن در چمن اہتمام مسرت
بہ بیں جلوۂ نورِ معراج امشب

بہ اطراف گردوں بہارِ تجلّی　　بہ قرصِ قمر لالہ زارِ تجلّی
بہ بیں جلوۂ نورِ معراج امشب

[بقیہ اگلے صفحہ پر]

مژدہ باد اے جذبۂ خاموشیِ شوق
اک تجلّی آج زیرِ بام ہے

پیچ و تابِ زلفِ پیچاں خم بہ خم
کون کہتا ہے جنوں ناکام ہے

کارواں کیا نزدِ منزل آگیا
آستاں پر کیوں ہجومِ عام ہے

شیشۂ مینا میں پنہاں برق ہے
حسنِ پُرفن آج زیرِ دام ہے

نیاز و نازِ نامقبول[1] دونوں
نہ سمجھی میں کہ ہے تیری رضا کیا

جبینِ حسن پر سرخی سی دوڑی
نگاہِ آرزو نے کر دیا کیا

---

[1] روش صدیقی ؎ تمنّا خطا جرمِ ترکِ تمنا ؛ خطا کاریاں ہیں خطا کاریاں ہیں

[پچھلے صفحہ سے]

جمالش زینتِ دل بود شب جائیکہ من بودم
بہ چشمم دہر باطل بود شب جائیکہ من بودم

زنیفِ جنبشِ ابروئے آں شوخ کماں سازی
دلِ من نیم بسمل بود شب جائیکہ من بودم

نگاہم بر تجلائے رخِ آئینہ رخسارے
سرم بر پائے قاتل بود شب جائیکہ من بودم

بپرسی از رہِ رہروِ کاملِ طریقِ عشق و الفت را
سرِ تلوار منزل بود شب جائیکہ من بودم

خودش را من ندانستم ہمہ دو الم صد آرا صوفی
گلِ صد برگ محفل بود شب جائیکہ من بودم

دلم پرداخت با بادِ جمالِ دوستِ او با من
وجودِ غیر باطل بود شب جائیکہ من بودم

چناں دل محو مستی زد زبادم کیف دوشینہ
دلم نخچیرِ قاتل بود شب جائیکہ من بودم

زنیفِ نرگسِ مستانِ ساقی شد بپا محشر
جہانِ بیخبر دل بود شب جائیکہ من بودم

خطِ رنگیں کہ بر پیشانیِ بسمل کشیدہ تیغ
نشانِ عشقِ کامل بود شب جائیکہ من بودم

خمِ زلفِ نگار کرد پنہاں طرفہ اعجازے
خیالم در سلاسل بود شب جائیکہ من بودم

نہ جانے کیا سمجھکر ہنس پڑے ہیں
یہ ہے تمہید ذوقِ اعتنا کیا

نہ ہونا بھی بقدر یک نفس ہے
ہماری ابتدا کیا۔ انتہا کیا

جفا و ناز کی خوگر ہوں پنہاں
خدا معلوم ہے رسمِ وفا کیا[1]

---

[1] یہ ایک طرحی غزل کے کچھ اشعار ہیں۔

[پچھلے صفحہ سے] محترمہ کی یہ غزل بہت بلند اور قابل تحسین وستائیش ہے مگر اس زمین میں جو امیر خسروؒ کی نکالی ہوئی ہے خود امیر خسروؒ کی غزل آج بھی اپنا حریف تلاش کر رہی ہے۔ ملاحظہ

نمی دانم چہ منزل بود شب جائیکہ من بودم
بہر سو رقص بسمل بود شب جائیکہ من بودم

پری پیکر نگارے سرو قدے لالہ رخسارے
سراپا آفتِ دل بود شب جائیکہ من بودم

رقیباں گوش بر آواز او در ناز و من ترساں
سخن گفتن چہ مشکل بود شب جائیکہ من بودم

خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسروؒ
محمدؐ شمع محفل بود شب جائیکہ من بودم

اسی زمین میں شاہ تراب علیؒ اور اوحدیؒ نے بھی اچھی غزلیں لکھی ہیں۔

شاہ تراب علیؒ کی غزل یہ ہے۔

نہ ہوشم بود و نے دِل بود شب جائیکہ من بودم
نمی دانم چہ محفل بود شب جائیکہ من بودم

رقیباں در بر ش بودند و من دور از درش ہیہی
چہ حسرتہا کہ حاصل بود شب جائیکہ من بودم

نشد از زلف خونخوارش مجال بوس رخسارش
بہ مخزن مار حائل بود شب جائیکہ من بودم

بدل ہرگز نہ آید باز از کوئش کسے یارب
بدلچسپی چہ منزل بود شب جائیکہ من بودم

ذیل کا مزید انتخاب راقم الحروف کا کیا ہوا ہے

آہ وہ ایامِ عشرت آہ وہ لیل و نہار
واپس آ سکتے نہیں ہیں زندگی میں نہار

دورِ خوش کامی گیا عہدِ نشاط افزا گیا
بن گئی بزمِ مسرت آہ اک ماتم سرا

زندہ اب وہ محفلِ دیرینہ ہو سکتی نہیں
آہ وہ عہدِ مسرت مل نہیں سکتا کہیں

چشمِ ارماں خونچکاں قلبِ تمنا بیقرار
آہ اُمیدیں ہیں یوں ماتم زدہ و سوگوار

کیا خبر تھی اسطرح لٹ جائیگا یہ کارواں
کیا خبر تھی درپئے آزار ہے یوں آسماں

آہ یہ عصرِ مسرت خواب سا ہو جائے گا
حشر تک اسکا تصور آہ یوں تڑپائیگا

(پچھلے صفحہ سے) تراب از تیرِ مژگانش جہانے نیمجاں می شد
عجب انبوہِ بسمل بود شب جائیکہ من بودم

اور اوحدیؒ کی غزل یہ ہے:-

نقاب از روئے او وا بود شب جائیکہ من بودم
ز جنبش شور و غوغا بود شب جائیکہ من بودم

ہمہ مستی و مدہوشی حریفاں را کہ بود آخر
ز چشمِ ساقیٔ ما بود شب جائیکہ من بودم

ز پیشِ شمعِ رخسارِ نگارِ ما، چو پروانہ
نہ ہر سو رقص دلہا بود شب جائیکہ من بودم

غم و خمخانہ و ہم بادہ و ہم جام و ہم مطرب
ہماں آں دلبرِ ما بود شب جائیکہ من بودم

ز جامِ لعل او چوں اوحدی پیرِ مغاں ساقی
ہمہ مدہوش و شیدا بود شب جائیکہ من بودم

فغانِ پنہاں

وہ دن کہاں ہیں یارب جب ہم بھی شادماں تھے
جب ہم نواہمارے یہ ارض و آسماں تھے

رنگینیٔ عدن سے معمور تھا گلستاں!
نکہت فروش گل تھے اشجار گل فشاں تھے

تھیں عنبریں ہوائیں مخمور تھیں فضائیں
قطراتِ ابرِ رحمت سبزہ پہ دُرفشاں تھے

نہروں کا وہ ترنّم، موجوں کا وہ تراکم
اس زمزمہ پہ نازاں ہاں نغمہ خیاں تھے

صُبحیں صباحت افزا، شامیں تھیں عطر آرا
راتیں مہ منوّر، دن شمس ضوفشاں تھے

(اشک خونیں صفحہ ۱۹، ۲۰)

بیکسی کی ایک دنیا دیدۂ لبریز خوں
آہ انفاس دلِ مضطر ہیں محروم سکوں

(اشک خونیں ص ۳۵)

ہاں پدر کا غم یتیم مضطرب کے دل سے پوچھ
حسرتِ منزل کسی گم کردہ منزل سے پوچھ

لذتیں دردو تپش کی دیدۂ بسمل سے پوچھ
آہ ناکامی کی حسرت سعیٔ لاحاصل سے پوچھ

(اشک خونیں ص ۳۵-۳۶)

میری قسمت کی طرح اُف تم بھی اب خاموش ہو
میں سمجھتی تھی کہ تم غمخوار ہو غم کوش ہو

میری حسرت کی طرح تم پر اُداسی چھا گئی
دل تمھارا اُف نہ میری آہ کچھ تڑپا گئی

یہ خموشی یہ سکوت اُف کس خطا کی ہے سزا
کچھ تو بتلاؤ مجھے بہرِ خدا بہرِ خدا

کی تمھاری گفتگو نے بھی خموشی اختیار
رہ گئی خاموش ہو کر آہ چشمِ بیقرار

[اشکِ خونیں صفحہ ۳۶-۳۷]

الٰہ آباد سے

اے الٰہ آباد اے بیت السکون دارالاماں
زینتِ گردونِ گرداں رَوِشِ نیا سال

اے کہ تیرا نام تھا سرمایۂ عہدِ آرزو
ذات تیری تھا گوہرِ امید کی تھی آبرو

اے کہ تیرا ذکر نورِ دیدۂ مشتاق تھا
اے کہ تو قلبِ حزیں کا وجہِ صد تسکیں رہا

اے کہ تھیں تیری ہوائیں نکہت بستاں فروش
اے کہ تھیں تیری فضائیں گلشنِ رضواں فروش

اے کہ دریا تھے ترے تسنیم و کوثر آشنا
قطرہ قطرہ جن کا رشکِ چشمۂ حیواں تھا

اے کہ تیرے خار تھے گلہائے جنت آفریں
تھی گیاہِ خشک رشکِ گلبنِ غنچہ نشیں

اے کہ تیرے روزِ روشن تھے جہانِ انبساط
جن کے ہر لمحہ سے عنبر پاش تھی بوئے نشاط

اے کہ تھیں راتیں تری اک بقعۂ نور سکوں
جن کی خاموشی طمانیت کا تھی حسن فسوں

جنت رنگیں تھیں شامیں تیری برسات کی
بادۂ کوثر سے اٹھتی تھیں گھٹائیں رات کی

اے کہ تیری فصلِ گل تھی رشکِ صبحِ جناں
لالہ و گل سے ٹپکتی تھی شرابِ ارغواں

اے کہ تیرے ذرہ ذرہ میں تھا اک نورِ نشاط
اے کہ ہر ذرہ میں تھی دنیائے مسرور نشاط

یاد بھی تجھکو کبھی آتا ہے اے رنگیں ادا
سرفروشانِ رہِ الفت کا اندازِ وفا

یاد بھی آتا ہے اے بستانِ جنت آشنا
نغمۂ جذبِ محبت بلبلِ مہجور کا

یاد بھی آتی ہے تجھکو اے گلِ جنّت فروش
یا نہ بھی آتی ہے تجھکو اے فلکِ رفعت کبھی
محفلِ عیش و مسرت کچھ تجھے آتی ہے یاد
یاد ہیں کچھ خاتمِ جذبِ وفا کے دلنشیں
جن کی ہر تابش میں تھی دنیائے رنگینِ وفا
آہ لیکن اے تغافل آزما غفلت نواز
کر دیئے نذرِ فراموشی وہ رخشندہ گہر
توڑ ڈالا شیشۂ خورشید آرائے وفا
آہ وہ پیمانِ الفت آہ وہ عہدِ وفا
"اہلِ دل نقشِ وفا کو یوں مٹا دیتے نہیں"
ہے کسی کے سر میں الفت کا جنوں اب تک وہی
ہاں پرستارانِ الفت آج تک بیتاب ہیں
ہے ابھی تک دل میں برپا یہ ہجومِ آرزو
جنبشِ تیغِ اجل کی یہ ستم آرا جفا
دور گردوں نے چھڑایا اف تری آغوش سے
شکل تیری کاش پھر اک بار آ جائے نظر
کاش تیری خاک سے آنکھوں کی پھر تابش بڑھے
غم کا دریا موجزن ہے بحرِ محسوسات میں
جوشِ غم سے طاقتِ گفتار ہوتی ہے تمام

اپنی جاں افزا شمیم و نکہتِ الفت فروش
اپنے خورشیدِ منزہ کی درخشاں روشنی
شمعِ خورشید آستاں کی ضوئے نور خندہ زاد
وہ نقوشِ الفت و صدق و محبت آفریں
جس کے ہر لمحہ میں تھی صدق و محبت کی ضیا
کس قدر جانسوز ہے تیرا طریقِ بے نیاز
جن کے ضو پر اہلِ دل قربان کر دیتے تھے سر
جس کی تابش پر فدا کرتے تھے دل اہلِ صفا
تو نے سنگِ بے نیازی سے شکستہ کر دیا
دولتِ صدق و صفا کو یوں لٹا دیتے نہیں
ہے دلوں میں آج تک شمعِ وفا کی روشنی
تیرے شوقِ دید میں اف ہائے بے آب ہیں
کاش آ جائے کہیں سے تیری عنبر بیز بو
تیری جنت زا فضاؤں سے جدا یوں کر دیا
دور پھینکا آہ تجھ سے گردشِ ایام نے
یہ تجلّی دیدۂ بیتاب کو کر دے قمر
دل مرا جنّت بنے اُف پھر ترے دیدار سے
اشکِ خونیں کا تلاطم قلزمِ جذبات میں
السّلام اے مرکزِ جذبِ تمنا السّلام

اشکِ خونیں صفحہ ۴۳ و ۴۴

ہلالِ رمضان

مژدہ باد اے مومنانِ تشنہ کام
جلوہ افگن ہو گیا ماہِ صیام

چشم روشن ہے تجلّی آفریں
مرجعِ تنویرِ محرابِ جبیں

جنبشِ مژگاں ہے پیغامِ سرور
عکسِ ابرو بارشِ امواجِ نور

ہیں لبِ نازک تبسّم آشنا
جلوۂ رخسار ہے تقدیس زا

آگیا ماہِ مبارک مژدہ باد
قلب و دل ہیں کس قدر مسرور و شاد

السّلام اے مخزنِ فیضِ عطا
السّلام اے معدنِ صدق و صفا

السّلام اے رحمتِ ربِّ کریم
السّلام اے لطفِ رحمٰن رحیم

عظمتِ توحید کے سرمایہ دار
برکتِ تقدیس کی رنگیں بہار

ہیں جلو میں رحمتیں جلوہ نشاں
ہر قدم سے قدس کی تابانیاں

نو بہارِ گلشنِ اسلام ہے
یا خدا کا بہتریں انعام ہے

ہے دوائے دردمندانِ حزیں
مرہمِ تسکینِ قلبِ غم نشیں

منبعِ راحت ہے بہرِ عاشقاں
مژدۂ رحمت برائے عامیاں

قاصدِ رنگیں لقائے دوست ہے
تو پیامِ دلربائے دوست ہے

متصل کرتا ہے تو معبود سے
روحِ ساجد کو درِ مسجود سے

قرب بندوں کو خدائے پاک کا
دامنوں میں تیرے ہوتا ہے عطا

برکتیں ہیں ہر قدم سے جلوہ بار
رحمتیں ہیں ساتھ تیرے بےشمار

ہیں پیامِ لطف یہ لیل و نہار
شانِ رحمت ہر طرف ہے آشکار

بخششِ مولا کا ہوتا ہے وفور
رحمتِ رحمان کرتی ہے ظہور

جوش میں آتا ہے دریائے کرم
بخششیں ہوتی ہیں ہر لمحہ رقم

عفو ہوتی ہیں خطائیں روز و شب
رحمتیں ہوتی ہیں حاصل بے طلب

اے مہِ تقدیس پرور دائما
تو رہے اسلام پر رحمت فزا

برکتیں تیری تجلّی زار ہیں
تا قیامت گلشنِ اسلام میں

مومنوں کو اے خدا توفیق ہو
وہ بجا لائیں ترے احکام کو

منحرف ہرگز نہ ہوں اسلام سے
حُبِّ مذہب اُن کی رگ رگ میں رہے

ہے دعا پنہاں کی اے ربِّ جہاں
نورِ ایماں سے رہے دل ضوفشاں

شبِ ماہ

حُسن کی شفاف لہریں مصدرِ صد خامشی
ایک سکوتِ مستقل برسا رہی ہے روشنی

منبعِ انوارِ تاباں ہے بساطِ آسماں
ہو گیا ہے ماند رنگِ ارغوانِ کہکشاں

جلوہ آرا ہے بصد انداز محبوبیِ قمر
عارضِ روشن میں امواجِ تجلّی منتشر

ہر ادا سے اک سکوتِ دلربا جلوہ نما
ہے نگاہوں کا تموّج بھی باندازِ حیا

ڈھل گئے ہیں نور کی موجوں میں رخسارِ فضا
ذرّہ ذرّہ مرکزِ تنویر ہے آئینہ سا

ہے بساطِ سبزۂ رنگیں جوابِ آسماں
سرد اور شفاف قطرے ہیں گلوں پر درفشاں

نازنیں پودوں کی شاخیں بےخبر ہیں محوِ خواب
جھک گئی ہے نیند سے نرگس کی چشمِ سیم تاب

ہے ردائے نور میں ملفوف نظمِ کائنات
ایک سنجیدہ سکوں میں غرق بزمِ شش جہات

غرق بحرِ نور میں ہے دامنِ بزمِ فلک
پڑ گئی پھیکی کواکب کی ضیا افشاں جھلک

چشمِ نازاں کا تموّج نازشِ تنویر ہے
خندۂ لب ہائے رنگیں کیف کی تفسیر ہے

ہر قدم پر ہو رہی ہے اک متانت سی نثار
جنبشِ ابروئے محرابی ہے حسنِ صد وقار

ہیں سبک رفتار امواجِ نسیمِ مشکبار
پتّی پتّی پر توِ انوار سے تابش نثار

چپکے چپکے کچھ شگوفے کھل رہے ہیں ناز سے
نسترن ہے عطر افشاں دلربا انداز سے

ہے تجلّی ریز جس سے شبنمی تاروں کا نور
سرنگوں پتوں پہ ہیں بکھری ہوئی روشن سطور

پتّیاں چمپا کی کیفِ نوم سے مخمور ہیں
دامنِ مژگاں میں لیکن نکہتیں مستور ہیں

سیم گوں چشموں کی موجیں محوِ راحت ہو گئیں
نیلوفر کی نرم کلیاں بیخبر سی سو گئیں

زرفشاں آئینۂ جو میں ہیں رخسارِ قمر
چاندنی پھیلی ہوئی ہے بر ردائے آب پر

اے مہِ تاباں یہ تیرا طرزِ رفتارِ خموش
بہرِ گوشِ قلب ہے پیغامِ عرفان و سروش

گوشِ دل سنتا ہے آوازِ درائے کارواں
چشمِ بینا دیکھتی ہے نقشِ پائے رفتگاں

ڈھونڈتی ہے روح راہِ ارتقائے زندگی
چاہتا ہے دل کہ حاصل ہو حقیقی خرّمی

قلب کی گہرائیوں سے یہ نکلتی ہے دعا
روح کی وابستگی کو مطلقاً کر دے جدا

تابشِ عرفاں دلِ تاریک پر ہو جلوہ گر
قلبِ پنہاں میں ہو ضو افگن جمالِ منتظر

رک گیا ہے دامنِ ساحل میں اب آبِ رواں
ہو گئیں ساکن کنارے جو کنول کی ڈالیاں

نو عروسِ نازنیں جیسے بانداز و ادا
موجزن پانی میں ہے اک دریا نور کا

یہ نگاہوں کا تحیّر یہ سکوتِ متّصل
سرِ پنہاں منکشف ہوتے ہیں پیشِ چشمِ دل

قلب پر کھلتے ہیں اسرارِ تماشائے حیات
منحرف کرتی ہے دل کو زندگیٔ بے ثبات

راحتِ اصلی کو ہوتی ہے نظر کی جستجو
آنکھ کو بے کیف آتے ہیں نظارے رنگ و بو

اس حیاتِ منتشر سے اے خدائے لایزال
کر عطا جذبِ حقیقت سے حقیقی اتصال
مست کر دے روح کو سُکرِ خمارِ معرفت
چشمِ دل ہو محو دیدارِ نگارِ معرفت

ہے آہ دردِ سوز کی دنیا لئے ہوئے
طوفانِ اشکِ خونِ تمنا لئے ہوئے
میں ایک طرف ہوں شکلِ خزاں پائمال یاس
اک سمت وہ بہار کا جلوہ لئے ہوئے
مجنوں سے تو حقیقتِ صحرائے نجد پوچھ
ہے ذرّہ ذرّہ جلوۂ لیلےٰ لئے ہوئے
عشقِ جنوں نواز چلا بزمِ ناز میں
اک اضطرابِ شوق کی دنیا لئے ہوئے
میری تو ہر نگاہ ہے وقفِ عبودیت
وہ ہر ادا میں حسنِ کلیسا لئے ہوئے

اے اجل تجھکو مبارک ہوں یہ ظلم آرائیاں
لوٹ لے دل کھول کر ظالم یہ گلزارِ جہاں
ہے مزین اپنی ہستی سے ترا دربارِ ظلم
ہے ہمارے خون سے لبریز یہ مینائے ظلم
میری بربادی میں مضمر تیرا رازِ زندگی
سوز ہے مظلوم کا ظالم کا سازِ زندگی
آہ ہو جائے شکستہ کاش یہ تارِ نفس
ہو کہیں آزاد یہ مرغِ گرفتارِ قفس
کر دے اے بادِ اجل گل اب مری شمعِ حیات
میرے روزِ زندگی کی کاش اب ہو جائے رات

کاش پہنچے تجھ تلک میرا پیامِ اشتیاق
کاش سُن لے آج تو بھی قصۂ دردِ فراق

لہ یہ اشعار ایک نظم سے لئے گئے ہیں جو موصوفہ نے محترمہ خاتون اکرم کی ذات پر لکھی تھی۔

کیا کہوں تیری جدائی نے کئے کیا کیا ستم
ترجمانِ قلبِ مضطر ہے مری مژگانِ غم
تیرا جانا اک قیامت ہی دلوں کے واسطے
روح فرسا کیا کہوں کس درجہ تیرا ہجر ہے
قلبِ مضطر، چشمِ نم، سینہ تپاں، مثلِ شرر
جنبشِ مژگانِ تر برساتی ہے خونِ جگر

تہنیت

آسمانِ نیلگوں پر ضوفشاں ہے ماہتاب
سلکِ گوہر کی طرح بکھری ہے، سلکِ کہکشاں
ٹمٹماتے ہیں ستارے جس طرح چشمِ حباب
ہے فضا ساکن، زمیں خاموش، ساکت آسماں

پاس کے سیمگوں غنچے بھی ہیں سوئے ہوئے
ہے تقاطرِ شبنمِ گلریز کا گوہر تراش
برگِ گلہائے حسیں اک کیف میں کھوئے ہوئے
اک شعاعِ نور سی ہے آسماں سے سیم پاش

رک گئیں امواج، ساکن ہو گیا آبِ رواں
نیلوفر آغوشِ جو میں سو رہا ہے بے حجاب
جھک گئیں خاموش چشمے کے کنارے ڈالیاں
عکسِ مہ سے اک تجلّی ہے تہِ دامانِ آب

اک فضائے کیف آور میں یہ بزمِ رنگ و بو
محفلِ رنگیں میں جوشِ شوق و سامانِ طرب
ذرّہ ذرّہ سے نمایاں انبساطِ آرزو
پتّہ پتّہ گل بداماں گل بدوش و گل بکف

مرحبا جوشِ تمنّا حبّذا شوق سرور
عشرتِ رنگیں سے ہے تابشِ فزا تارِ نظر
مرتعش ہے قلب کے پردوں میں اک کیفِ ظہور
ہے شبِ امید میں عکسِ تجلّائے سحر

آرزو دیرینہ امیدوں کی برآئی ہے آج
عشرتِ شامِ تمنّا رشکِ صبحِ عید ہے
لے رہی ہے رونقِ شب صبحِ فردا سے خراج
فضلِ ربانی کی شامل اس طرح تائید ہے

ہو مبارک آپ کو اے ہمنوایانِ چمن
محفلِ عشرت فروزاں جلسۂ شوق آفریں
ہو مبارک آپ کو اے نکتہ سنجانِ سخن
مجلسِ شعر و ادب بزمِ لطیف و دلنشیں

یہ گلستاں حشر تک گل ریز و گل افشاں رہے
اہلِ گلشن کی نوائیں آسماں افراز ہوں
یہ چمن زارِ ادب پنہاں طرب ساماں رہے
اب دعا ہے اہلِ محفل میری ہم آواز ہوں
تا ابد بزمِ سخن ہو ربِّ عالم پُر بہار
گل بدوش و گل بداماں گل بکف گلدر کنار

---

۲۶ مارچ ۱۹۴۰ء کو دہلی میں ایک زنانہ مشاعرہ ہوا تھا یہ نظم اس کے آغاز میں پڑھی گئی تھی۔

ت

تسنیم

جمیلہ خاتون نام اور تسنیم تخلص ہے۔ ملیح آباد کی رہنے والی ہیں۔ آپ دورِ حاضر کی ایک خوش گو شاعرہ ہیں۔ آپ کے کلام میں سوز و حسرت ہے۔ اشعار جذبات کے ترجمان اور کیفیاتِ قلب کے آئینہ دار ہیں۔

زندگی کو ایک بحرِ بیکراں پاتی ہوں میں
ان کے ہاتھوں مٹ کے عمرِ جاوداں پاتی ہوں میں

خود بخود دل ہو گیا دونوں جہاں سے بے نیاز
اب زمینِ عشق کو یا آسماں پاتی ہوں میں

جھٹ پٹے سے دل بجھا رہتا ہے تیری یاد میں
چاندنی راتوں میں اشکوں کو رواں پاتی ہوں میں

سیکڑوں سجدے تڑپتے ہیں جبینِ شوق میں
اے حقیقت تیرا نقشِ پا کہاں پاتی ہوں میں

اب بھی آنسو بہہ نکلتے ہیں کسی کی یاد میں
عندلیبِ زار کو جب نوحہ خواں پاتی ہوں میں

اپنا اے تسنیم اس دنیا سے گھبراتا ہے دل
یاں کی ہر شے کو فقط وہم و گماں پاتی ہوں میں

ث

ثریا

احمد النساء بیگم نام اور ثریا تخلص ہے۔ سید ظہور الحق صاحب سابق مہتمم دائرۃ المعارف (حیدر آباد دکن) کی دختر ہیں۔ محترمہ احمد النساء کی پیدائش ۲۷ رمضان سنہ ۱۳۴۰ھ یوم جمعہ کو ہوئی۔ ابتدائی فارسی اور اردو تعلیم

گھر پر ہوئی - اس کے بعد مدرسہ تعلیم المعلمات میں شریک ہوئیں - پھر مدرسہ فوقانیہ اندرونِ شہر سے عثمانیہ میٹرک کا امتحان پاس کیا - پھر کلّیہ اناث میں تعلیم پائی -

اُردو زبان کی ادبی خدمت نظم نگاری، تراجم، اور مضمون نگاری کے ذریعہ کر رہی ہیں - شمالی ہند اور حیدرآباد کے رسالوں میں کلام اور مضامین شائع ہوتے ہیں - شاعری میں آپ کو اپنے والد سے تلمذ حاصل ہے کلام میں صفائی موجود ہے - اسلوبِ بیان صاف اور سادہ ہے -

آپ فارسی میں بھی کہتی ہیں، جلسوں وغیرہ میں بھی اکثر نظمیں سناتی ہیں - ذیل کی غزل آپ نے بہادر شاہ ظفر کی مشہور غزل پر لکھی ہے مگر وہ رنگ نبھ نہیں سکا -

میں فلک کی آنکھ میں خار تھی، میں زمیں کے دوش پہ بار تھی
نگہ زمانہ میں عار تھی، اسی غم میں سینہ فگار تھی

ترے لطف نے مجھے چن لیا، مرے دل کی بات کو سن لیا
میرا عیب چھوڑ کے گن لیا، مرے گن کو اور بھی دُھن لیا

ترے لطف عام نے بے صلہ، مجھے اپنی بزم میں دی جگہ
ترا لطفِ عام ہی بے شبہ ہے مرے سکون کا واسطہ

تری آرزوئیں تمام ہوں، تجھے عمر خضر کی ہو عطا
تو ہمیشہ پائے ترقیاں، رکھے نیک نام تجھے خدا

دل ہے تمھاری جانب نظریں اِدھر اُدھر ہیں
سمجھے نہ کوئی تاکہ منظورِ میری تم ہو

سچ ہے پرائی آگ میں پڑتا نہیں کوئی
ہمراہ کوہ طور کے موسیٰ نہ جل گئے

ثریا

ثریا تسلیم نام اور ثریا تخلص ہے، بی۔ اے تک تعلیم پائی ہے؛ دورِ جدید کی ایک خوش ذوق و خوش گو شاعرہ ہیں۔ آپ کے اشعار بلند ہوتے ہیں۔ آپ کے یہاں غیرت، خودداری، اور خیالات کی بلندی موجود ہے۔ آپ کا اسلوب بیان پاکیزہ اور زبان شستہ ہے۔

روداِد تخیّل

اُمید سے تو جنتِ رقصاں نہ طلب کر
بن یاس مگر عیش گریزاں نہ طلب کر

محنت ہے جہنم تو سمجھ لے اسے گلزار
گلزار ہے عشرت تو گلستاں نہ طلب کر

شیرینیِ احسان کی ہے تلخی سمِ قاتل
اس زہر کو اے بندۂ احساں نہ طلب کر

آنکھوں سے ڈھلکتے رہیں گر خون کے آنسو
عمّان سے بھی تو گوہرِ غلطاں نہ طلب کر

جل بجھ تو اسی آگ میں جو دل سے لگی ہے
خرمن کیلئے شعلۂ رقصاں نہ طلب کر

تو دولۂ شوق کی منزل سے گزر جا
منزل کیلئے جادۂ حیراں نہ طلب کر

بجلی کے خزانے ہیں تیری قلبِ تپاں میں
حاسد کیلئے برقِ خراماں نہ طلب کر

گر موجِ قناعت تیرے ساحل ہیں ہے موجود
دولت سے اُمنڈتا ہوا طوفاں نہ طلب کر

رہتا ہے سبکبار تو آئینِ عمل سے
سرمایۂ اندوہ فراواں نہ طلب کر

تدبیر کے ہر پھول میں فردوسِ عمل ہے
تقدیر کے غم میں گُل و ریحاں نہ طلب کر

ثریّاؔ

محترمہ عائشہ حسین ثریّا کاکوری کی شاعرہ ہیں، کلام اکثر عصمت، خاتونِ مشرق ایشیا وغیرہ رسالوں میں چھپتا ہے۔ آپ محاکات خوب لکھتی ہیں۔ آپ کا بڑا جوہر منظر نگاری میں جذبات کی آمیزش ہے، طرزِ ادا نہایت لطیف و پُر کیف ہے۔

چشمہ

آکاش کے نیلے دامن کے
تاریک و منور سایوں میں

سر سبز زمیں کے سینے پر
قدرت کے حسیں کہساروں میں

پھولوں کی رنگیں بستی سے
کھیتوں کے حسیں میدانوں میں

فطرت کے حسیں ایوانوں میں
میں چپکے چپکے بہتا ہوں

کہسار کے سنگیں سینے کا
بے چین سا رازِ سربستہ

رخسار پہ کوہی مہ[1] داں کے
اک اشک ہوں چشمِ فطرت کا

قدرت کے دوش پہ گیسو ہوں
بکھرا سا اور بکھرایا سا

---

[1] محترمہ ادا بدایونی نے بھی اپنی نظم "جھیل" میں جھیل کے لئے یہی تشبیہ اختیار کی ہے ع "آنسو ٹھہر گیا ہے رخسار پر زمیں کے"

فطرت کے حسیں ایوانوں میں
میں چپکے چپکے بہتا ہوں

کل دنیا سپنوں میں گم ہے — اور سانس کی بھی آواز نہیں
سوتے ہیں نواسنجانِ چمن — مصروفیتِ پرواز نہیں
کچھ محفل سونی سونی ہے — وہ نغمہ نہیں وہ ساز نہیں

تاروں کی چپ چپ چھاؤں میں
میں چپکے چپکے بہتا ہوں

اس وقت فضا کی مدہوشی — پُر کیف ہوا کے جھونکوں سے
مہتاب کی زریں کشتی کو — تاروں کی چمکتی آنکھوں سے
پوشیدہ زمیں پر لاتی ہے — کہنے کو سنہری کرنوں سے

ہر ذرہ رشک سے تکتا ہے
میں چپکے چپکے بہتا ہوں

ثروت :-

ثروت جمیل نام - اور ثروت تخلص ہے۔ آپ کا تعلق مظفر نگر سے ہے آپ کے دل میں قوم وملت کا بڑا درد ہے۔ کلام میں بڑا جوش وکیف ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ حالی اور خصوصاً اقبالؒ سے بہت متاثر ہوئی ہیں۔ آپ کا کلام قومی و ملی شاعری کا اچھا نمونہ ہے۔

بختِ خوابیدۂ مسلم کو جگا دے یارب

راہ گم کردہ کو پھر راہ دکھا دے یارب — موجِ گم گشتہ کو دریا سے ملا دے یارب
کون ہے "پھر یہ زمانے کو بتا دے یارب — بندۂ حق کو غلامی سے چھڑا دے یارب
ظلمتِ کفر کا ادبار مٹا دے یارب — شمعِ خاموش کو پھر آج جلا دے یارب

رشکِ خورشید تو ذرّے کو بنا دے یارب
بختِ خوابیدۂ مسلم کو جگا دے یارب

پھر سرِ دوشِ ثریا ہو مقامِ مسلم
غیرتِ مہر ضیا بار ہو نامِ مسلم

مئے توحید سے لبریز ہو جامِ مسلم
پھر صنم خانہ ہستی ہو غلامِ مسلم

کندہ دہر ہو پھر نقشِ دوامِ مسلم
کاش پھر زندہ جاوید ہو نامِ مسلم

مردِ مومن کو پھر آزاد بنا دے یارب
بخت خوابیدہ مسلم کو جگا دے یارب

ناخدا سے ہوئے بیگانہ جو اہلِ کشتی
کون تھے آہ رسولِ مدنی بھول گئے[1]

اس قدر مست ہوئے پی کے غلامی کی شراب
اپنا افسانہ شیشہ شکنی بھول گئے

نشۂ عیش میں غافل ہیں مجاہد تیرے
بہر تلوار یہ تشنہ دہنی بھول گئے

رازِ توحید مسلماں کو بتا دے یارب
بخت خوابیدہ مسلم کو جگا دے یارب

زخم کھا کھا کے جو دشمن کو دعا دیتے تھے
آج باہم وہی لڑ لڑ کے مرے جاتے ہیں

جن کے سینوں میں تھا گنجینۂ ضبط و الفت
حال پر اپنے وہ اغیار کو ہنسواتے ہیں

خونِ مسلم کے ہوئے خود ہی مسلماں پیاسے
اپنے گھر آگ لگانے میں مزے آتے ہیں

خانہ جنگی کو ہماری تو مٹا دے یارب
بخت خوابیدہ مسلم کو جگا دے یارب

---

[1] علامہ اقبال رح

اے تہی از ذوق و شوق و سوز و درد
می شناسی عصرِ ما، با ما چہ کرد

عصرِ ما، مارا ز ما بیگانہ کرد
از جمالِ مصطفٰے بیگانہ کرد

(مثنوی "پس چہ باید کرد اے اقوام شرق" ص۳۵)

جوش میں کاش پھر آجائے مسلماں کا لہو
توڑ دیں بندِ غلامی تیرے آزاد غلام

ماہ و انجم کو گلے اٹھ کے ملا دیں باہم
حریت، الفت و توحید کا لیکر پیغام

تیشۂ حق سے کریں قطع حصارِ باطل
ظلمت دہر میں ہو روشنی شمع کلام

قلب پر تمغۂ ایمان لگا دے یا رب
بختِ خوابیدۂ مسلم کو جگا دے یا رب

عرصۂ جہد میں سرگرمِ عمل ہو مسلم
مردہ دل قوموں کو پھر دولتِ جانبازی دے[1]

خلق اسلاف کی تقلید میسر ہو ہمیں
پائے خاموش کو پھر ہمتِ آبائی دے

لیکے فریاد ترے در پہ کھڑی ہے ثروت
روحِ مسلم ہے گرفتار، پھر آزادی دے

دستِ الطاف پھر اس سمت بڑھا دے یا رب
بختِ خوابیدۂ مسلم کو جگا دے یا رب

ج

جمال ـ جمالہ ـ محترمہ بلقیس جمال بریلوی

محترمہ بلقیس جمال دورِ جدید کی ایک نہایت ممتاز اور قابلِ فخر شاعرہ ہیں

---

[1] علامہ اقبالؒ سے

اپنے پروانوں کو پھر ذوقِ خود افروزی دے ؛ برقِ دیرینہ کو فرمانِ جگر سوزی دے (شکوہ)

آپ کا شمار دورِ حاضر کی ان شاعرات میں ہے جن کو انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے
آپ کی ہستی اُردو شاعری کیلئے قابلِ فخر ہے۔ آپ کے کلام کا رنگ پختہ ہے
مایوس و خونچکاں جذبات کی ترجمانی آپ کا خاص جوہر ہے۔ علاوہ ازیں آپ
نے قدرت کی باریکیوں کا بھی خوب مطالعہ کیا ہے، آپ کی نظمیں مناظرِ فطرت
کی مصوری کا دلآویز نمونہ ہوتی ہیں۔ آپ کی تاریخی، قومی، ملی، اخلاقی، جذباتی
اور رومانی نظمیں بہت پُرکیف ہیں اور شائع ہو کر مقبولِ عام ہو چکی ہیں۔

آپ کی بڑی بہن محترمہ آمنہ خاتون عفت نے آپ کے جو حالات
اپنی زیرِ نگرانی لکھوا کر ارسال فرمائے ہیں وہ درج ذیل ہیں:۔

"محترمہ بلقیس جمال بریلوی) دختر سوئم شیخ مولوی عبدالاحد صاحب مرحوم
سپرنٹنڈنٹ ڈی۔ پی۔ آئی۔ آفس الہ آباد ۸ دسمبر ۱۹۰۹ء کو بریلی میں
پیدا ہوئیں۔ اور طفولیت میں اپنے والد کی جائے ملازمت الہ آباد چلی
گئیں۔ ۸ سال کی عمر میں قرآن شریف اور اُردو وغیرہ کی تعلیم سے فارغ
ہو چکی تھیں پھر فارسی اور انگریزی کی تعلیم اپنی ہمشیرہ محترمہ رابعہ خاتون نہاں
بریلوی سے حاصل کی، ۹ سال کی عمر میں مضمون نگاری کی ابتدا کی۔
شروع ہی سے آپ کی تحریر کا خاص ادیبانہ رنگ تھا۔ چنانچہ اول دن
ہی سے ملک کے جملہ اخبار و رسائل نے نہایت ذوق و شوق و امتیاز
کے ساتھ آپ کی تحریریں شائع کرنا شروع کیں۔ طبیعت بچپن ہی سے
شاعرانہ تھی۔ اور اوائل عمر سے جذبات میں درد اور سوز کوٹ کوٹ کر
بھرا ہوا تھا۔ چنانچہ آپ کے جملہ افسانے حزنیہ اور دردناک ہوتے تھے

صغر سنی میں اساتذہ کا بیشمار کلام نوکِ زبان تھا۔ جسے آپ کے والد صاحب مرحوم اپنے صاحبِ ذوق دوستوں کو سنوا کر خوش ہوا کرتے تھے۔ سمرنا فتح ہونے پر اسلامی جذبات نے برانگیختہ ہو کر قصیدۂ اوّل کی شکل اختیار کی۔ اور اسی وقت سے شاعری کی بھی ابتدا ہو گئی۔ نثر کی اصلاح تو خود والد صاحب قبلہ فرماتے تھے لیکن چونکہ وہ عروض سے ناواقف تھے اس لئے آپ نے غزلوں اور نظموں کی اصلاح قبلہ ماجد علی صاحب مرحوم و مغفور کے سپرد فرما دی۔ استادِ مرحوم نے کچھ عرصہ کے بعد اپنے بھتیجے سید طالب علی صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ ایڈووکیٹ الہ آبادی کی شاگردی میں دے دیا چنانچہ دو سال قبلہ طالب علی الہ آبادی نے نظم و نثر کی اصلاح دی، اور پھر سندِ کامل دے دی۔

سنہ ۱۹۲۵ء میں آپ کے والد صاحب نے وفات پائی۔ اور آپ اپنی والدہ صاحبہ کے ہمراہ بریلی تشریف لے آئیں۔ جہاں دسمبر سنہ ۱۹۲۷ء میں آپ کی شادی مولانا حافظ عبدالجلیل صاحب بی۔ ایس۔ سی۔ ایل۔ بی۔ وکیل سے ہو گئی جن سے آپ کے والدِ مرحوم کچھ عرصہ گزرے خود رشتہ فرما چکے تھے۔ حافظ صاحب مرحوم آپ کے والد کے قریبی عزیز تھے۔ آپ کے والد نے آپ کا رشتہ اپنی مرضی سے کیا تھا۔ بعد شادی آپ اپنے عزیز شوہر کے ہمراہ کچھ عرصہ مظفر نگر اور پھر میرٹھ میں مقیم رہیں جہاں وہ وکالت کرتے تھے۔ ۲۵ جون سنہ ۱۹۴۰ء کو آپ کے رفیق زندگی نے اچانک داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور عرصہ تین سال سے جب سے آپ کے شریکِ زندگی نے ساتھ چھوڑا ہے

آپ کی دماغی حالت اس شدید صدمہ کی وجہ سے ازحد مضروب ہے۔
اور آپ کے علمی۔ ادبی مشغلے سب مُردہ ہو گئے ہیں۔ آپ کا کلام اوّل دن
سے ازحد مقبول ہوا ؛ چونکہ ابتدا ہی سے رنگین و پُر سوز تھا۔ ملک کی بیشتر
شاعرات نے آپ سے اصلاحِ سخن حاصل کی اور آپ کی شاگردی اختیار کی
آپ کی نظموں کے دو مجموعے "آئینۂ جمال" اور "قوس قزح" شائع ہو کر مقبول
ہو چکے ہیں۔ اور آپ کے افسانوں کے مجموعے زیرِ اشاعت ہیں۔ آپ پابندِ
صوم و صلوٰۃ اور مشرقی تہذیب کی پرستار ہیں چنانچہ شرعی پردے کو پسند
فرماتی ہیں۔ اسی وجہ سے باوجود سخت کوشش و جستجو آپ کا فوٹو کبھی کسی رسالے
میں شائع نہیں ہوا۔ آپ کے پانچ بچے ہیں جن میں دو لڑکے اور تین لڑکیاں
ہیں۔ آپ نہایت رقیق القلب۔ دردمند اور خوش مزاج ہیں۔ طبیعت سادگی
پسند اور تصنع سے مبرّا ہے۔"

خود محترمہ کا انتخاب جو آپ نے اس تذکرہ کے لئے عنایت فرمایا ہے یہ ہے:۔

پلا جنوں کو جو پیمانہ خارِ پیمائی — وہاں دشت سے آوازِ الاماں آئی
عدم سے جوشش وحشت میں تا وجود آئی — کہاں سے کھینچ کے مجھکو قضا کہاں لائی
نقب لگا کے مری آہ ان کی پلکوں میں — نگاہِ ناز سے کچھ بجلیاں چرا لائی
یہاں تو گوشۂ دل ہی میں جانے کیا دیکھا — کلیم طور پہ کرتے ہیں خارہ پیمائی

جمالِ زار کی جانب نگاہ کیوں اُٹھے
نظر کو ان کی ہے اندیشۂ مسیحائی

قلب جب آئینۂ آغاز ہے — آنکھ کیوں نا آشنائے راز ہے
کشمکش ہے کفر و ایماں کی فضول — آخری آنسو کشودِ راز ہے
لغزشِ پیہم کی پردہ داریاں — چشمِ ساقی کا نیا انداز ہے
نقشِ سجدہ ہے سرِ منزل جہاں — بس وہیں بابِ حریمِ ناز ہے
کب ہوئی ضائع متاعِ دردِ دل — میرا اک آنسو بقائے راز ہے

نگاہِ تمنا کی خاموش وسعت — کھنچی آرہی ہے دو عالم کی دولت
اٹھا دو ذرا آنکھ سے میری پردہ — دکھا دو مجھے حاصلِ دردِ الفت

تار میں اشک کے پُرولوں میں — گوہرِ سیم تاب آ تو سہی
میری آنکھیں ہیں بحرِ اشک رواں — دُرِ مکنوں خطاب آ تو سہی
چاند ہو ماند چاندنی پھیکی — غیرتِ ماہتاب آ تو سہی
لالہ و گل پہ اوس پڑ جائے — بالبِ خوش گلاب آ تو سہی
پانی پانی ہو دیکھ کر شبنم — دردِ ونداں کتاب آ تو سہی
پردۂ دل تجھے چھپا لے گا — تو کبھی بے نقاب آ تو سہی

سرِ محشر وہ کہتے ہیں تو ہے کون؟ — جبیں سے مٹ گیا نقشِ وفا کیا
کسی کی جستجو منزل بہ منزل — جماکہ اس جنوں سے فائدہ کیا

تربت پہ چڑھیں پھول نہ بتی نہ دیا ہو — اک داغ اُبھر آئے جوانی سب سے سوا ہو
آئینۂ دل چور ہوا ایک ضرب سے ہو کی — ٹوٹے ہوئے ہر ٹکڑے میں تو جلوہ نما ہو

در پردہ یہ عالم ہے کہ ہر آنکھ نے دیکھا
ظاہر میں یہ پردہ نہ کوئی دیکھ رہا ہو

پیمانۂ مستیٔ ہیبر سے ہونٹوں سے لگا کر
ارشاد یہ ہوتا ہے کہ سرزد نہ خطا ہو

سطورِ ذیل میں محترمہ کا مزید انتخاب کلام درج کیا جاتا ہے جو راقم السطور نے کیا ہے

آیا فضائے گل میں پیغام زندگانی (۱) کلیوں کی خامشی کو بخشی نئی جوانی

نمونہ فارسی کلام

بہ دست ظلمتِ شب ہائے غربت
سوادِ ماہِ منزل می فروشم

نگاہِ ناز در چشم نہاں شد
کہ من قاتل بہ بسمل می فروشم

چشمِ غماز فغاں ایوائے دلداری نہ کرد
رازِ پنہانی زرنگِ اشک پُرآب آید بروں[1]

چوں تماشائے دو عالم در نظر پوشیدہ
اے چراغِ نگاہت از حجاب آید بروں

تبسم ہائے گوناگوں۔ بچشمت برق اندازے
بہ دانم خندۂ تقدیرِ من در پردۂ نازے

پریشاں گشتہ ام از دردِ بیداری بہ خواب آیم
بہ دیدم کنجِ تنگِ ظلمت آرائے بلا سازے

نوٹ:- [1] اس زمین میں سب سے مشہور غزل مولانا جامی کی ہے جس کا مطلع یہ ہے

ایں قدر مستم کہ از چشمم شراب آید بروں
وز دلِ پر حسرتم بوئے کباب آید بروں

اس زمین میں بسمل نے بھی اچھی غزل کہی ہے جس کا مطلع یہ ہے :-

تا کجا از چشم زارم خونِ ناب آید بروں
کاش از پہلو دل پُر اضطراب آید بروں "ج"

پُرکیف وادیوں میں شاخوں کی گل فشانی — شبنم نوازِ غنچے اک حُسنِ ارغوانی

(۲) کلیوں کی بے حسی کو بادِ صبا نے توڑا — سبزہ کی خامشی میں نغمہ سا کچھ ہے پیدا
پتّوں نے ہلکے ہلکے اک مست راگ گایا — مدہوشِ کیف ہو کر شاخوں نے ساز چھیڑا

(۳) پھر رفتہ رفتہ گونجا، اک متحدہ ترانہ — رنگینیٔ فضا سے آئی صدائے نغمہ
تھا ہمنوائے الفت ہر ذرّہ اور قطرہ — تھا ہم صدائے عشرت ہر نخل، ہر شگوفہ

(۴) رنگِ چمن کو یارب حسنِ فضا مبارک — غنچوں کو صبحِ نو میں تازہ ہوا مبارک
کلیوں کی خامشی کو نغزِ صبا مبارک — پھولوں کو بلبلوں کی رنگیں نوا مبارک

(۵) یارب بصد تمنا، یہ عرضِ مدعا ہے — دن پھیر دے الٰہی خاموش التجا ہے
یہ غمزدہ جبالہ لذت کشِ دعا ہے — ناکام آرزو کو تیرا ہی آسرا ہے

"مولانا راشد الخیری کی وفات پر"

عجب غمناک ہے اے زندگی اب تیرا مستقبل
فسانہ دورِ ماضی کا خدارا مت سُنا اے دل
ہیں بحرِ یاس کی موجیں، نظر آتا نہیں ساحل
ٹٹولوں راہ اب کیسے ہوئی گُل مشعلِ منزل
پکاریں آہ اب کس کو، نہیں ہے ناخدا کوئی
اجل تجھ کو مبارک ہو تیرا یہ ذوقِ بیدردی

تصوّرِ خاتونؔ[۱] میں

کیف غم میں خاک ہے جامِ شرابِ زندگی — آبشارِ درد ہے بحرِ سرابِ زندگی
دیکھ آنکھیں کھول کر اے محوِ خوابِ زندگی — جاں بلب بادِ اجل سے ہے حبابِ زندگی
ٹوٹنے کو ہے طلسمِ آمد و شد بے خبر — دم زدن میں ہوگا برہم آہ خوابِ زندگی
مُنتشر ہو جائیں گے سب نغمہائے انبساط — جس گھڑی ٹوٹا کوئی تارِ ربابِ زندگی
یاسمیں شبنم بداماں گُل گریباں چاک ہیں — منظرِ حسرت ہے نیرنگِ شبابِ زندگی
آسمانِ زیست پر دکھلا کے جلوہ دوپہر — گوشۂ مرقد میں ڈوبا آفتابِ زندگی
خاک اُڑتی ہے گلوں کی بلبلیں خاموش ہیں — مختصر سا ہے یہی بابِ کتابِ زندگی
وقفِ ناکامی ہر اک ذرۂ بزمِ جہاں — کون کہہ سکتا ہے میں ہوں کامیابِ زندگی
کھیل ہی بچوں کا سازِ زندگی کا مشغلہ — موت کی آنکھوں سے دیکھے کوئی خوابِ زندگی

موت نے خاتونِ اکرم کی اشارہ کر دیا
دل کی حسرت آفریں آنکھوں کو بینا کر دیا

آہ اے خاتونِ اکرم جلوہ فرمائی تری — یاد ہے آنکھوں کو وہ تصویرِ رعنائی تری
بذلہ سنجی کی حیائیں مرتسم ہیں قلب پر — جلوہ گر آنکھوں میں ہے جذبات فرمائی تری
لوحِ دل پر نقش ہائے تازہ تر منقوش ہیں — بحرِ جاں میں آج تک ہے موج افزائی تری
تو نے رازِ دہرِ فانی آشکارا کر دئے — حاصلِ صد زندگانی تھی حیا زائی تری
آشنا ہے لذّتِ حرماں تھی چشمِ پُر حجاب — درد میں ڈوبی ہوئی ہر جذبہ آرائی تری

---

[۱] محترمہ خاتون اکرم صاحبہ

یہ جمالِ مضطرب ہے آہ بیزارِ حیات
کاش ملجائے اسے بھی نقشِ پیمائی تری
کشمکش ہائے زمانہ سے بہت بیچین ہوں
کب تلک یوں زہر نوشِ عالمِ فانی تری؟

یہ میرے بعد اے صیاد رنگِ گلستاں ہوگا
لہو روئیں گے غنچے گُل کا دامن دھجیاں ہوگا
ستارے ڈوبتے ہیں شمع کا بھی سانس آخر ہے
خدایا کون اب رازِ نہاں کا رازداں ہوگا

چلے تلاش میں اسکی رہِ طلب میں مگر
کچھ ایسے کھوئے کہ اپنی خبر بھی پا نہ سکے
جفائے اہلِ وطن کی یہ انتہا ہے جمال
قسم تک اپنے وطن کی ہم آہ کھا نہ سکے

انتخاب از "قوسِ قزح"

رنگیں شام ہے عالم آرا
منظر ہے کچھ بھیگا بھیگا
رنگِ شفق ہے ہلکا ہلکا
گلشن گلشن، صحرا صحرا
ساغرِ میگوں ہے ہر ذرّہ
بادۂ کوثر ہے ہر قطرہ

صحنِ چمن ہے کیف کا دریا
مست ہوئی ہے ساری دنیا
موجِ ہوا میں ہے اک نغما
موجودات ہے غرقِ صہبا
قوسِ قزح کا دیکھ کے جلوا
حیرت میں ہے چشمِ بینا

اُف یہ دھنک کا جلوۂ رنگیں
سرو ادی ہے دامنِ گلچیں
سرخ لبوں ہیں بادۂ شیریں
آنکھیں رنگیں، عارض سیمیں

نازِ بداماں محشر آگیں — دامنِ رنگیں، پلّو زرّیں

آنکھوں میں اک جامِ تبسّم — پتلی میں آرامِ تبسّم

ابرو میں اک دامِ تبسّم — زلفوں میں اک شامِ تبسّم

ہونٹوں پہ پیغامِ تبسّم — سرتاپا الہامِ تبسّم

([illegible])

"گنگا کنارے"

جب غم کا اندھیرا چھاتا ہے — جب دنیا سے گھبراتی ہوں

دل میرا جب بھر آتا ہے — جب یاس زدہ ہو جاتی ہوں

جی شورش سے گھبراتا ہے — ہر بات سے جب اُکتاتی ہوں

خود پاؤں مرا اُٹھ جاتا ہے — گنگا کے کنارے آتی ہوں

(۹ء)

"پیغامِ عمل"

آ سکوتِ شام میں پھر نالہ پیہم کریں[1] — آ لبِ خاموش کو پھر واقفِ ماتم کریں

آہِ دل کا شمعِ محفل کو بنا دیں رازدار — گرمکِ سوزاں کو سوزِ زیست کا محرم کریں

کھینچ لیں سینے سے پھر پوشیدہ نوکیں تیر کی — زخمہائے چاکِ دل شرمندۂ مرہم کریں

آ سرِ گلشن ہیں زخمِ غنچہ محتاجِ رفو — بلبلوں میں پھر بپا ہنگامۂ ماتم کریں

---

[1] علامہ اقبالؒ

ایک فریاد ہے مانندِ سپند اپنی بساط — اسی ہنگامہ سے محفل تہ و بالا کر دیں (بانگِ درا)

نسیم گوں کلیوں کو رنگِ زندگی سے رنگ دیں ☆ برگہائے خفتہ کو بیدار خوابِ غم کریں

اک شعاعِ نور چمکائیں جبینِ ماہ پر

ثبت کر دیں ایک آنسو آستینِ ماہ پر (صہ ۳۲)

شمع

آ، کہ تجھ میں جذب ہو کر میں بنوں جذباتِ نوش

آ کہ تیری مستیاں ہیں میری مخموری کا جوش

آ، کہ تیرے زمزمے ہیں میری ہستی کا خروش

آ کہ تجھ میں میرے نالے ہیں تجلیات پوش

تیرے نغموں میں نہاں ہے رمز و اسرارِ حیات

تیری آہوں کا دھواں ہے آبرو دارِ حیات

دونوں مِل کر جل بجھیں افسانۂ بیہوش میں

یعنی دونوں خاک ہو جائیں شرابِ جوش میں

دونوں خاکستر ہوں آتش خانۂ خاموش میں

پھونک دیں ہستی کو اپنی الفتِ مدہوش میں

آگ جو تجھ میں ہے وہ میرے دلِ غمگیں میں ہے

لاگ جو تجھ میں ہے میری آہِ آتش چیں میں ہے (صہ ۲۶)

۱؎ علامہ اقبال ؒ

اس چمن کو سبقِ آئینِ نمو کا دے کر ☆ قطرۂ شبنمِ بے مایہ کو دریا کر دیں [بانگِ درا]

"پروانہ"

میں محوِ سوز و ساز ہوں   خروشِ دل گداز ہوں
قتیلِ چشمِ ناز ہوں   شہیدِ صد نیاز ہوں

میں نغمۂ خموش ہوں   پیامِ سوز و جوش ہوں
شرر کدہ بدوش ہوں   نوائے خوں فروش ہوں

کہانیٔ غمِ جہاں   فسانۂ شرر چکاں
تباہیوں کی داستاں   شرر چکان و خوں فشاں

غمِ دوامِ عشق ہوں   کہ صبح و شامِ عشق ہوں
شہیدِ نامِ عشق ہوں   کہ اک پیامِ عشق ہوں

جو ہے تلاشِ بیخودی   نوائے و ماغِ آدمی
تلاش کردہ زندگی   کہ جو فقط مجھے ملی

میری حیاتِ مشتعل   ہے ایک سوزِ مستقل
یہی جہانِ آب و گل   یہی ہے جاں یہی ہے دل

فزوں ہے سوزشِ جگر   دہک رہے ہیں بال و پر
نظر اٹھا، اٹھا نظر   ہے شمع میری منتظر

لگی ہے آگ سربسر
سلام! عمرِ مختصر

(ص ۲۷ تا ۲۹)

"نغمۂ تمنّا"

اے برقِ تاباں جلوے دکھا جا
اے ساقیٔ جاں ساغر پلا جا
اے نغمہ ساماں نغمے سنا جا
بیخود بنا جا، آنکھوں میں آجا
آنکھوں میں آجا، دل میں سما جا

غمزوں کا مسکن چشمِ تمنّا
جلووں سے روشن ہو دل کی دنیا
ہو جائے گلشن صحرا بھی صحرا
اے حسنِ رعنا، آنکھوں میں آجا
آنکھوں میں آجا، دل میں سما جا

پردے اُٹھا دے او پردہ ساماں
جلوے دکھا دے او جلوہ افشاں
کافر بنا دے او کفر ساماں
اے سحرِ عریاں، آنکھوں میں آجا
آنکھوں میں آجا، دل میں سما جا

آنکھوں کی سُرخی میخانہ ساماں
پتلی کی بجلی اک قلب لرزاں
رخ کی تجلّی ایمن بہ داماں

حسنِ فراواں، آنکھوں میں آجا
آنکھوں میں آجا، دل میں سما جا
بیدار کردے، اے صبحِ سیمیں
ہشیار کردے اے صوتِ شیریں
سرشار کردے ساقیٔ رنگیں
اے حسنِ نمکیں، آنکھوں میں آجا
آنکھوں میں آجا، دل میں سما جا
پُرنور کردے اے ماہِ رخشاں
مخمور کردے اے کیف ساماں
مسحور کردے اے سحرِ عریاں
اے کیفِ عُریاں، آنکھوں میں آجا
آنکھوں میں آجا، دل میں سما جا
او جانِ دلبر کب تک یہ غمزہ
او شوخ کافر کب تک یہ عشوہ
ہے سنگِ در پر بیخودِ جمالؔ
او وجہِ سجدہ، آنکھوں میں آجا
آنکھوں میں آجا، دل میں سما جا

(۳۰-۲۹)

"صبحِ نیاز"

جذباتؔ ہیں اندوہگیں — احساس ہے غم آفریں
ارمانِ دل، دل کے مکیں — اور حسرتیں پہلو نشیں
برباد ہے قلبِ حزیں — ویراں ہے روحِ آتشیں
تیری نوا ہے دل نشیں — رازِ محبت کی امیں
آ، دل میں اے ناز آفریں — جھکنے کو ہے میری جبیں
ہاں اے مؤذن دے اذاں
(صـ ۳۲-۳۳)

ؔ ویران ہے یہ سینہ — طوفاں زدہ سفینہ
طوفاں اُٹھانے والے
اب آن کر بچا لے
ٹوٹے ہوئے دلوں کی
اے ناخدا دعا لے
برباد دل کی بستی — ساکت ہے سازِ ہستی
عالم ہے ایک ہُو کا
بے جہت رنگ و بو کا
پھر بھی دلِ حزیں ہے
کاشانہ آرزو کا
ہاں پھر ہو جلوہ افگن — دونوں جہاں ہوں روشن

"معصوم جادو"

اک حورِ صحرا، معصوم صورت اک حُسنِ سادہ روحِ ملاحت
اک شوخ جلوہ، کیفِ لطافت اک نورِ رعنا، جانِ نزاکت
تبرّکِ جنّت، سادہ نگارا
بوئے نزاکت، نازک ستارا
پُرکیف رنگت، ساری گلابی صبحِ قیامت، رخ آفتابی
مخمورِ اُلفت آنکھیں شرابی شانِ نزاکت، لب ماہتابی
سادہ ادائیں ممنونِ عفت
رنگیں نگاہیں مرہونِ عصمت

[پچھلے صفحہ سے]

پھر لرزشِ تبسّم
تھرائیں جس سے انجم
ذرّے ہوں وجد ساماں
کونین میں تلاطم
تو سامنے نکل آ اے مہرِ عالم آرا
عالم میں نور بھر دے
دل رشکِ طور کر دے
ہاں ہاں نظر اُٹھا کر
مستی کو چُور کر دے

"بج"

محوِ جراحت پلکوں کے نشتر — وقفِ قیامت بدستِ ٹھوکر
ہونٹوں پہ حسرت، پہلو میں گاگر — اُف یہ قیامت، دامانِ جو پر

بہ جرمِ صحرا کفرِ لبِ جو
دیکھا جمالہ معصوم جادو

تیری محبت

تجھ کو اپنے نافۂ گیسوئے پیچاں کی قسم
تجھ کو اپنے دوش پر زلفِ پریشاں کی قسم

تجھ کو اپنے سرمۂ چشمِ غزالیں کی قسم
تجھ کو اپنے جلوۂ بیباک و رنگیں کی قسم

تجھ کو میرے جذبۂ و جوشِ تمنا کی قسم
تجھ کو اپنے عشوہ و اندازِ رعنا کی قسم

تجھ کو تیری ہی قسم ہے میرا حالِ زار سُن
داستانِ دردِ تاریخِ دلِ بیمار سُن

تیری اُلفت مرہمِ زخمِ دلِ مجبور تھی
تیری اُلفت روح و جانِ عاشقِ رنجور تھی

تیری اُلفت خانۂ تاریک کی تھی روشنی
تیری اُلفت میرے دل کو برقِ کوہِ طور تھی

تیری الفت کا مغنّی تھا ہر اک تارِ نفس

نام لیتی تھی ترا تحریکِ آوازِ نفس

اس نے دیکھی ہیں لہو آمیز راتیں ہجر کی
اس نے دیکھی ہے مرے احساس کی آشفتگی

اونگھنے لگتے تھے تارے جب خمارِ خواب سے
تیری اُلفت جاگ اُٹھتی تھی کنارِ خواب سے

سبزہ مست انگڑائیاں لیتا تھا جب برسات میں
تیری اُلفت مسکراتی تھی مرے جذبات میں

چاندنی راتوں کی کیف آگیں تجلیات میں
تیری الفت نور تھی غمخانۂ جذبات میں

الغرض تیری محبت تھی مرا سرِّ حیات
کائنات الفت تھی مجھکو تیری الفت کائنات

آہ! اب کیونکر سناؤں عاشقی کا ماجرا
کس طرح الفت کو تیری مجھ سے پھر لوٹا گیا

رخصت اے صبحِ جمالِ آرزوئے تشنہ کام
السّلام! اے مرکزِ حسنِ تمنّا السّلام

صفحہ ۴۶ تا ۴۸

(ح)

حافظہ

افسر النساء بیگم نام اور حافظہ تخلّص ہے۔ دکن کی شاعرہ ہیں۔ رسالہ عصمت

میں اکثر کلام چھپتا ہے۔ نظمیں خاصی کہہ لیتی ہیں، کلام سے خوشمشقی ظاہر ہوتی ہے۔

بیٹھے بیٹھے آگیا اک دن خیال
اس کے آنے سے ہوا بیحد ملال

یاد تڑپانے لگی ماں باپ کی
قدر جن کی زندگی میں کی نہ تھی

چل بسے دنیا سے آیا ہوش تب
رنج کرنا اس گھڑی تھا بے سبب

جا کے قبرستان میں مل لیجئے
حالِ دل کچھ اپنا کہہ سن لیجئے

الغرض شہرِ خموشاں کو رواں
ہو گئی میں دل کو تھامے ناتواں

جب پڑی مرقد پہ پیاروں کے نظر
خاک میں سوئے پڑے تھے بیخبر

ایک برچھی آن کر دل پر لگی
تھام ہاتھوں سے کلیجہ میں جھکی

حجاب۔ محترمہ شہزادی تیمور جہاں۔ دہلوی

شاہزادی تیمور جہاں حجاب مغلوں کے قافلۂ رفتہ کی ایک پس ماندہ مسافر ہیں، ان مغلوں کی یادگار۔ جن کے دامن میں ہماری زبان کی تربیت ہوئی تھی جن کی آغوش میں ہماری شاعری نے پرورش پائی تھی۔ وہ مغل جن کے دور میں ہندوستان نے اپنی عظمت کا سب سے پُر شوکت خواب دیکھا تھا۔ مگر جو آج گردشِ زمانہ کے ہاتھوں خود ایک خواب بن چکے ہیں! محترمہ حجاب اس دودمانِ مغلیہ کی چشم و چراغ ہیں، ماضی کے اس پُر شوکت خواب کا ایک ٹوٹا ہوا ٹکڑا ہیں!

محترمہ کے موصولہ حالات درجِ ذیل ہیں:۔

حجاب نواب تیمور جہاں بیگم بنت شاہزادہ مرزا سلیم محمد شاہ مرحوم خاندان شاہی کی چشم و چراغ ہیں۔ انکے نانا شاہزادہ مرزا سلیمان شاہ صاحب اور دادا شاہزادہ مرزا کیوان شاہ (ثریا جاہ) علی الترتیب سرپرست معزول خاندانِ تیموریہ شاہی رہے۔ پندرہ سولہ سال کی عمر سے شعر کہتی ہیں۔ ابتدا نظم سے ہوئی غزلیں بھی کہتی رہیں اور کافی مشق بہم پہنچائی۔ زنانہ مشاعروں میں غزلیں اور نظمیں خراج تحسین وصول کرتی ہیں۔ اکثر خطوط میں خیالات رنگ برنگ کے گلدستے ہوتے ہیں۔ انگریزی بے تکلف بولتی ہیں فرقۂ نسواں کی تعلیم و تربیت و حقوق نسواں کی بہت شدت سے حامی ہیں۔ مختلف زنانہ کانفرنسوں اور تعلیمی کمیٹیوں میں سرگرمی سے شریک ہوتی ہیں تقریر اور تحریر کے علاوہ قدمے، درمے بھی تعلیم و تربیت میں کوشاں رہتی ہیں۔ ارکانِ اسلام کی پابند اور اسلامی تہذیب کو ہر مسلمان کے لئے ضروری سمجھتی ہیں ان کے شوہر شاہزادہ مرزا دارا بخت صاحب بنارس کی رائل فیملی کے معزز رکن ہیں۔

تیمور جہاں حجاب کی طبیعت میں ایثار۔ ہمدردی۔ رحم و صداقت ہے۔ دنیا کی نمائشی چیزوں سے نفرت کرتی ہیں۔"

محترمہ کا آبائی وطن دہلی ہے مگر چونکہ آپ کے شوہر مرزا دارا بخت (جو محکمہ اکسائز میں انچارج ہیں) فی الحال بسلسلہ ملازمت بریلی میں ہیں اس لئے محترمہ بھی فی الحال بریلی مقیم ہیں۔

محترمہ موجودہ دور کی ایک تعلیم یافتہ روشن دماغ اور بالغ نظر خاتون ہیں

انگریزی۔اُردو۔فارسی تینوں زبانوں میں آپ کو دستگاہ حاصل ہے' اور تینوں زبانیں آپ بے تکلف استعمال کرتی ہیں۔ مسائلِ حاضرہ سے آپ کو خاص دلچسپی ہے اور خصوصًا تعلیم کی اشاعت کے لئے آپ بہت کوشاں رہتی ہیں۔

محترمہ کا درجہ شاعری میں بہت بلند ہے' آپ موجودہ دَور کی ایک نہایت ممتاز' خوش گو اور گرامی قدر شاعرہ ہیں آپکا کلام بہت سنجیدہ اور پُروقار ہے اور اس میں پختگی موجود ہے' جذبات کی بے دھڑک نمایش (اگر وہ ناپختہ کار صنّاع کے ہاتھوں عمل میں آئے) اُن جذبات کو بے وقار اور چھچھورا سا بنا دیتی ہے[1]۔ علاوہ ازیں اخلاقی اعتبار سے بھی یہ چیز قابلِ اعتراض ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محترمہ جذبات کی اس قسم کی نمایش سے ارادۃً محترز رہتی ہیں آپ کے کلام میں نہایت سنجیدگی و شایستگی موجود ہے۔

آپ کے یہاں قومی رنگ زیادہ پایا جاتا ہے۔ اس قسم کی نظموں — خصوصًا ان کی طرزِ ادا — میں آپ علامہ اقبال کے رنگ سے بہت متاثر معلوم ہوتی ہیں' جس دل میں مغلیہ خون اب تک دوڑ رہا ہو ظاہر ہے کہ وہ ان پُرشوکت مغلوں کی تباہی پر کیا کچھ نہ دُکھا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ مغلیہ سلطنت کی بربادی اور مسلمانوں کی زبوں حالی آپ کے مرغوب موضوع بن گئے ہیں۔ اس سانحہ پر آپ کی آنکھیں خون کے آنسو روئی ہیں اور دل تڑپ تڑپ اٹھا ہے۔ آپ نے اس

---

[1] اس نکتہ کو میر نے اس طرح ادا کیا ہے:-

پاسِ ناموسِ عشق تھا ورنہ ٭ کتنے آنسو پلک تک آئے تھے

سوز و گداز کا اظہار اکثر نظموں اور رباعیوں میں کیا ہے جن میں سچے جذبات کی تپش و حرارت موجود ہے، آپ پر علامہ اقبالؒ کا یہ شعر صادق آتا ہے ؎

رو رہی ہے آج اک ٹوٹی ہوئی مینا اُسے
کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے

محترمہ کا وہ مسدس جو سطورِ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے، اس قسم کی ایک عمدہ نظم ہے، طرزِ ادا میں علامہ اقبالؒ کا پُرشوکت رنگ جھلکتا ہے، خیالات میں ارتقائی مدارج صاف نظر آتے ہیں۔ پہلے اس لٹے لٹائے برباد قافلہ کی موجودہ پستی و زبوں حالی کا اظہار ہے، پھر ان کو اُن کی وہ دیرینہ عظمت و شوکت یاد دلائی گئی ہے جس کو آج وہ خود بھی بھول چکے ہیں، اس موجودہ پستی اور دیرینہ عظمت کی یاد سے ان کی طبیعت میں ایک جوش اور خون میں گرمی پیدا کرنے کے بعد اُن کو دعوتِ پیکار و عمل دی گئی ہے اور آخر میں اُمید کی ہمت افزا جھلک ہے۔

محترمہ نے نظم کے علاوہ غزل اور رباعی پر بھی قلم اُٹھایا ہے، جذبات کی شائستگی و سنجیدگی آپ کی غزلوں میں بھی قائم ہے۔ خصوصاً آپ کی رباعیاں نہایت پُرکیف اور بلند پایہ ہیں۔

خود محترمہ نے راقم الحروف کے نام ایک مکتوب میں اپنی شاعری کے متعلق غالباً غیر ارادۃً کچھ اظہارِ خیال فرمایا ہے جو آپ کے نظریۂ شاعری اور آپ کے کلام پر ایک اچھا تبصرہ ہے، خود محترمہ کے الفاظ میں سنئے :-

"شعر دلی ترجمانی کا نام ہے جب واقعاتِ حیات ضمیر اور تخیلات کے خلاف ٹکر کھاتے ہیں تو ایک نغمہ اس قسم کا پیدا ہوتا ہے جس میں زبان کے

ساتھ آرٹ شامل ہو۔ اسی آواز کی لہروں کا نام شعر ہے۔ یہی چیز میرے کلام میں آپ کو ملے گی۔ میرا بیشتر کلام قومی رنگ میں ہے۔ تغزل کے رنگ کا دوسرا نام گل و بلبل کا قصّہ ہے۔ مگر میں اس قسم کی شاعری عورتوں کے لئے پسند نہیں کرتی۔ کبھی کبھی غزل جو لکھتی ہوں تو کوشش کرتی ہوں کہ عُریاں اشعار نسوانی خودداری کے خلاف سانچے میں نہ ڈھلنے پائیں۔ گو تغزل کی صورت چاشنی کے بغیر پسند نہیں آسکتی لیکن طرزِ بیان اس کا مہذّب ضرور ہونا چاہیئے ...."

سطور ذیل میں جو کلام پیش کیا جا رہا ہے وہ خود محترمہ کا مرسلہ انتخاب ہے۔ افسوس ہے کہ محترمہ اپنی مسلسل بیماریوں اور پریشانیوں کے باعث مزید انتخاب ارسال نہیں فرما سکیں۔

مسدّس

عہدِ تیمور کا اک خواب جوانی تم ہو — صفحۂ دہر کی گم گشتہ کہانی تم ہو
جورِ صیاد کی اک زندہ نشانی تم ہو — ساری دنیا کے لئے سوزِ نہانی تم ہو

تم وہی ہو جو کبھی صاحبِ لشکر تم تھے
مالکِ تخت تھے تم زینتِ افسر تم تھے[1]

خوابِ دلکش کی جہاں میں ہوسِ خام ہو تم — عشرت و عیش کے آغاز کا انجام ہو تم
صبحِ امید سے جو دور ہو وہ شام ہو تم — منزلِ جاہ کی اک کوششِ ناکام ہو تم

---

[1] ع :- تختِ فغفور بھی ان کا تھا، سرِ کَے بھی (علامہ اقبال "جوابِ شکوہ")

جس کی قسمت میں ہے افلاس وہ تقدیر ہو اب
عالم یاس کی ایک بولتی تصویر ہو اب

بوئے گل کی طرح عالم میں پریشاں ہو تم
نرگس باغ صفت دیدۂ حیراں ہو تم
چمن دہر میں وہ بلبل نالاں ہو تم
جس کی پرسش نہیں دنیا میں وہ انساں ہو تم[1]

تم کو وہ دور زمانے نے مٹا رکھا ہے
رنج واندوہ کا ہر لحظہ مزا چکھا ہے

جن کی کل لونڈی تھی دولت یہ ہی حالت انکی
جن کے کل بجتے تھے ڈنکے یہ ہی نوبت انکی
جو کہ تقدیر بناتے تھے یہ صورت انکی
آج ہے گردش قسمت سے بری گت انکی

ہائے تقدیر نے دنیا کا قرینہ اُلٹا
جام لبریز ہے مینا کا خزینہ اُلٹا

تاج زریں کی ضیا رہتی تھی جس کے سر پر
تخت طاؤس تھا قدموں سے مزین یکسر
جن کے خدام نے دنیا کو دیا زیور وزر
پھرتے ہیں کاسہ گدائی کا لئے وہ دردر

سیکڑوں آکے جہاں راج و مہاراج ہوئے
آج وہ نان شبینہ کو بھی محتاج ہوئے

گر ہے ہمت تو نہ یوں وقف فغاں ہو جاؤ
ایک دل ایک جگر ایک زباں ہو جاؤ

---

[1] طرز ادا کی ہم رنگی ملاحظہ ہو۔ اقبال

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن تم ہو
نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن تم ہو (جواب شکوہ)

بحر مواج بنو اور رواں ہو جاؤ
مثل خورشید زمانے میں عیاں ہو جاؤ

قطرے مل جائیں جو آپس میں تو دریا ہوگا
قوم کے درد کا اس طرح مداوا ہوگا[1]

کب یہ ممکن ہے کہ وہ راہبر منزل ہو
جس کے پہلو میں نہاں حرص و ہوا کا دل ہو

سوچ تو بہرِ خدا دل میں ذرا قائل ہو
حق پرستی یہ نہیں نازکشِ باطل ہو

جان اور مال دو تم اپنی ہی عزت کے لئے
زندگی وقف کرو قوم کی خدمت کے لئے

قوم کے واسطے تم اپنا مٹا دو تن من
ہاتھ آجائے گا پھر فضلِ خدا کا دامن

---

[1] علامہ اقبالؒ نے بھی ایسے موقع پر کچھ اس سے بھی زیادہ پُرشوکت آواز میں مغرور و سرکش زمانے کے ستائے ہوؤں کو للکار کر اس طرح تعلیم پیکارِ عمل اور دعوتِ انقلاب دی ہے:

فردِ قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

شمع کو بھی ہو ذرا معلوم انجامِ ستم
صرفِ تعمیرِ سحر خاکسترِ پروانہ کر

خاک میں تجھ کو مقدر نے ملایا ہے اگر
تو عصا افتاد سے پیدا مثالِ دانہ کر

ہاں اسی شاخِ کہن پر پھر بنالے آشیاں
اہلِ گلشن کو شہیدِ نغمۂ مستانہ کر

اس چمن میں پیرو بلبل ہو یا تلمیذِ گل
یا سراپا نالہ بن جا، یا نوا پیدا نہ کر

کیوں چمن میں بے صدا مثلِ رمِ شبنم ہے تو
لب کشا ہو جا سرودِ بربطِ عالم ہے تو

شعلہ بنکر پھونک دے خاشاکِ غیر اللہ کو
خوفِ باطل کیا، کہ ہے غارتگرِ باطل بھی تو

سعیٔ موجود ہے تیمور رہے حق کا مخزن لہلہاتا ہے یہاں جلوۂ قدرت کا چمن

بر عالی ملے گر ہمتِ عالی رکھو
ہوس و حرص سے گر سینہ کو خالی رکھو

غزل

مری تقدیر کی گردش نہ جائے گی خدا کب تک
رہے گی یوں ہی ناکام اثر میری دعا کب تک

کیا معدوم کیوں اہلِ جہاں چشمِ مروت کو
رہے گی دور تم سے کافرو طرزِ وفا کب تک

الٰہی اس وفا دشمن کو توفیقِ کرم دیدے
رہے یارب یہ ہستی پائمالِ مدعا کب تک

مری آنکھوں میں بادل ہے سفیدی ہی سیاہی ہے
خدا جانے یوں ہی ترسا کریگی یہ گھٹا کب تک

نہ سونے دیں گے مدفن میں ترے تیمور افسانے
بیاں کرتی رہیگی شمع حالِ جاں گزا کب تک

جو ظلم و جور سے پرہیز رکھتا ہے زمانے میں
وہ محشر میں یقیناً سرخرو اور شادماں ہوگا

نہ ہو آلودۂ حرص و ہوس، ہرگز نہ بن طامع

اگر دل سے رہا قانع تو شاہِ خسرواں ہوگا

اعانت تو نے گر کی بے کسوں کی اور یتیموں کی
خدا کے فضل سے دونوں جہاں میں کامراں ہوگا

نہ گھبرا اے حجاب خستہ دل بس صبر بہتر ہے
تری بگڑی بنا دے گا خدا جب مہرباں ہوگا

رُباعی

عبرت کدۂ دہر کے والی ہم ہیں
افسوس کہ وقفِ پائمالی ہم ہیں
تیمور کے ہاتھوں نے لگایا تھا جسے
اس نخل کی سوکھی ہوئی ڈالی ہم ہیں

دیگر

تھے کبھی سلطنتِ ہند کے ہم بھی حقدار
رشکِ اسکندر و قیصر تھا ہمارا دربار
بدلی قسمت، نہ رہا عہدِ حکومت تیمور
وہی ہم آج ہیں رنجور و اسیرِ افکار

حجاب

حمیدہ خانم نام اور حجاب تخلص ہے، لاہور کی شاعرہ ہیں، قدیم رنگ میں غزل لکھتی ہیں، کلام میں خیال آفرینی، و خیال بندی زیادہ ہے، ایک زمانہ تھا کہ جب یہ رنگ بھی بہت مقبول تھا، مگر اب اس کو عموماً ترک کیا جا رہا ہے۔

رازِ ہستی

رازِ ہستی میرے بھی کچھ ایسے لکھوائے گئے
پڑ گئے ہیں زخم، دل میں کاتبِ تقدیر کے

وشتِ اُلفت میں قدم کیونکر بڑھیں تدبیر کے
کچھ بتا اے رہنے والے پردۂ تقدیر کے

اہلِ دل سمجھے ہوئے تھے اپنا اپنا دل جسے
حشر میں دیکھا تو پیکاں تھے تمھارے تیر کے

محبتِ بیمارِ ہجراں دیکھنے سے فائدہ
نقش کچھ دھندلے سے ہیں بگڑی ہوئی تقدیر کے

دل کے نالے نارسا ہوں لیکن آتا ہے حجاب
حوصلے بڑھنے نہ دوں گی میں بھی چرخِ پیر کے

حجاب

فخر النساء نام اور حجاب تخلص ہے۔ شاہجہانپور کی رہنے والی ہیں اُردو کی کہنہ مشق شاعرہ ہیں۔ کلام میں رنگینی و لطافت ہے۔ طرزِ ادا پاکیزہ ہے۔ آپ نے اکثر مشاعروں میں بھی حصہ لیا ہے۔ ذیل کی غزل محترمہ نے سید التفات رسول صاحب مرحوم تعلقدار سندیلہ کے مشاعرہ میں خود پڑھی تھی۔

کہاں ممکن ہے پوشیدہ غمِ دل کا اثر ہونا

لبوں کا خشک ہو جانا بھی ہے آنکھوں کا تر ہونا
عضب، مل کر جدا مجھ سے ترا اے فتنہ گر ہونا
ستم نالوں کا پُر تاثیر ہو کر بے اثر ہونا
جگر میں درد، لب پر نالۂ وحشت اثر ہونا
عیاں کرتا ہے اک رشکِ پری کا دل میں گھر ہونا
عضب نالہ کشی اک صاحبِ عصمت کے کوچہ میں
ستم اے دل کسی پردہ نشیں کا پردہ در ہونا
وہ اُن کا چپکے چپکے مسکرانا خون رونے پر
وہ میرا دل ہی دل میں واصفِ رنگِ اثر ہونا
نہیں علت سے خالی پیشِ دشمن او ستم پیشہ
یہ منہ میری طرف ہونا تری نظریں اُدھر ہونا
عضب ہے دل کا رہ رہ کر تڑپنا میرے پہلو میں
کہے دیتا ہے طائر بسملِ تیرِ نظر ہونا
جو تنہا پاس منزل دل کو شایاں ہے محبت میں
تو آنکھوں کو ہے لازم دیدۂ حسرت نگر ہونا
جو تجھکو اپنے چشمِ شوق کی پتلی سمجھتا ہے
ستم ہے اس سے پوشیدہ ترا مثلِ نظر ہونا
ستم کی جَور کی، بیداد کی، کافی شہادت ہے
جدائی میں مرا بیتاب بے خود بے خبر ہونا

وہ تڑپانا کسی بیدرد کا مجھ کو نڈر ہو کر
وہ میرا ڈرتے ڈرتے شاکیٔ دردِ جگر ہونا

جو اک سوتے ہوئے فتنے کو چونکا ہیں غفلت سے
ان آنکھوں میں مناسب ہے قیامت کا اثر ہونا

حجاب آ کر سندیلہ میں جو شاعر جمع ہوتے ہیں
مزا دیتا ہے کیا کیا مجمعِ اہلِ ہنر ہونا

حزیں

صابرہ سلطان نام اور حزیں تخلص ہے۔ تاریخ پیدائش فروری سنہ ۱۹۱۹ء ہے۔ آبائی وطن میرٹھ ہے۔ والد کا نام محمد اللہ تھا۔ جو ڈھائی سال کی عمر ہی میں آپ کو داغِ یتیمی دے گئے۔ والد صاحب کے انتقال کے بعد چند سال سنبھل میں اپنے نانا کے پاس گزارے۔ اس کے بعد سے اب تک علی گڑھ، میرٹھ، لاہور، دہلی، اجمیر وغیرہ رہ چکی ہیں۔ فی الحال کانپور میں مقیم ہیں۔

تحصیلِ علم کا بچپن ہی سے شوق تھا۔ مگر قدیم ایشیائی تہذیب اسکول کی تعلیم کے خلاف تھی۔ خاندانی بزرگوں نے اس کی اجازت نہ دی۔ چنانچہ گھر ہی پر بغیر کسی اُستاد کی مدد کے پڑھنا شروع کیا۔ اور اس طرح اتنی ترقی کی، آج آپ ملک کی ایک قابلِ قدر ادیبہ اور شاعرہ ہیں۔

اُردو ادب کا بھی شروع ہی سے ذوق رہا۔ پچھلے چھ سات سال سے

مختلف رسائل میں مختلف ناموں (عموماً شکیبا کے نام) سے افسانے شائع ہوتے رہتے ہیں جن سے آپ کے خیالات اور نثر نگاری کی پختگی ظاہر ہوتی ہے۔ خطوط نگاری آپ کا محبوب مشغلہ ہے اور اس میں آپ کو بڑا کمال حاصل ہے۔ ادبی حیثیت سے ان کا پایہ بلند ہوتا ہے۔ آپ کے خطوط بے تکلف، عبارت آرائی، سادہ نگاری اور پُر خلوص اندازِ تحریر کے اعلیٰ نمونے ہیں۔

۱۹۴۳ء میں آپ نے جامعہ اُردو آگرہ سے ادیب۔ اور پنجاب یونیورسٹی سے ادیبِ عالم کے امتحانات میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ اب ادیبِ فاضل کے امتحان میں شمولیت کا ارادہ ہے۔ طبیعت بہت حساس پائی ہے۔ مگر اس کے باوجود مزاج میں ضبط، تحمل اور بُردباری بہت ہے۔

شاعری کا ذوق فطری ہے مگر آپ طبیعت سے مجبور ہو کر شعر کہتی ہیں۔ دوسروں کے لئے نہیں کہتیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اپنے کلام کو منظرِ عام پر لانے سے ہمیشہ محترز رہتی ہیں۔ کسی مشاعرہ میں حصّہ نہیں لیتیں، کسی رسالہ میں اپنا کلام شائع نہیں کراتیں۔ راقم الحروف کو بھی بہت کچھ اصرار کے بعد اپنے مختصر حالات اور اشعار ارسال فرمائے ہیں جو شکریہ کے ساتھ درج کئے جاتے ہیں۔

محترمہ حزیں کا شاعرانہ ذوق بہت بلند ہے۔ آپ کا کلام جذبات نگاری کی کامیاب اور دلکش مثال ہے۔ اس میں سوز و گداز بھی ہے اور درد و اثر

بھی، یاس و حسرت بھی ہے اور امید و آرزو بھی۔ آپ کے جذبات میں بڑی تازگی اور شدّت ہے، طرزِ ادا بہت شستہ، صاف اور پُر کیف ہے۔ جذباتی اعتبار سے آپ کا کلام نہایت بلند اور پُر کیف ہے۔ آپ دورِ حاضر کی ایک کامیاب اور خوشگو شاعرہ ہیں۔

محترمہ کا مختصر مرسلہ کلام درج ذیل ہے:۔

"میری داستاں سُن لے"

تجھے قسم ہے مری بیقرار آہوں کی
تجھے قسم ہے مری اشکبار آنکھوں کی
تجھے قسم مری دیوانہ وار باتوں کی
امینِ قلبِ حزیں، میری داستاں سن لے

ہے ایک جوششِ باراں سا آج آنکھوں میں
ہے ایک خوابِ پریشاں سا آج آنکھوں میں
ہے ایک تہیۂ طوفاں سا آج آنکھوں میں
امینِ قلبِ حزیں، میری داستاں سُن لے

تجھے قسم ترے افسانہ ہائے رنگیں کی
تجھے قسم ترے لمحات ہائے زریں کی
تجھے قسم مری شب ہائے تار و غمگیں کی
امینِ قلبِ حزیں، میری داستاں سُن لے

ترے حضور میں کر لوں میں شرحِ آیتِ غم

تو آج سُن لے مری خونچکاں حکایتِ غم
خدا گواہ! نہیں ہے مجھے شکایتِ غم
امینِ قلبِ حزیں میری داستاں سُن لے

یہ میرا نالہ، کہیں تیرا ہی ترانہ نہ ہو
مری حکایتِ غم تیرا ہی فسانہ نہ ہو
یہ حرفِ شوق کہیں رازِ محرمانہ نہ ہو
امینِ قلبِ حزیں میری داستاں سُن لے

غزل

یہ ربط و ضبط کہاں تک نبھائے جاؤں میں
کہ دل کا خون ہو اور مسکرائے جاؤں میں

وہ اک نگاہ جو ہستی پہ چھائی جاتی ہے
تمہیں بتاؤ کہاں تک چھپائے جاؤں میں

ستارے شام ہی سے جھلملائے جاتے ہیں
کہو تو اپنی کہانی سنائے جاؤں میں!

جو کوئی سنتا رہے بیٹھ کر پسِ پردہ
تمام عمر اسی طرح گائے جاؤں میں

لبوں پہ دم ہے مگر ان کا حکم ہے یہ حزیںؔ
کہ داستانِ محبت سنائے جاؤں میں

آج ان کو بلا رہی ہوں میں
اپنی دنیا لُٹا رہی ہوں میں

پھر تصوّر میں ہے یہ رازِ نیاز
کوئی روٹھا، منا رہی ہوں میں

ان کے قدموں پہ آج رکھ کے جبیں
قصۂ غم سنا رہی ہوں میں

اے حزیںؔ انتظارِ دوست میں آج
دل کو ساکت سا پا رہی ہوں میں

شیرازۂ حیات ہے پھر منتشر سا کچھ
آنکھوں میں پھر ہے خوابِ پریشاں بسا ہوا آجکل

ہاں پھر کوئی خیال پہ چھایا ہوا سا ہے
برپا ہے میری زیست میں طوفاں سا آجکل

پھر آرزو یہ ہے کوئی پوچھے حدیثِ غم
آنکھوں میں ہے تہیۂ طوفاں سا آجکل

پھر امتیازِ وصل و فراق اُٹھ گیا کہ ہے
کچھ دن سے کوئی قلب میں مہماں سا آجکل

کیوں روزگار برسرِ پیکار ہے حزیںؔ
کیوں زندگی سے دل ہے پشیماں سا آجکل

حمیدہ ۔ دہلوی ۔

حمیدہ سلطان احمد حمیدہ ۔ دہلی کی ادیبہ اور شاعرہ ہیں، نہایت باذوق اور ادب نواز خاتون ہیں، نثر و نظم دونوں کا رنگ پختہ اور سنجیدہ ہے آپ ادبی خدمات میں بڑی خوشی اور سرگرمی سے حصّہ لیتی ہیں ۔ دہلی ریڈیو اسٹیشن سے ۲۸ جنوری ۱۹۴۰ء کو جو پہلا آل انڈیا زنانہ مشاعرہ نشر ہوا تھا اس کی روحِ رواں آپ ہی تھیں ۔ اس کے بعد دہلی میں ۲۶ مارچ ۱۹۴۰ء کو

لیڈیز کلب میں جو زنانہ مشاعرہ ہوا تھا وہ بھی آپ ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا
آپ ایک خوش ذوق و خوش فکر شاعرہ ہیں ۔ آپ کے اشعار صاف و
لطیف ہیں، طرزِ ادا میں سادگی، ندرت و جدّت ہے ۔
ذیل کی طرحی غزل محترمہ نے دہلی میں زنانہ مشاعرہ میں پڑھی تھی
جو ۲۶ مارچ سنہ ۱۹۴۰ء کو لیڈیز کلب میں ہوا تھا ۔

محبت بھی ہے جرأت آزما کیا
غمِ دل ان سے کہہ دوں برملا کیا

بقا کیا ہے، محبت میں فنا کیا
ترے کشتوں سے اس کا پوچھنا کیا

اشاروں میں یہ کیوں عہدِ محبت
نگاہوں سے یہ پیمانِ وفا کیا

تصوّر میں یہ مبہم سی محبت
ہے یہ بھی کوئی اندازِ جفا کیا

تمھیں دیکھیں گے چشمِ روح سے ہم
ان آنکھوں سے تمھارا دیکھنا کیا

سب اس کی راہ تکتے ہیں چمن میں
شمیم لالہ و گل کیا، صبا کیا

جنونِ بندگی کا عکس ہیں سب
خودی کیا، بیخودی کیا، اور خدا کیا

شکستِ آرزو ہے اور مسلسل
ہماری زندگی کا پوچھنا کیا[1]

غمِ آغازِ الفت ہی مرن ہے
حمیدہ شوقِ مرگِ انتہا کیا

---

[1] مؤلف اخفر ہے
ہر تمنّا کا خون ہوتا ہے
کیا یہی زندگی کی غایت ہے
"رج"

حمیدہ :-

حمیدہ خاتون نام اور حمیدہ تخلص ہے، دورِ حاضر کی ایک خوش فکر شاعرہ ہیں نظمیں خوب لکھتی ہیں - آپ موجودہ دور کی ایک اچھی ادیبہ اور فسانہ نگار بھی ہیں -

خوشی کے چہچہوں سے دور یہ سنسان بستی ہے
یہاں ہر سمت ویرانی ہی ویرانی برستی ہے
قیامت کی سیاہی ہے، قیامت کا اندھیرا ہے
زمیں کو ہر طرف وحشت بھری تاریکی نے گھیرا ہے
زمیں پر خشک پتوں کی اچانک سرسراہٹ سے
جھجک اٹھتے ہیں انسانی قدم اپنی ہی آہٹ سے

بدن میں سنسنی پیدا ہے تاریکی کے چھانے سے
لرز جاتا ہے دل ہر گام پر رستہ نہ پانے سے

تم ان ٹوٹی ہوئی قبروں کی بربادی پہ مت جاؤ
حقیقت سے تمہیں آگاہ کرتی ہوں ادھر آؤ

یہاں کے ساکنوں کی ظاہری حالت کو جانے دو
زمانہ گر نشاں ان کا مٹاتا ہے مٹانے دو

جو سچ پوچھو تو کتنی رشک کے قابل یہ حالت ہے
میسر ان کو کتنا چین ہے کتنی فراغت ہے
نہ دنیا کے بکھیڑے ہیں، مصیبت ہے، نہ بیماری
نہ آپس کی عداوت ہے، نہ چالاکی، نہ عیاری

میسر ہے یہاں عالم کی سب فکروں سے آزادی
خموشی اور سکوں کا گھر ہے یہ ویران آبادی

یہاں کی سرزمیں اک دوسرے عالم میں شامل ہے
یہاں غمناک روحوں کو دوامی عیش حاصل ہے

یہاں ٹوٹے دلوں کو مرہم تسکیں مہیّا ہے
یہاں کی نیند انسانی مصائب کا مداوا ہے
شکستہ خاطروں کی آخری منزل ہے یہ بستی
تھکے ہارے ہوؤں کی جاوداں محفل ہے یہ بستی

حور۔ میرٹھی

گوہر اقبال نام اور حورؔ تخلص ہے۔ میرٹھ وطن ہے، جناب نذیر احمد صاحب میرٹھی کی دختر ہیں۔ آپ کا تعلق زبیری خاندان سے ہے۔

گوہر اقبال حورؔ ایک بلند پایہ اور قابلِ قدر شاعرہ ہیں، آپ کا کلام مختلف رسائل میں چھپتا ہے اور کافی مقبول ہو چکا ہے آپ نہایت قادر الکلام اور خوش گو خاتون ہیں۔ آپ کے کلام میں جوش، رنگینی، رومان پروری، جذبات کی ترجمانی، ندرت اور جدّت موجود ہے، آپ کے دل میں قوم و ملّت کا درد بھی ہے اور اس رنگ کی بھی عمدہ نظمیں آپ کے یہاں ملتی ہیں آپ شاعری کے جدید رجحانات سے متاثر ہوئی ہیں۔ اور آپ نے شاعری سے پیغام و اصلاح کا بھی کام لیا ہے۔

جہانِ عشق کا ہر ذرّہ انتظار میں ہے
میں دیکھتی ہوں جسے تیرے انتظار میں ہے
ہم اس خیال میں اب سر جھکائے بیٹھے ہیں
کشش جبیں میں ہے یا آستانِ یار میں ہے

مستقبل

اے شاہدِ دورِ نہاں!

تو ہے محیطِ دو جہاں اے شاہدِ دورِ نہاں !
افکارِ ماضی سے اگر فرصت کبھی پاتی ہوں میں
وابستگیِ حال سے رہ رہ کے گھبراتی ہوں میں
پھر تجھکو شب کی خلوتوں میں ڈھونڈھنے جاتی ہوں میں
اور دور ہوتا ہے کہیں نظروں سے تیرا آشیاں
.. .. .. اے شاہدِ دورِ نہاں

آہستہ آہستہ مری تخئیل میں آتا ہے تو
تسکین میں ڈوبے ہوئے نغمے سے برساتا ہے تو
اور میری نظروں میں یوں ہی یوں مسکراجاتا ہے تو.
جیسے ہجومِ ابر سے تارا چمک کر ہو عیاں
.. .. .. اے شاہدِ دورِ نہاں!

ہونٹوں کی رنگینی میں صبحِ لالہ ساماں کے ہجوم
آنکھوں میں چھائے ہوئے خوابِ درخشاں کے ہجوم
شب رنگ زلفوں میں لئے ابرِ بہاراں کے ہجوم
اکثر میری تخئیل پر ہوتا ہے تو جنت نشاں
.. .. .. اے شاہدِ دورِ نہاں!

جب زندگی کو ہر طرف سے گھیر لے شامِ ملال

جب ظلمتوں میں حال کی پیدا نہ ہو رنگِ جمال
سلمائے صبحِ آرزو ہو جائے جب غم سے نڈھال
اس وقت تو آتا ہے امیدوں کا لیکر کارواں
.. .. اے شاہدِ دورِ نہاں!

اکثر مرے کھوئے ہوئے نغمے سناتا ہے مجھے
بن کر مرا خوابِ سکوں تو راس آتا ہے مجھے
تو ہر قدم پر جلوہ ہائے نو دکھاتا ہے مجھے
حیران رکھتی ہیں مجھے تیری تنوّع خیزیاں
.. .. اے شاہدِ دورِ نہاں!

رہ رہ کے آتا ہے نظر رہ رہ کے کھو جاتا ہی تو
پھر شامِ زارِ ذہن میں چھپ چھپ کے سو جاتا ہی تو
میں ڈھونڈتی ہوں ہر طرف اور محو ہو جاتا ہی تو
تو کھیلتا ہے روح سے بن بن کے سحرِ بے نشاں
.. .. اے شاہدِ دورِ نہاں!

ظلمت بداماں ہے کبھی اور جلوہ ساماں ہے کبھی
تو خوابِ شیریں ہے کبھی خوابِ پریشاں ہے کبھی
تو ہے کبھی پیشِ نظر، نظروں سے پنہاں ہی کبھی
ہر رنگ سے میرے تخیّل میں تو ہے جلوہ کناں
.. .. اے شاہدِ دورِ نہاں!

قوم و وطن کی پستیاں کرتی ہیں جب دل کو خراب
تو کیف زا خوابوں کی دنیا سے اٹھاتا ہے نقاب
پیشِ نظر لاتا ہے پھر دورِ وطن کو کامیاب
اور بخش دیتا ہے نگاہوں کو وقارِ جاوداں
.. .. .. اے شاہدِ دورِ نہاں!

لپٹی ہوئی تیرے قدم سے ہے اُمیدِ ارتقا
ہے ذرّے ذرّے سے ترے خاکِ وطن کو آسرا
اور تیری آمد میں ہے اندیشۂ جنگ دفعتاً
تو ہے کبھی شامِ الم اور ہے کبھی صبحِ جناں
.. .. .. اے شاہدِ دورِ نہاں!

تو کارزارِ دہر کا نقشہ دکھاتا ہے کبھی
جوشِ عمل کے پُراثر نغمے سناتا ہے کبھی
اور تو کبھی آتا ہے بنکر جسم میں روحِ رواں
.. .. .. اے شاہدِ دورِ نہاں!

ہے مسکراہٹ میں تری روپوش خورشیدِ وطن
تیرے ہی جلووں میں نہاں ہے صبحِ تجدیدِ وطن
وابستہ آنچل سے ترے دامانِ اُمیدِ وطن
پردوں میں تیرے جلوہ گر اوجِ وطن کی کہکشاں
.. .. .. اے شاہدِ دورِ نہاں!

تو ارتقائے قوم کا اک مستقل پیغام ہے
امن و سکونِ دہر کی تمہیدِ خوش انجام ہے
اور انقلابِ دور میں بربادیٔ آلام ہے
آتا ہے سرافرازیوں کا بن کے عہدِ کامراں
.. .. .. اے شاہدِ دورِ نہاں!

برسائے گا تیرِ الم، یا تو مسرت لائے گا
تو نور بن کر آئے گا، یا نار بن کر آئے گا
کس کو خبر ہے دہر پر کس رنگ میں چھا جائے گا
روپوش ہے تو کس قدر، اے زندگی کے رازداں
.. .. .. اے شاہدِ دورِ نہاں!

نوائے عمل

جاگو۔ جاگو۔ بہنو جاگو

سورج سر پر آن چڑھا ہے　　سارا زمانہ جاگ اٹھا ہے
ہر فرقہ حق مانگ رہا ہے　　تم سوتی ہو قہرِ خدا ہے

جاگو۔ جاگو۔ بہنو جاگو

قوم ہے مردہ جان تمھیں ہو　　جینے کا سامان تمھیں ہو
شان ہے تم سے شان تمھیں ہو　　شان تمھیں ہو آن تمھیں ہو

جاگو۔ جاگو۔ بہنو جاگو

عہدِ غلامی موت سے بدتر ساری بلائیں لے لو سر پر
چھاؤ جہاں پر رحمت بن کر بہنو آزادی کا زیور
جاگو - جاگو - بہنو جاگو

فاقوں کی ماری بہنیں مائیں روٹی کے بدلے جو غم کھائیں
بھوکے بچے آنسو بہائیں کب تک دیکھو گی یہ وِتھائیں
جاگو - جاگو - بہنو جاگو

ہم سے لگی ہیں قوم کی آنکھیں ہم سے بندھی ہیں ساری اُمیدیں
مل کے جو ہم میدان میں نکلیں بھارت کو آزاد کرا دیں
جاگو - جاگو - بہنو جاگو

آرزوئے موہوم

میں سوچتی رہتی ہوں یہ میری تمنّا ہے
اے کاش کبھی ایسا اک دورِ عمل آئے
اک پھول میں بن جاؤں
پھولوں کی لطافت میں شاخوں کی نزاکت میں
میں نزہتیں پھیلاؤں
پھر پھولوں کے خرمن پر اور سبزہ کے دامن پر
کچھ نکہتیں برساؤں
ایسا جو ہو تو شاید ممکن ہے کبھی شاید

راحت میں یہاں پاؤں

حاصل ہو سکوں دل کو اور کیفِ بقا مجھ کو

لیکن یہ نہیں ممکن دیکھو جو حقیقت ہیں

راحت نہیں دنیا میں

فانی ہے یہاں ہر شے

(۲)

میں سوچتی رہتی ہوں یہ میری تمنّا ہے

اے کاش کبھی ایسا اک دورِ عمل آئے

اس بزمِ پریشاں سے

ظلمت گہِ ہستی سے اس گنجِ لطافت سے

اُڑ کر میں پہنچ جاؤں

مہتاب میں بن جاؤں ہر شام کو روشن ہوں

ہر صبح کو چھپ جاؤں

پھر بزمِ فلک پر سب تارے کریں جھلمل جب

ہنس کر میں نکل آؤں

اس وحشتِ مصیبت پر گہوارۂ ظلمت پر

وہ نور میں برساؤں

کہ پھر مری کرنوں سے ہر ذرّہ چمک اُٹھے

ہر قطرہ کو چمکاؤں

ایسا جو ہو تو شاید ممکن ہے کبھی شاید
راحت میں یہاں پاؤں

حیا میرٹھی:۔

خورشید اقبال نام اور حیا تخلص ہے آپ گوہر اقبال حور کی حقیقی بہن اور جناب نذیر احمد صاحب میرٹھی کی دختر ہیں۔

محترمہ خورشید اقبال حیا موجودہ دور کی ایک نہایت سربرآوردہ، اور بلند پایہ شاعرہ ہیں، آپ کے یہاں جذباتی، رومانی، قومی و ملی ہر قسم کی نظمیں ملتی ہیں جو نہایت پاکیزہ و لطیف ہیں آپ کے یہاں یاس و حسرت کی تڑپتی ہوئی تصویریں بھی ہیں اور امید و آرزو کی جنت بھی آپ کا اسلوبِ بیان نہایت پختہ اور شگفتہ ہے۔ آپ کی نظموں میں بڑا کیف و اثر ہوتا ہے کلام میں جذبات کی سنجیدگی و وقار قائم ہے کیف و اثر بھی ہے اور کہیں کہیں فلسفیانہ جذبات کا امتزاج بھی پایا جاتا ہے۔

آپ کا شمار موجودہ دور کی چوٹی کی شاعرات میں ہے۔

ایک امید تو بندھ جائے تسلی نہ سہی اور جو یوں بھی نہیں منظور تو یہ بھی نہ سہی
میں سمجھتی ہوں کہ موت آ نہیں سکتی شبِ غم دل میں باقی ابھی امید ہے ان کی نہ سہی

صبحِ اُمید

(۱)

سورج اُفق سے نکلا کرنوں کا لے کے پرچم
رنگیں فضا میں نکھرا اور بے نقاب ہو کر

پھر کوہسار پہ چمکے
پھر آبشار پہ چمکے
پھر برگ و بار پہ چمکے

شاخوں کی گتھیوں میں
کلیوں کا رنگ چمکا
سرسبز پتیوں میں
پھولوں کا رنگ چمکا

(۲)

پھر صبحِ عید آئی
کیف و سرور لے کر
رنگینیوں میں اپنی
نور و ظہور لے کر
غنچے چٹک رہے ہیں
گلشن مہک رہے ہیں
ذرّے چمک رہے ہیں

صوتِ رباب بن کر
نغمے ہوا میں گونجے
موجِ شراب بن کر
پھر سبزہ زار جھومے

(۳)

لیکن حیا تمھارے
دل پر اثر نہیں ہے
خاموش یوں پڑی ہو
گویا خبر نہیں ہے
چاروں طرف خوشی ہے
عشرت برس رہی ہے
دراصل عید ہی ہے

یہ عید کی سحر ہے
تم کیوں غم آشنا ہو
اٹھو خوشی مناؤ
ایسا بھی رنج کیا ہے

بیانِ قصۂ قلبِ نزار کیوں نہ کروں　　تجھی پہ درد ترا آشکار کیوں نہ کروں
مجھے جب آپ ہے اپنے سے اعتبارِ وفا　　تو ہی بتا کہ ترا اعتبار کیوں نہ کروں[1]
وہ آنکھ جس کو دکھایا تھا تو نے روئے جمیل　　ترے فراق میں اب اشکبار کیوں نہ کروں
وہ زندگی جو ترے سامنے ہو جان سپرد　　تجھے نہ پا کے اسے سوگوار کیوں نہ کروں

جو تو ہی مجھکو نہ بھیجے کوئی پیامِ سکوں
قبائے صبر کو پھر تار تار کیوں نہ کروں

طلسمِ امید

تو رنج نہ کر مغموم نہ ہو، اُمیدیں مجھ سے کہتی ہیں
اس یاس کے ریگستاں پہ سے تسکین کی نہریں بہتی ہیں
ہر شے جب قطعاً فانی ہے اس دنیائے فانی میں
تغییر نہ ہوگا آخر کیوں۔ پھر تیری غم سامانی میں
آخر اک دن ماہِ عشرت۔ شب تار افق پر چمکے گا
یہ آج جہاں تاریکی ہے اک نور وہاں پھر برسے گا
عیش اور مسرت کی کرنیں پھر روح پہ تیری چھا جائینگی
تاریک پڑی ہے جو بستی اس کو وہ پھر چمکائیں گی
پھر خوشبوؤں کے گہوارے میں آسودہ سکونِ دل ہوگا
پابوسِ مسرت ہوگی تری سرخوش رنگِ محفل ہوگا

---

[1] غالب: حسن اور اس پہ حسنِ ظن رہ گئی بوالہوس کی شرم　　اپنے پہ اعتماد ہے غیر کو آزمائے کیوں

کوئی آنے والی ساعت عشرت لے کر آجائے گی
خوشبوؤں کی اک موج روشن بہجت لے کر آجائے گی
یوں جاگیں گی پھر آرزوئیں جیسے کہ شگوفوں کی دنیا
مسرور شگفتہ پھر ہوگی، یہ تیری روح واماندا
اس ویراں دل کی دنیا پر جنت کی بہاریں چھائیں گی
شیریں خوابوں کی جنت میں نورس کلیاں کھل جائینگی

ہر غم کے بعد اک راحت ہے دنیا والے یوں کہتے ہیں
آغاز میں رونا ہے جن کے انجام میں ہنستے دیکھے ہیں

خاتونِ وطن سے

چاہیے ذوقِ حصولِ علم و حکمت چاہیے
ساتھ ہی احساسِ دردِ قوم و ملت چاہیے
تلخ ہے یہ ظلم و استبداد کی خود غرضیاں
ترے ہر اک فعل میں کیفِ محبت چاہیے
سرزمینِ ہند کو حاصل ہو جس سے روشنی
ذہن و دل میں وہ تجلی صداقت چاہیے
ہو نہ ایسا عظمتِ ماضی پہ حرف آئے کہیں
تیرے ہر انداز میں شانِ متانت چاہیے
باغباں کہتے نہ پائے تجھ کو باغی تیتری
تجھ میں غیرت چاہیے جوشِ حمیت چاہیے
ذرے ذرے کو جگادے تیرا طوفانِ عمل
گرمیِ احساس و ذوقِ بے نہایت چاہیے
کردے جو ناپید دنیا سے جمود و بیخودی
تیری رگ رگ میں وہ طوفانِ قیامت چاہیے
جور و استبداد کی زنجیر کو جو توڑ دے
دست و بازو میں وہ قوت و طاقت چاہیے
تیری ہستی کو جو لے پہنچے فرازِ عرش پر
تیرے دل میں وہ یقینِ فتح و نصرت چاہیے

ماہ و انجم کی ضیاء بھی جس سے ہو جائے خجل
یوں فروزاں شمعِ استقلال و ہمت چاہیئے

جس سے ہوں اصنامِ تہذیبِ خیالی سرنگوں
تیرے شیشے میں وہ قوت وہ صلابت چاہیئے

تجھ کو کرنی چاہیئے مضبوط ملت کی اساس
ہر رگِ دل میں تری احساسِ ملت چاہیئے

تجھ پہ نازاں ہے صداقت تجھ پہ نازاں ہے وطن
تیری ہر اک بات میں ایسی شرافت چاہیئے

جہل اور افلاس کی مٹ جائیں جس سے ظلمتیں
کم سے کم اتنا فروغِ آدمیت چاہیئے

غور کر کے اپنے نصب العین کو تبدیل کر
مقصدِ آزادیٔ اقوام کی تکمیل کر

تمھاری یاد میں ہر نغمہ ہے فغاں اب بھی[1]
تمھاری یاد کی تازہ ہے داستاں اب بھی
غمِ فراق کی باقی ہیں تلخیاں اب بھی
یہ غم وہ ہے جسے کوئی مٹا نہیں سکتا
تمھاری یاد زمانہ بھلا نہیں سکتا

ابھی بدل نہ سکا تھا مزاجِ دنیا کا
کئے ہوئے ہے مقید رواجِ دنیا کا
تخیلات پہ اب بھی ہے راج دنیا کا
چلے گئے ہو ابھی سے ہمیں یہ شکایت ہے
الم کدے میں تمھاری ابھی ضرورت ہے

---

[1] یہ دو بند موصوفہ کی ایک نظم سے لئے گئے ہیں جو علامہ راشد الخیری کی وفات پر لکھی گئی تھی اور جس کا عنوان ہے۔ "مصورِ غم سے"

سکونِ شب اور بچپن کی یاد

سیاہی شب کی بڑھتی آ رہی ہے
چراغِ شام کو دھندلا رہی ہے

مناظر پر خموشی چھا رہی ہے
سواری ظلمتوں کی آ رہی ہے

حجابوں میں ہے دشت و کوہ و دریا
ہر اک شے پر خموشی چھا رہی ہے

ہوا ساکت ہے سبزہ سو رہا ہے
حسیں کلیوں کو بھی نیند آ رہی ہے

شگوفے ڈالیوں پر جھک گئے ہیں
شگفتہ بیخودی سی چھا رہی ہے

شمیم و نکہتِ گل سو گئی ہیں
لچک شاخوں کی سوئی جا رہی ہے

ہری شاخیں نشہ میں نیند کے ہیں
ہر اک پتے کو بھی نیند آ رہی ہے

چمن میں ہے سکوں اندوز بلبل
خموشی کی زباں سے گا رہی ہے

ہر اک وادی کا دامن بے صدا ہے
سکوں کا راگ ندی گا رہی ہے

صنوبر کے یہ لمبے گہرے سائے
نظر بھی جن میں کھوئی جا رہی ہے

عجب حیرت سی طاری ہے دروں پر
اُداسی مقبروں پر چھا رہی ہے

بساطِ سبز پر گر گر کے شبنم
پیامِ بے ثباتی لا رہی ہے

وہ ندی جس پہ سائے چھا گئے ہیں
سکوں کے ساتھ بہتی جا رہی ہے

متانت سے رواں ہے اپنی دھن میں
کوئی پیغام لے کر جا رہی ہے

نہ جانے اس کی منزل کس جگہ ہے
خدا جانے کہاں سے آ رہی ہے

کہیں کوئی کنول یوں تیرتا ہے
کہ جیسے ننھی کشتی جا رہی ہے

کنول خاموشیوں کے جل رہے ہیں
ستاروں کی چمک دھندلا رہی ہے

ہے ان کی انجمن بیہوش و جامد
سکوں کی نیند ان کو آ رہی ہے

کسی نے کوئی جادو کر دیا ہے
تجلّی ان کی سوئی جا رہی ہے

کوئی بادل کا بھولا بھٹکا ٹکڑا
ہوا نے جس کو ساکن کر دیا ہے

نہیں شاید فرشتے کا یہ بازو
سرِ پرواز ہیں پھیلا ہُوا ہے

کوئی آنچل ہے یہ لیلیٰ شب کا
فضا میں پھیل کر جو رہ گیا ہے

گھنے پیڑوں کے پیچھے سے فلک پر
نکل کر ماہِ روشن آ رہا ہے

نہیں شاید فرشتہ ہے یہ کوئی
جو حیرت سے ٹھٹک کر رہ گیا ہے

اگرچہ اس کی کرنیں پڑ رہی ہیں
مگر پھر بھی کُہر سا چھا رہا ہے

ہر اک منظر پہ طاری ہے سکوں سا
سکوں اک خواب بن کر چھا گیا ہے

مگر اس وقت بھی میں ہوں پریشاں
کہ اک طوفان سا دل میں بپا ہے

وہ طوفاں جو محیطِ روح و دل ہے
تخیّل جس میں بھٹکا جا رہا ہے

نہ سوئے گی یہ میری تیرہ بختی
سکوں دنیا پہ چھایا ہے تو کیا ہے

مرے دکھ اور مری بے چینیوں کو
فضا کا یہ سکوں چونکا رہا ہے

مجھے پھر آ رہی ہے یاد دوشیں
فسانہ پھر وہی یاد آ رہا ہے

وہ بچپن! آہ میرا عہدِ شیریں
کہانی، دل وہی دُہرا رہا ہے

تھیں جب اک کیف سے مخمور آنکھیں
وہ دورِ زندگی یاد آ رہا ہے[1]

---

[1] محترمہ کی اس نظم کے بعد علامہ اقبالؒ کی نظم "ایک شام" یاد آجاتی ہے، ملاحظہ ہو:-

خاموش ہے چاندنی قمر کی
شاخیں ہیں خموش ہر شجر کی

وادی کے نوا فروش خاموش
کُہسار کے سبز پوش خاموش

اے سالِ نو

اے سالِ نو اے سالِ نو

اے وقت کے نورِ خراماں حاصلِ دورِ نہاں
پھر صبح زارِ دہر میں، تو بن کے سورج ہے عیاں
مدہوشیوں کی گود میں ہے گل طرازِ وگل فشاں

اے سالِ نو اے سالِ نو

کچھ آرزوئیں حسرتیں رقصاں تری آمد میں ہیں
ہاں شوق کے آتشکدے پنہاں تری آمد میں ہیں
کچھ خواب اُمیدوں کے بھی لرزاں تری آمد میں ہیں

اے سالِ نو اے سالِ نو

یہ سچ ہے کہ آیا ہے تو کچھ خواب دکھلاتا ہوا
اس غمکدے پر دہر کے نشہ سا برساتا ہوا
کیف سکوں ساماں لئے، اور گیت سے گاتا ہوا

[پچھلے صفحہ سے] فطرت بیہوش ہوگئی ہے — آغوش میں شب کے سوگئی ہے
کچھ ایسا سکوت کا فسوں ہے — نیکر کا خرام بھی سکوں ہے
تاروں کا خموش کارواں ہے — یہ قافلہ بے درا رواں ہے
خموش ہیں کوہ و دشت و دریا — قدرت ہے مراقبے میں گویا

اے دل! تو بھی خموش ہو جا
آغوش میں غم کو لے کے سو جا [بانگِ درا صفحہ ۱۳۶]

اے سالِ نَو اے سالِ نَو
کس کو خبر ہے ساتھ تو لایا ہے غم کے قافلے
یا ترے پردوں میں ہیں روپوش خوشیوں کے پرے
یعنی آیا ہے نویدِ امن و آزادی سے لئے
اے سالِ نو اے سالِ نو
اے کاش راس آئے ہمیں رعنائیاں لانا ترا
آغوشِ عالم میں باندازِ دگر آنا ترا
بنکر طلسمِ رنگ و بو دنیا پہ چھا جانا ترا
اے سالِ نو اے سالِ نو
شب ہائے ظلمت میں ہماری تو نیا خورشید ہو
گلہائے زنگار رنگ سے پُر دامنِ اُمید ہو
یکسر مسرت جو ہو اس انجام کی تمہید ہو

بجا کہ رنج و مسرت پہ ہم نہیں قادر
پھر اس کا رنج ہی کیوں جو ہو مقدر ہو موہوم
اُلٹ ہی دیتی ہے آخر جسے ہوائے اجل
ازل سے لازم و ملزوم ہی حیات اور موت

یہ زندگی تو مگر صرف ایک خواب سی ہے
کہ حیثیت تو یہاں کی فقط سراب سی ہے
لطیف روح کے چہرے پہ وہ نقاب سی ہے
کہ چار روز کی یہ زندگی سراب سی ہے

پھر چمن میں آج غنچے چاک داماں ہو گئے
پھر مرے جوشِ جنوں کے راز عریاں ہو گئے

سو نیوالے جاگ اُٹھے محشر کے ساماں ہو گئے
آج شاید وہ سوئے گورِ غریباں ہو گئے

منتشر ہیں رخ پہ اور بکھری ہوئی ہیں دوش پر
آپ کے گیسو مرا حالِ پریشاں ہو گئے

اے حیا کہتے ہیں اس کو امتزاجِ حسن و عشق
ان کے جلوے میری آنکھوں میں نمایاں ہو گئے

حیا (لکھنو)

کنیز فاطمہ نام اور حیا تخلص ہے آپ چودھری نعمت اللہ صاحب ایڈووکیٹ کی دختر ہیں۔ آپ کی شادی سندیلہ میں چودھری عبدالرحمن صاحب سے ہوئی ہے۔ آپ کے والد صاحب بہت زمانے سے لکھنؤ میں مقیم ہیں۔ اس لئے عام طور پر ادبی دنیا میں محترمہ کو "لکھنوی" لکھا اور سمجھا جاتا ہے۔ لیکن راقم السطور کے نام ایک خط میں محترمہ رقمطراز ہیں:۔

"لوگوں کو غلط فہمی ہے کہ میں لکھنؤ کی ہوں۔ میرا وطن یعنی میرے والد صاحب قبلہ کا وطن ضلع بارہ بنکی قصبہ سترکہ ہے"۔

محترمہ دورِ حاضر کی ایک نہایت ادب پرور اور ادب نواز خاتون ہیں۔ تمام تر زندگی ادبی مشاغل میں بسر ہوتی ہے۔ آپ لکھنؤ سے ایک ادبی رسالہ بھی نکالا کرتی تھیں۔ جس کا نام "حیا" تھا اور آپ خود ہی اس کی مدیرہ تھیں!

افسوس ہے کہ باوجود سخت اصرار کے محترمہ نے اپنے حالاتِ زندگی ارسال نہیں فرمائے اس سلسلہ میں آپ رقمطراز ہیں:۔

"دنیا میرے حالاتِ زندگی اور میری "کاوش" (شاعری) پر روشنی ڈالنی چاہتی ہے اور اس کے متعلق معلومات طلب کرتی ہے۔ حالاتِ زندگی نہ تو مجھے اچھی طرح یاد ہیں نہ میں انھیں واضح طور پر قلمبند کر سکتی ہوں۔...

اب سے پہلے ماہنامہ حیا لکھنؤ کے دورانِ ادارت میں ہندوستان کے وسیع طول و عرض سے خدا جانے کتنی بار میرے دور اُفتادہ قارئینِ کرام نے مجھ سے اپنے متعلق اور اپنی شعر گوئی کے متعلق سوانح نگاری کی فرمائش کی لیکن میرے لئے یہ تعمیلِ ارشاد ہر مرتبہ کوہ کندن و کاہ برآوردن کا مصداق ہوئی.... مجھے اس کی ضرور ندامت رہی کہ اپنے بہت سے ادب دوست بھائیوں کی مکرر سہ کرر استدعاؤں کو میں رہینِ تشکر نہ کر سکی۔ اور ساتھ ہی ساتھ دیانت کے ساتھ اس کا بھی اعتراف رہا کہ میں نے اپنی خاموش اور معنی خیز بے اعتنائی سے اپنے سراب آسا تشنگانِ ادب کو مایوس رکھا۔ بہرحال اس اظہارِ خیال سے میرا مطلب اپنی علمی بے بضاعتی کو ظاہر کرنا ہے۔...."

محترمہ دورِ حاضر کی ایک نہایت خوشگوار و قادر الکلام شاعرہ ہیں۔ آپ کا کلام جذباتی اعتبار سے نہایت بلند و پُر کیف ہے۔ آپ کے یہاں کہیں کہیں نشاطیہ رنگ بھی ملتا ہے مگر یہ آپ کا مستقل رنگ نہیں۔ آپ کے کلام پر حزنیہ و المیہ رنگ چھایا ہوا ہے اور اس رنگ کی نہایت دلدوز مثالیں آپ کے یہاں موجود ہیں۔ زبان میں سادگی و پاکیزگی قائم ہے، جو خلوص اور شدتِ جذبات کا نتیجہ ہوتا ہے۔ آپ کے کلام پر اختر شیرانی کا اس قدر



کنیز فاطمہ "حیا"



اثر پڑا ہے، اور اس رنگ میں آپ اس قدر بے تکلفی اور پختگی سے لکھتی ہیں کہ آپ کو بجا طور پر شاعرات کی دنیا کا اختر کہا جا سکتا ہے، معاملہ بندی آپ کے کلام کی خاص خصوصیت ہے۔ اس سلسلہ میں آپ جرأت اور مومن کے رنگ سے متاثر نظر آتی ہیں!

آپ کا ہر ہر شعر رومانی فضاؤں میں سانس لیتا نظر آتا ہے۔ کلام میں جذبات کا ایک تلاطم ہے —— جذبات جو نہایت شدید طریقے پر محسوس کئے گئے ہیں اور نہایت صداقت کے ساتھ ادا ہو گئے ہیں۔ آپ کی شاعری وارداتِ قلب کی آئینہ دار ہے! شاعری اور اخلاقیات مختلف چیزیں ہیں اور ان کو مختلف نظریوں ہی سے دیکھنا چاہیئے۔ شاعری شدّتِ جذبات کے پُرخلوص، مرتّب و مسلسل، کیف آور اور وجد آگیں اظہار کے سوا اور کچھ نہیں اور اس کی عمدہ مثالیں محترمہ کے کلام میں موجود ہیں!

یہاں تک لکھا جا چکا تھا کہ محترمہ کا گرامی نامہ موصول ہوا جس میں آپ نے اپنی شاعری پر اپنے نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی ہے ہمیں مسرت ہے کہ ہمارا اصرار بیکار نہ گیا اور بالآخر محترمہ کو اگر حالاتِ زندگی پر نہیں تو اپنے کلام پر قلم اُٹھانا ہی پڑا۔ آپ لکھتی ہیں:-

"آپ کے اصرار نے مجھے آخر قلم اُٹھانے پر مجبور کر ہی دیا۔ اگرچہ آجکل طبیعت بھی غیر حاضر ہے اور فرصت بھی نہیں۔ اس قسم کے بہت سے اور تقاضے اب بھی ہیں۔ خیر اب لوگوں کو شکایت کا موقعہ ہاتھ نہ آئیگا!"

آپ نے اپنے کلام پر جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے وہ ذیل میں شکریہ کے

ساتھ درج کئے جاتے ہیں۔

"شاعری کی ابتداء گیارہ سال کی عمر سے ہوتی ہے۔ سب سے پہلے جو ابیات میں نے کہے ان میں اوّلیت میری ایک نظم "گلاب" کو حاصل ہے۔ بالکل بچپن ہی سے مجھے پھولوں سے بہت شغف تھا اور خاصکر گلاب کے پھول سے۔ چنانچہ سب سے پہلے میں نے گلاب ہی پر قلم اُٹھایا۔ یہ نظم تہذیب نسواں لاہور میں شائع ہوئی تھی۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ میرا کلام آئینہ۔ عصمت۔ زیب النساء ، رومان اور دوسرے رسائل میں شائع ہونے لگا۔ میرے ابتدائی اشعار میں تصوف کی جھلک پائی جاتی ہے لیکن مجھے یہ بات ظاہر کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ رفتہ رفتہ اس قسم کے اشعار کی آمد نہیں رہی۔ اور آورد کیلئے میری طبیعت نے مجھے پابند نہیں رکھا میں نے کبھی اس کی کوشش نہیں کی کہ حکیمانہ اور مصلحانہ شاعری کو اپنا نقطۂ نظر قرار دوں بلکہ جیسا میں پہلے لکھ چکی ہوں کہ جذبات میری شاعری کے معنوی پہلو کو اُجاگر کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں غزلیہ۔ نشاطیہ۔ حزنیہ اور المیہ جو کچھ کلام میرے قلم سے نکلا وہ سب تاثرات خارجی و داخلی کا پابند تھا۔

وقتی تاثرات نے مجھے جس قدر متاثر کیا بعض بعض اوقات بلا تکلف وہی خیالات موزوں ہو کر زبانِ قلم سے ٹپک پڑے۔ چنانچہ میں نے اپنی والدہ صاحبہ مرحومہ کی یاد میں "ماں" کے عنوان سے جو نظم لکھی ہے وہ اس کی صاف اور روشن مثال ہے۔

مجھے اس کے کہنے میں ذرا بھی باک نہیں ہے کہ چند قدر دانانِ ادب اگر میرے اکثر اشعار پر سر دھنتے ہیں تو بعض نقادانِ فن میرے اکثر اشعار پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ لیکن بقول شخصے ع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست میں کبھی فنی نقطۂ نظر سے ایک شعر کو بھی پڑھنے کی روادار نہیں ہوں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ میں شعر گوئی کو محض اپنی دلچسپی اور ہیجان فکری کے لئے آلۂ کار بناتی ہوں —— بات یہ ہے کہ میں نہ تو خود شخصیت پرست ہوں اور نہ کسی شخصیت پسند کو اچھا سمجھتی ہوں۔ میں اس عقیدہ کی حامل ہوں کہ شاعری کی سرحد میں ہر طبقہ اور شخصیت کے لوگ داخل ہو سکتے ہیں نہ یہ عورتوں کی میراث ہے نہ مردوں کی جاگیر! بلکہ عام انسانی فطرت کا ایک خاصہ ہے کہ اگر طبیعت میں موزونیت پیدا ہو جائے تو شعر مرتب کر سکتا ہے۔ میری نظمیں اکثر جذباتی رنگ کے ماتحت ہیں اور اس پر سنجیدہ اور زہد خشک کا دعوے کرنے والا ریا کار طبقہ اگر معترض ہو سکتا ہے تو یہ اس کی آپ تنگ نظری اور کم فہمی ہے نہ کہ شاعری کا قصور! مجھے کسی وقت بھی اس سے خوشی نہیں ہوئی کہ لوگ میرے اشعار کو پڑھ کر داد و تحسین دیں۔ میں سمجھتی ہی نہیں بلکہ میرا عقیدہ ہے کہ شعر اگر شعر ہے تو وقت اور زمانہ خود اسے اپنی گود میں پروان چڑھائے گا ورنہ وہ زمانہ کے ساتھ بے نام و نشان فنا ہو کر رہے گا! اور بس!

میرے اشعار خود میرے نقطۂ نظر سے دو اقسام زبان کے حامل ہو سکتے ہیں اوّل تو وہ جو فارسی آمیز ترکیبوں سے کہے ہیں اور ان کو میں کوئی درجہ

نہیں دیتی ہوں، دوسرے وہ جو موسیقیت، سلاست اور روزمرّہ کے طرزِ بیان میں ادا کر دیئے گئے ہیں اور نہ ہی وہ چند شعر ہیں جو محض تاثرات کے ترجمان ہیں ــــ میرے کلام میں بے خیالی اور ربودگی کے ساتھ جو کچھ قلم برداشتہ رطب ویابس جمع ہوگیا ہے وہ خواہ متانتِ فکری سے گرگیا ہو لیکن صحیح معنیٰ میں خلوصِ بیان اور صداقتِ شعری کا آئینہ دار کہا جاسکتا ہے۔ رہا تاثیرِ کلام اس کا پیدا کرنا میرا کام نہیں۔ طبیعت کچھ آمادگی کے لئے حاضر نہیں ہوتی ہے ورنہ اپنے کلام کا جستہ جستہ اقتباس پیش کرتی ــــ بضاعت سخن آخر شد و سخن باقیست۔"

کنیز فاطمہ حیاؔ لکھنؤ"

ذیل میں جو محترمہ کا کلام پیش کیا گیا ہے اس میں خود محترمہ کا مرسلہ انتخاب یہ ہے' شوہر کا تحفہ'۔ ایسے ہیں'۔ پیغامِ عمل'۔ غزل' شراب ناب ہیں کب رنگ و بُو نہیں باقی"۔ بقیہ کلام راقم الحروف کا مزید انتخاب ہے

"شوہر کا تحفہ"

غذائے حسن مرا پیکرِ جمال مرا ۔۔۔ چراغِ روح مرا مرکزِ خیال مرا
سرورِ قلب مرا کیف لازوال مرا ۔۔۔ ہر ایک عالم میں تنہا شریکِ حال مرا

اسی کے دم سے ہے راحت دلِ حزیں کیلئے
اسی کے در کے ہیں سجدے مری جبیں کیلئے

وہ اپنی پاک محبت کا زندہ افسانہ ۔۔۔ وہ اپنی شمعِ حرم کا اسیر پروانہ

نشاطِ روح کا وہ حسن سحر کارانہ
وہ اپنے جلوۂ پنہاں سے آپ بیگانہ
وہ گلستاں بکنار و بہار در آغوش
وہ جانِ میکدہ و لالہ زار در آغوش

وہ کہکشاں مرصّع کے تار لایا ہے
متاعِ نورمہ زرنگار لایا ہے
وہ سلکِ گوہر تازہ بہار لایا ہے
درِ خوشاب کا خوش رنگ ہار لایا ہے
بہشت حسن کی تنویر جس کا ہر موتی
بہارِ خلد کی تصویر جس کا ہر موتی

یہ ہار الفت باقی کی یادگار حسیں
یہ ہار عقد ثریا کی سلک خوش آئیں
کسی کے رشک مسرت کا تحفہ رنگیں
کسی کے نقشِ محبت کا لازوال نگیں
شعاعِ مہر منوّر سے جس کا رشتہ ہے
مرے حسین مقدّر سے جس کا رشتہ ہے

گلے کا ہار ہے یا شرح مدعا ہے یہ
مرا انیسِ شبستانِ پُر ضیا ہے یہ
سفینۂ دلِ مضطر کا ناخدا ہے یہ
سکونِ قلب کا اک نسخۂ شفا ہے یہ
ادائے حسن پہ صد جلوۂ خجل قرباں
یہ آرزو ہے کروں اس پہ جان و دل قرباں

رفیقِ جاں ہے یہ معصوم الفتوں کیلئے
حریم دل ہے مرا اسکی عظمتوں کیلئے
یہ نذرِ شوق ہے میری مسرتوں کیلئے
یہ کارسازِ غمِ دل ہے راحتوں کیلئے
ہے جس کی دید سوادِ نظر کی اک تصویر
یہ تحفہ اس کی وفاؤں کی معنوی تفسیر

ضیائے سلک پہ صد جلوۂ تاباں صدقے مرا خیال تصدّق، مری زباں صدقے
حیا تمام محبت کی داستاں صدقے یہ کائنات ہو قرباں دو جہاں صدقے

رہے یہ دل کے قریں ان کا دلنشیں تحفہ
نویدِ عیشِ فراواں بنے حسیں تحفہ

"ایسے میں"

سحر کے جھٹپٹے میں جب پرندے چہچہاتے ہیں
مناظر صبح کے جس دم رسیلے راگ گاتے ہیں
بہاروں کے جلو میں دلربا نغمے لٹاتے ہیں
حسیں غنچے چمن میں صبحدم جب مسکراتے ہیں
تم ایسے میں مجھے بےساختہ کیوں یاد آتے ہو

شفق جب جھانکتی ہے دامنوں سے کوہساروں کے
فضا میں بکھراتے ہیں ترانے آبشاروں کے
ہوا میں تیرنے لگتے ہیں نقشے جوئباروں کے
بیاباں جب بدل لیتے ہیں چولے سبزہ زاروں کے
تم ایسے میں مجھے بےساختہ کیوں یاد آتے ہو

پری قوسِ قزح کی آسماں پر جب سنورتی ہے
ادائے دلبری سے رنگ کے سانچوں میں ڈھلتی ہے
صبا کے مشکبو جھونکوں سے نکہت ٹوٹ پڑتی ہے

بہار آ کر چمن کی جب گلوں سے مانگ بھرتی ہو
تم ایسے میں مجھے بیساختہ کیوں یاد آتے ہو

کنارِ آب کا نظارہ جب مدہوش ہوتا ہے
درخشاں ریت کا میدان جب زرپوش ہوتا ہے
کنول آبِ رواں کی زینتِ آغوش ہوتا ہے
حسیں لہروں کے دل میں جذبۂ پرجوش ہوتا ہے
تم ایسے میں مجھے بیساختہ کیوں یاد آتے ہو

خنک راتوں کی جھینی جھینی جب جھنکار ہوتی ہے
ستاروں کی نظر جب واقفِ اسرار ہوتی ہے
کسی شاعر کی چشمِ روح جب بیدار ہوتی ہے
مرے پندار کے تاروں میں جب جھنکار ہوتی ہے
تم ایسے میں مجھے بیساختہ کیوں یاد آتے ہو

پیغامِ عمل[1]

اُٹھیں پھر فصلِ گل میں آرزوؤں کو جواں کر دیں
چلیں پھر بلبلوں کو آشنائے گلستاں کر دیں

---

[1] اس کے ساتھ علامہ اقبال کی نظم "سر عبد القادر کے نام" (بانگِ درا) پڑھئے جس کا پہلا شعر یہ ہے
اُٹھ کہ ظلمت ہوئی پیدا اُفقِ خاور پر بزم میں شعلہ نوائی سے اُجالا کر دیں

حوادث کے خس و خاشاک میں پیدا دھواں کر دیں
زمانے بھر پہ اپنی شعلہ سامانی عیاں کر دیں

چمن زادانِ خوش آواز کب تک چپ رہیں آخر
تقاضہ ہے یہ فطرت کا انھیں پھر نغمہ خواں کر دیں

بہت خوابِ گراں میں سو چکے اب وقت آیا ہے
کہ اپنی عقل و دانش کو ہم اپنا پاسباں کر دیں

ثبوتِ زندگی دینا ہے پھر تہذیب حاضر کو
ہماری کوششیں پھر اس زمیں کو آسماں کر دیں

اگر دنیا میں رہنا ہے تو یوں دنیا پہ چھا جائیں
کہ اپنے ہر عمل کو زندگی کا ترجماں کر دیں

ضرورت ہے کہ ہم بیدار ہو کر دردِ قومی سے
بدل دیں فطرتِ غم ختم یہ آہ و فغاں کر دیں

سرشکِ بے بسی ٹپکے ہیں جن بے لوث آنکھوں سے
ستاروں کی طرح ان موتیوں کو ضو فشاں کر دیں

سناویں غنچہ و گل کو حکایت پائمالی کی
نگاہِ نغمۂ فطرت کو اپنا راز داں کر دیں

ترقی کے منازل چومتے ہیں پائے ہمت کو
اٹھائیں یوں قدم اک موج بیداری رواں کر دیں

وہ پابندی جو سکھلا دے ہمیں بے لوث قربانی

نثار اس قید پر ہم سیکڑوں آزادیاں کر دیں
شگوفے اب تو علم با عمل کے کھلنے والے ہیں
ہوائے ذوق سے بیدار روحِ گلستاں کر دیں
نہیں ہے اس سے بہتر افتخارِ خدمتِ قومی
مٹیں تو یوں کہ مٹنے کو حیاتِ جاوداں کر دیں
حبا مرکز رہا ہے لکھنؤ علم و تمدن کا
نہ کیوں نورِ عمل سے بھی اسے ہم ضوفشاں کر دیں

غزل

شرابِ ناب میں کب رنگ و بو نہیں باقی
وہ ربط شیشہ و جام و سبو نہیں باقی
چمن وہی ہے گھٹائیں وہی، بہار وہی
مگر گلوں میں وہ اب رنگ و بو نہیں باقی
نزاعِ شیخ و برہمن ہے ہر گھڑی لیکن
حرم کی دیر کی وہ جستجو نہیں باقی
ہے کائنات کے ہر ذرہ میں گہر ریزی
نگاہِ فکر کو خود جستجو نہیں باقی
ہے دلکشی ہی وہی اب بھی موسموں کی بہار
نظر میں کیفیتِ رنگ و بو نہیں باقی
شباب و سر کی اب بھی ہے وہ فراوانی
مگر خیال میں جوشِ نمو نہیں باقی
ہے دل میں درد بھی پہلو میں دل بھی ہے لیکن
کسی کے در پہ رونے کی خو نہیں باقی
ہیں ساتھ آج بھی کچھ شورشیں مگر دل میں
سکت نہیں ہے جسارت کی خو نہیں باقی
حرم کی شمع فروزاں ہے آج بھی لیکن
تجسسِ نظرِ شعلہ جو نہیں باقی
گلے تو ملتے ہیں احباب اے حبا اب بھی
مگر دلوں میں صداقت کی بو نہیں باقی

اقرارِ محبّت

اُن کا اصرار ہے اُلفت کا تم اقرار کرو
ہم کو پوجو ہمیں چاہو ہمیں تم پیار کرو

کہتے ہیں نذرِ محبّت دلِ بیمار کرو
جانِ محزوں کو رہینِ غم و آزار کرو

غم کا اقرار کرو عشق کا اظہار کرو
ہم کو پوجو ہمیں چاہو ہمیں تم پیار کرو

آپ غیروں میں ہیں پاس نہ آئیں کہیں
پاس آئیں نہ کبھی ہم کو بلانے کو کہیں

گر کبھی بات کہیں وہ بھی رلانے کو کہیں
خود ستائیں ہمیں اوروں سے ستانے کو کہیں

پھر تقاضا ہے کہ اُلفت کا تم اقرار کرو
ہم کو پوجو ہمیں چاہو ہمیں تم پیار کرو

حکم یہ ہے کہ کسی غیر سے بولا نہ کریں
جس سے تکلیف انھیں پہنچے ہم ایسا نہ کریں

سب سے روپوش رہیں ان ہی سے پردہ نہ کریں
غیر کو خط نہ لکھیں غیر کا چرچا نہ کریں

ان کا اصرار ہے تم عشق کا اظہار کرو
ہم کو پوجو ہمیں چاہو ہمیں تم پیار کرو

جی میں حسرت ہے سنائیں انھیں افسانۂ غم
کبھی موقعہ ملے سب کچھ کہیں انکی ہی قسم

لیکن آتے نہیں سنتے نہیں رودادِ الم
کتنے مجبور ہیں بتلائیں یہ ہے کیا ستم

اس پہ طرّہ ہے کہ الفت کا بھی اقرار کرو
ہم کو پوجو ہمیں چاہو ہمیں تم پیار کرو

رازِ الفت کا بہت دن سے چھپا رکھا تھا
درد کو اپنے کلیجے سے لگا رکھا تھا

جذبۂ عشق کو سینے میں دبا رکھا تھا
غم کا اظہار قیامت پہ اُٹھا رکھا تھا

بے حد اصرار ہے عشق کا اظہار کرو
ہم کو پوچھو ہمیں چاہو ہمیں تم پیار کرو

رات دن ہم کو رلاتے ہیں الٰہی توبہ
اپنی فرقت میں ستاتے ہیں الٰہی توبہ
خواب الفت کا دکھاتے ہیں الٰہی توبہ
ایسی باتیں وہ بناتے ہیں الٰہی توبہ
پھر بھی تکرار ہے الفت کا تم اقرار کرو
ہم کو پوچھو ہمیں چاہو ہمیں تم پیار کرو

رازِ الفت کا ہماری نہ کھلا تھا جب تک
دردِ دل کا بھی نہ اظہار ہوا تھا جب تک
ہم نے حالِ دلِ مضطر نہ کہا تھا جب تک
اس قدر سوزِ دروں بھی نہ بڑھا تھا جب تک
ان کا اصرار ہے عشق کا اظہار کرو
ہم کو پوچھو ہمیں چاہو ہمیں تم پیار کرو

چین لوٹا غم و آلام سکھایا ہم کو
مضطرب دن کو کیا شب کو رلایا ہم کو
ہجر میں ایک گھڑی چین نہ آیا ہم کو
خواب میں بھی کبھی جلوہ نہ دکھایا ہم کو
پھر بھی کہتے ہیں کہ الفت کا تم اقرار کرو
ہم کو پوچھو ہمیں چاہو ہمیں تم پیار کرو

ایسے بے رحم ہیں انصاف کا بھی پاس نہیں
مہر کی ذرہ برابر بھی تو بو باس نہیں
ایسی بے مہری پہ بھی دل کو مرے یاس نہیں
اب بھی آجائیں کہ جینے کی کوئی آس نہیں
اور خود آکے کہیں عشق کا اظہار کرو
ہم کو پوچھو ہمیں چاہو ہمیں تم پیار کرو

سوزِ ناتمام

آہ دلِ پُر اضطراب ضبط سے کیوں نہ کام لے
بے دل و پُر دغا ہے وہ اس کا سنبھل کے نام لے

مہر و وفا و عشق کا آہ نہ اب پیام لے
جوشِ جنوں سے باز رہ دامنِ صبر تھام لے

ختم ہے داستانِ غم رہ گیا سوزِ ناتمام
ہاں اسی سنگدل کو اب دے کوئی میرا یہ پیام

کر دیا میں نے دل سے محو سارا فسانہ عشق کا
ہائے چلا گیا بہت دور زمانہ عشق کا

اب نہیں مجھکو یاد ہے کوئی ترانہ عشق کا
لے گیا وہ ستم طراز دل سے خزانہ عشق کا

عشق کی آہ بندگی ختم ہوئی ہے آج سے
جور و جفا کی زندگی ختم ہوئی ہے آج سے

گرمیٔ عشق اب نہیں دل کو جو پھر پھونک دے
اب مرا جذبۂ وفا غیر خوشی سے لوٹ لے

چھوڑ دیا ہے آج ساتھ میرا نیاز و ناز نے
ہو گئی ہوں میں دست کش رنج و الم سے یاس سے

ہے میری ان سے التجا مجھ سے نہ نام عشق لیں
آہ مزید تحفۂ رنج و الم مجھے نہ دیں

یاد میں اب کرونگی میں موتی نہ اشک کے نثار
اب نہ کہونگی ان سے میں آہ مرا ہے دل فگار

اب نہ لکھونگی عمر بھر ان کو میں دل کا حالِ زار
اب نہ بناؤنگی کبھی میں انھیں دل کا رازدار

اے دلِ فتنہ زا بس اب اپنا قدم سنبھل کے رکھ
محفلِ سوز و ساز سے دور بہت نکل کے رکھ

اب نہ کرونگی ذکر میں عشق کی رسم و راہ کا
ہوگا بیاں نہ اب کبھی کوئی فسانہ چاہ کا

اب تو نہ ہوگا عمر بھر عہد کبھی نباہ کا
اب نہ سنیں گے حشر تک تذکرہ درد و آہ کا

ان کا اور ان کے پیار کا غم نہ مجھے ستائے گا
یاد جو آ رہے گی کبھی دل مرا بھول جائے گا

خوش ہوں کہ اب کبھی مجھے اپنا نہ وہ بنائینگے
میں انھیں بھول جاؤنگی وہ مجھے بھول جائینگے

ڈوبے ہوئے گداز میں گیت نہ اب سنائینگے
عشق کی داستانِ غم اب نہ لبوں پہ لائینگے

وہم سمجھ کے نقشِ عشق قلب سے میں مٹاؤں گی
اُن کی طرح نہ غیر سے آہ میں دل لگاؤں گی

حکم قضا ٹلے گا کیا جب نہ ٹلا ہے آج تک
جیسے نوشتہ بخت کا مٹ نہ سکا ہے آجتک

جا کے کماں سے آئے تیر یہ نہ ہوا ہے آجتک
اور نہ خزاں کے دَور میں پھول کھلا ہے آجتک

بس میرے دل کا حال ہے بالکل اسی طرح حیا
ٹوٹ کے جیسے آئنہ پھر نہ کسی سے جڑ سکا

انتظار

دل کا سکوں بدل گیا حالتِ اضطرار سے
پرسشِ غم کرے تو کون آ کے نحیف و زار سے

جان بہ تنگ آ گئی اس دلِ بیقرار سے
اُٹھنے لگے ہیں شعلے پھر دیدۂ اشکبار سے

دل کا سکوں بدل گیا حالتِ اضطرار سے
آنکھوں میں آ چلی ہے جاں شدّتِ انتظار سے

اب تو بہار آ گئی، اب تو خزاں بھی جا چکی
ہو گیا سالِ نو شروع تازہ بہار آ چکی

میرے نصیب کی بدی خوب مجھے ستا چکی
ہجر کا غم رُلا چکا غم کی جفا مٹا چکی

پرسشِ غم کرے تو کون آ کے نحیف و زار سے

آنکھوں میں آ چلی ہے جاں شدّتِ انتظار سے

دہر کا ہے وہی شباب اور وہی بہار ہے
چرخ پہ گل فشاں شفق خاک پہ لالہ زار ہے
باغ کا رنگ ہے وہی گل پہ وہی نکھار ہے
مجھ میں ہوا نہ کوئی فرق دل ہو کہ جاں فگار ہے

جاں بہ تنگ آگئی اس دلِ بیقرار سے
آنکھوں میں آ چلی ہے جاں شدّتِ انتظار سے

وہ ہیں اگرچہ بے نیاز اور انھیں اس پہ ناز ہے
نقشِ قدم ہی گر ملے خم یہ سرِ نیاز ہے
بہہ گیا آنسوؤں میں دل پھر بھی نواطراز ہے
آؤ کہ انتظار میں چشمِ امید باز ہے"

اُٹھنے لگے ہیں شعلے پھر دیدۂ اشکبار سے
آنکھوں میں آ چلی ہے جاں شدّتِ انتظار سے

حسن و شباب کا طفیل دل کو ارم بناؤ پھر
صدقہ ادا و ناز کا شانِ کرم دکھاؤ پھر
کر کے نگاہِ التفات دل کی لگی مٹاؤ پھر
ہم ہوں خوشی سے ہمکنار ساتھ خوشی کو لاؤ پھر

دامنِ صبر چھٹ چلا دستِ دلِ فگار سے
آنکھوں میں آ چلی ہے جاں شدّتِ انتظار سے[1]

؎ مینا زبیری مارہروی (علیگ)

بہ چشمِ بیدار روح آمد ز تشنگیِ انتظار امشب

بیا کہ جانِ نزار مینا شکستِ جامِ قرار امشب

ایک آرزو

حالِ غمِ محبت کہنے کی آرزو ہے
شرحِ گدازِ الفت کہنے کی آرزو ہے

روداد رنج و حسرت کہنے کی آرزو ہے
تفصیلِ شامِ غربت کہنے کی آرزو ہے

پھر داستانِ فرقت کہنے کی آرزو ہے
پھر تم سے دل کی حالت کہنے کی آرزو ہے [۱]

دل سے بھلا کے مجھ کو تم یاد کس لئے ہو؟
میرے حریمِ دل میں آباد کس لئے ہو؟

ناشاد کر کے مجھ کو دل شاد کس لئے ہو؟
سچ سچ بتاؤ وقفِ بیداد کس لئے ہو

بیداد کی شکایت کہنے کی آرزو ہے
پھر تم سے دل کی حالت کہنے کی آرزو ہے

گر بھولنا تھا مجھ کو پھر پیار کیوں بڑھایا
میرے سکونِ دل کو یوں کس لئے مٹایا

بیدرد تھے جب ایسے کیوں مجھ سے دل لگایا
دل سے لگا کے مجھ کو پھر دل سے کیوں بھلایا

یہ حالِ پُر شکایت کہنے کی آرزو ہے
پھر تم سے دل کی حالت کہنے کی آرزو ہے

گو اب تمہارے دل میں میری جگہ نہیں ہے،
غیروں سے تم کو الفت زیبا ذرا نہیں ہے

جو چاہتا ہو اس سے نفرت روا نہیں ہے
کیونکر کہوں کہ مجھ کو تم سے گلہ نہیں ہے

یہ دکھ بھری حکایت کہنے کی آرزو ہے
پھر تم سے دل کی حالت کہنے کی آرزو ہے

---

[۱] محترمہ صابرہ سلطان حزیںؔ

پھر آرزو یہ ہے کوئی پوچھے حدیثِ غم
آنکھوں میں ہے تہیۂ طوفاں سا آجکل

اب کیا ہوئے وہ دن جب مجھ پر عنایتیں تھیں آنکھوں میں پیار تھا جب دل میں محبتیں تھیں
جب میری زندگی میں رقصاں حلاوتیں تھیں شاداب اور شگفتہ دل میں مسرتیں تھیں

یہ داستانِ حسرت کہنے کی آرزو ہے
پھر تم سے دل کی حالت کہنے کی آرزو ہے

اللہ کیا ہوا اب وہ چاہ کا زمانہ؟ وہ چاہ تھی کہ ان کا مقصد تھا آزمانا!
مقصود تھا ستانا مطلوب تھا رُلانا! مجھکو نہ تھی خبر یہ آفت ہے دل لگانا

حالِ مآلِ اُلفت کہنے کی آرزو ہے
پھر تم سے دل کی حالت کہنے کی آرزو ہے

اے کاش وہ ہی رہتے ایام زندگی کے افسانے بھول جاتے ناکام زندگی کے
مٹ جاتے خواب ہو کر آلام زندگی کے کیسے گزاروں یہ دن بدنام زندگی کے

اب تو سلام رخصت کہنے کی آرزو ہے
پھر تم سے دل کی حالت کہنے کی آرزو ہے

کس سے کہوں الٰہی یہ دکھ بھرا فسانہ روٹھے وہ کیا کہ گویا روٹھا سبھی زمانہ[1]
الفت کی ہوں بھکارن قدموں میں ہے ٹھکانا میری جبیں ہو اے کاش اور اُن کا آستانہ

پھر ماجرائے حسرت کہنے کی آرزو ہے
پھر تم سے دل کی حالت کہنے کی آرزو ہے

آجاؤ غم غلط ہو، دنیا کو بھول جاؤں افسانہ ہائے فرقت رو رو کے پھر سناؤں
بھولے ہوئے دنوں کی پھر یاد میں دلاؤں حسرت ہے خود بھی روؤں اور تم کو بھی رلاؤں

---

[1] بسمل سے بسمل کوئی بھی پوچھنے والا نہیں رہا ؛ وہ کیا بگڑ گئے مری دنیا بگڑ گئی

گذری ہوئی حقیقت کہنے کی آرزو ہے
پھر تم سے دل کی حالت کہنے کی آرزو ہے

التجا

آ بھی جاؤ کہ نئے سر سے محبّت کرلیں
دل کے ویرانے کو معمورِ مسرّت کرلیں
گردشِ چرخ کو پھر خوگرِ بہجت کرلیں
عمرِ ناشاد کو سرمایۂ عشرت کرلیں
وقت باقی ہے ابھی آؤ کہ اُلفت کرلیں
آ بھی جاؤ کہ نئے سر سے محبّت کرلیں

میں پریشاں ہوں اور آئے نہ تمھیں رحم ذرا
اُف یہ انصاف کا خوں آہ یہ اُلفت کا صلا
کہ ذرا سی بھی جو ہو بات تو ہو بیٹھو خفا
خیر روٹھے کو منانے میں بھی آئیگا مزا
آؤ پھر جمع ہوں اور دور کدورت کرلیں
آ بھی جاؤ کہ نئے سر سے محبّت کرلیں

آؤ دیکھو کہ سراپا غم پنہاں ہوں میں
شمع کی طرح سے اک شعلۂ سوزاں ہوں میں
دل شکستہ ہوں ستم کش ہوں پریشاں ہوں میں
دردِ شاہد ہے کہ منّت کشِ درماں ہوں میں
تم جو آجاؤ تو سب دور شکایت کرلیں
آ بھی جاؤ کہ نئے سر سے محبّت کرلیں

ایسے بیدرد کسی دکھ کا نہ احساس ہوا
بزمِ اغیار میں ہنس ہنس کے گیا کھو مرا
آہ کس سے کروں محرومیٔ قسمت کا گلا
نہ سنو تم، تو سنے کون فسانہ دل کا
تازہ پھر رسم و رہ حرف و حکایت کرلیں

آ بھی جاؤ کہ نئے سر سے محبت کر لیں

مجھ سے گر تم کو گلہ ہے تو سناؤ مجھ کو
گر خطا مجھ سے ہوئی ہو تو بتاؤ مجھ کو

ہو جفا مجھ سے تو پاس آکے جتاؤ مجھکو
غم دوری بھی ہے مگر اب نہ رلاؤ مجھ کو

نالۂ درد کو آہنگِ مسرت کر لیں
آ بھی جاؤ کہ نئے سر سے محبت کر لیں

حرفِ شکایت

یہ کیا کہ مرے عشق کا چرچا نہیں کرتے
پہلے کی طرح اب مجھے رسوا نہیں کرتے

مکتوب میں ان کے نہیں کچھ حرف و حکایت
تمہارے حسیں اب مرا شکوہ نہیں کرتے

سو آرزوئیں دل میں تھیں بیتاب تمہارے
کیوں مجھ پہ فدا اب دلِ شیدا نہیں کرتے

کیوں میرے کسی درد کا درماں نہیں ممکن
کیوں آہ مرے غم کا مداوا نہیں کرتے

اللہ ری بے مہری و بیگانگیٔ عشق
اب بھول گئے اظہارِ تمنا نہیں کرتے

یہ کیا ہوا اک دم سے جو بدلی نگہِ مہر
کیوں اب نظرِ شوق سے دیکھا نہیں کرتے

اک شکوۂ شیریں میں گزر جاتے تھے پہروں
اب کیا ہے جو الفت کا تقاضا نہیں کرتے

اے وائے دریغ آہ یہ محرومیٔ قسمت
روٹھوں جو میں اب مجھکو منایا نہیں کرتے

دے دے کے قسم اب نہیں لیتے کوئی وعدہ
خود وعدۂ فردا کو بھی ایفا نہیں کرتے

آنے کی خوشی اور نہ جانے کا کوئی غم
اب رسمِ محبت کا اعادہ نہیں کرتے

افسانۂ غم اپنا سناتے تھے مجھے شب و روز
اب قصۂ جانکاہ سنایا نہیں کرتے

ہو جاؤں خفا گر تو مناتے تھے وہ پہروں
اب پھر تسلی کبھی شکوہ نہیں کرتے

یہ کیا مئے الفت میں نہیں جوش فرا بھی
کیوں میری طرف چشمِ تماشا نہیں کرتے
اُف قصۂ الفت کو بس اک وہم سمجھکر
ٹھکرا دیا انسان تو ایسا نہیں کرتے
افسانۂ زرّین کو پامال بنایا
دل والے ان افسانوں کو بھولا نہیں کرتے
"یہ قصۂ پارینہ ہے اک خواب پریشاں"
یہ کہہ کے محبّت کو مٹایا نہیں کرتے
یہ کیا کہ بھلاتے پہ بھی تم دل میں سمائے
اس طرح جلے دل کو ستایا نہیں کرتے
کہتے ہیں تصوّر میں وہ ماضی کی کہانی
کس روز حیا مجھکو رلایا نہیں کرتے

غزل

نگاہِ شوق اگر دل کی ترجماں ہوجائے
تو ذرّہ ذرّہ محبّت کا رازداں ہوجائے
زباں سے کیجئے رسوائے نالہ کیوں اسکو
وہ راز آنکھوں ہی آنکھوں میں جو بیاں ہوجائے
پھر اس کے رنج وغم دائمی کی حد ہے کوئی
جو اس جہاں میں گھڑی بھر کو شادماں ہوجائے
کسی سے کیا گلۂ جورِ آسماں کیجے
کہ جس زمیں پہ رہیں ہم وہ آسماں ہوجائے
بجا ہے محفلِ ہستی میں پاسِ رسوائی
گدازِ شمع مرے دل کی داستاں ہوجائے
ادھر بھی اک نظر اے ابرِ نو بہارِ کرم
ہماری حسرتِ دیرینہ بھی جواں ہوجائے
حیا ٹھکانا بھی کچھ ایسی دردمندی کا
کہ لب تک آکے نہ اک حرفِ او فغاں ہوجائے

غزل

بڑھ گئی ہے کچھ زیادہ بیقراری ان دنوں
کر رہا ہے دل بہت فریاد وزاری ان دنوں
یاد کچھ بیچین رکھتی ہی تمھاری ان دنوں
بڑھ گئی ہی وحشتِ دل پھر ہماری ان دنوں

شوق کہتا ہے کہ چلئے کوئے جاناں کی طرف
چاہیئے وارفتگی کی پاسداری ان دنوں

پھر بہار آئی ہی جی اُمڈا ہے یادِ دوست میں
دل کرے زاری اور آنکھیں اشکباری ان دنوں

اک نگاہِ ناز نے یہ کر دیا ہے کیا سے کیا
دل کی رگ رگ میں بسی ہی بیقراری ان دنوں

آہ یہ برسات کا موسم یہ زخموں کی بہار
ہو گیا ہے خونِ دل آنکھوں سے جاری ان دنوں

کیا تقاضہ کیجیئے ان سے نگاہِ لطف کا
بے نیازی ہی وہاں یاں سوگواری ان دنوں

چھوڑ دو اس بے وفا دنیا کو تم بھی اے حیا
کر نہیں سکتا ہے کوئی غمگساری ان دنوں

مجھے بھول جا

مرے لب سے آتی ہے یہ صدا
مجھے بھول جا مجھے بھول جا

مری یاد دل میں ذرا نہ لا
یہی مصلحت کا ہے اقتضا

مجھے تجھ سے کوئی نہیں گلا
مجھے بھول جا مجھے بھول جا

مرے دُور رہنے کا غم نہ کر
مرے چھوٹنے کا الم نہ کر

مجھے نامہ خوں سے رقم نہ کر
مرے دل پہ اُف یہ ستم نہ کر

مرا تذکرہ بھی نہ لب پہ لا
مجھے بھول جا، مجھے بھول جا

میں رہین منّتِ یاس ہوں
ہوئیں مدّتیں کہ اُداس ہوں

غم آرزو کے میں پاس ہوں
میں الم کی لطف شناس ہوں

تجھے کیوں ہے ملنے کا آسرا
مجھے بھول جا مجھے بھول جا

ترا دل ہے رنج سے کیوں لہو　　نہیں اب ہے مجھ میں رنگ و بُو
تجھے کیوں ہے دید کی آرزو　　ترے دل کو کیوں ہے یہ جستجو
ہے نصیب سے تجھے کیوں گِلا
مجھے بھول جا مجھے بھول جا

تجھے چاہتا ہے دلِ حزیں　　کروں لاکھ منھ سے نہیں نہیں[1]
ہوں ترے خیال سے میں قریں　　میں کہیں ہوں اور مرا دل کہیں
ہے دلِ حزیں کا یہ مدّعا
مجھے بھول جا مجھے بھول جا

مرے لب پہ بس ترا نام ہے　　تری یاد سے مجھے کام ہے
مجھے چین صبح نہ شام ہے　　مرا تجھ سے اب یہ پیام ہے
مرے عشق کا یہی دے صلہ
مجھے بھول جا مجھے بھول جا

وہی دل میں شاہدِ ناز ہے　　وہی سوز ہے وہی ساز ہے
وہی اپنے پہلو میں راز ہے　　وہی عشق فتنہ طراز ہے

---

[1] فیض احمد فیض

آہ میں! اور تری چاہ نہیں!　　اس تصنّع سے تھک گیا ہوں میں

("نقشِ فریادی ص۴۴")

مری اب ہے تجھ سے یہ التجا
مجھے بھول جا مجھے بھول جا

جو نہ ختم ہو میں وہ رات ہوں
جو نہ بن سکے میں وہ بات ہوں
کوئی ذات ہوں نہ صفات ہوں
میں اسیرِ دامِ حیات ہوں
میں ہوں ایک نالۂ نارسا
مجھے بھول جا مجھے بھول جا

نہ وہ اب ہے لطفِ چمن حیا
نہ رہا وہ ذوقِ سخن حیا
نہ وہ خوفِ چرخِ کہن رہا
ہے سکوت میں ہمہ تن حیا
میں شکستہ ساز کی ہوں صدا
مجھے بھول جا مجھے بھول جا

شکایت

تمھیں نے کی تھی محبت کی ابتدا کہ نہیں
تمھیں نے درسِ غمِ دل ہمیں دیا کہ نہیں
سکونِ روح کی محفل کو کر کے خود برہم
ہمارے دل کو شناسائے غم کیا کہ نہیں
ہمارا طفلِ دل آگاہ تھا نہ حسرت سے
لُبھا لُبھا کے نگاہوں سے چَل دیا کہ نہیں
یہ بے نیاز بیاں اب کس لئے بتاؤ تو
فسانۂ غمِ الفت مرا سنا کہ نہیں
تمام لطفِ محبت کی یادگاروں کو
بس اک ذرا سی نہیں نہیں میں مٹا دیا کہ نہیں
نگاہِ گرم نے برسا کے بجلیاں پیہم
ہرا بھرا چمنِ دل جلا دیا کہ نہیں
تمھارا وعدۂ باطل تھا اک فریبِ وفا
ہمیشہ جھوٹا ہی ہر آسرا دیا کہ نہیں

وہ دل کی نذر وہ حسرت سے پوچھنا بھی یاد ہے
قبول تحفۂ ناچیز کو کیا کہ نہیں
تمھارے غم کے عوض اپنا دل دیا ہم نے
وہی یہ دل ہے جو ٹھکرا دیا گیا کہ نہیں
نگاہ ملتے ہی روحوں کا ایک ہو جانا
وہ وقت آہ تمھیں محو ہو گیا کہ نہیں
کہا تھا "عہدِ محبت کبھی نہ بھولیں گے"
مگر یہ عہدِ محبت بھلا دیا کہ نہیں؟

نہ اُن سے کوئی شکایت نہ ہے زمانے سے
حیا ہمیشہ رہو دُور دل لگانے سے

تصوّرات

نہ چھیڑ اے ہم نشیں مجھ کو یونہی خاموش رہنے دے
تصوّر سے کسی کے مجھ کو ہم آغوش رہنے دے
ہیں سرشارِ محبت ہوں مجھے مدہوش رہنے دے
ازل سے خوگرِ غم ہوں، مجھے غم کوش رہنے دے
نہ چھیڑ اے ہم نشیں مجھ کو یونہی خاموش رہنے دے

نہ چھیڑ افسانۂ غم، تو مجھے خاموش رہنے دے
دلِ محزوں میں پنہاں اُلفتِ پُرجوش رہنے دے
مسرت ہے یہی میری مجھے غم کوش رہنے دے
تو مجھ محرومِ عشرت کو ستم بردوش رہنے دے
نہ چھیڑ اے ہمنشیں مجھ کو یونہی خاموش رہنے دے

مجھے کیا واسطہ دنیا جو سرتاپا مسرت ہے

غرض کیا مجھ کو گر دنیا صدائے سازِ عشرت ہے
میں اس کی یاد میں بس محو ہو جاؤں یہ حسرت ہے
اسی میں آہ پنہاں میری راحت اور مسرت ہے
نہ چھیڑا اے ہمنشیں مجھ کو یونہی خاموش رہنے دے

مری آہ و فغاں رہتی ہے تا و بے اثر کب تک
مرے نالوں میں رہتا یہ دھواں کبتک شرر کبتک
کہ رہتا نخلِ امید آہ میرا بے ثمر کب تک
بھلاتا مجھ کو وہ غفلت شعار و بیخبر کب تک
نہ چھیڑا اے ہمنشیں مجھ کو یونہی خاموش رہنے دے

سُنا ہے دھیان ان کو بڑھ چلا ہے ان دنوں میرا
میں غرقِ بحرِ حیرت ہوں کہ آخر کیوں ہوا ایسا
بھلا کر مجھ کو دل سے کیوں انھیں میرا خیال آیا
کہوں میں کچھ تو پھر ہوگا مرا اغیار میں چرچا
نہ چھیڑا اے ہمنشیں مجھ کو یونہی خاموش رہنے دے

لگاوٹ کی ہیں باتیں پھر بڑھے گا حوصلہ دل کا
کہ پھر وابستہ ہو جائیگا ان سے آسرا دل کا
یہ سوچا ہے کہ ہم ایسے نہ مانیں گے کہا دل کا
شکایت ہو، گلہ ہو، کچھ نہ سننا تم حیا دل کا
نہ چھیڑا اے ہمنشیں مجھ کو یونہی خاموش رہنے دے

نہ ہوتی حالِ دل کہنے کی گر ہمت تو اچھا تھا
نہ سنتے کاش وہ شرحِ غمِ اُلفت تو اچھا تھا

یہ پامالِ الم مصروفِ غم میرا دلِ محزوں
نہ ہوتا آشنائے شادی و بہجت تو اچھا تھا

مری بیتابیٔ دل بڑھ گئی ہے الاماں کتنی
نکلتی گر نہ شوقِ دید کی حسرت تو اچھا تھا

وہ راحت بیز ماں ثابت ہوئیں کتنی حباب آسا
کبھی ہوتا نہ اتمامِ شبِ فرقت تو اچھا تھا

بڑھی پھر آرزوئے دل ہوا کیوں سامنا اُن کا
مرے دل ہی میں رہ جاتی جو یہ حسرت تو اچھا تھا

ہوا کیوں التفات ان کا بڑھا کیوں حوصلہ میرا
نہاں پہلوں میں رہتی آہ گر نکہت تو اچھا تھا

سکوں سے ہے مجھے نفرت میں مایوسِ تمنا ہوں
مرے دل کو نہ ملتی گر کبھی راحت تو اچھا تھا

تمنا ہے فزوں ہوں شورشیں جذبِ محبت کی
دلِ مضطر کی بڑھتی اور بھی وحشت تو اچھا تھا

رہیں غم کی شرر انگیزیاں یارب قیامت تک
حیاؔ غم سے نہ ملتی گر کبھی فرصت تو اچھا تھا

خ

خالدہ۔ محترمہ خالدہ بیگم جبلپور۔

محترمہ نے اپنے خود نوشتہ حالات جو ارسال کئے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں۔

"نام خالدہ بیگم، تخلص خالدہ۔ مقیم جبلپور۔ میرے والد محمود حسن صاحب بمشاہرہ دو سو روپیہ ماہوار گن کیرج فیکٹری جبلپور میں سپروائزر ہیں میرے دادا خان بہادر لطیف حسن صاحب مرحوم عرصہ تک ضلع بریلی میں تحصیلدار رہے۔ تحصیل نواب گنج بریلی سے ۱۹۱۸ء میں پنشن

لیکر آنریری مجسٹریٹ اور منیجر کورٹ آف وارڈ کا کام کرتے رہے ۱۹۶۱ء

میں اس دنیا سے رحلت کی۔

"میری ابتدائی تعلیم مڈل کلاس تک اسکول میں ہوئی۔ فارسی کی تکمیل مکان پر ہوئی۔ دورانِ تعلیم میں شاعری کا شوق شروع ہوا عروض کی کتابیں مطالعہ سے گزریں۔ مگر یہ مقام (جبلپور) اُردو کے واسطے قطعی غیر موزوں ہے، جہاں پر نہ کسی سے مشورۂ سخن کیا جا سکتا ہے اور نہ یو۔پی کا سا ماحول ہی ہے۔ یہاں کی دفتری زبان تک ہندی ہے اور ہر شخص ہندی پڑھنے پر مجبور ہے۔ میں خاموشی سے مشقِ سخن کرتی رہی۔ میرا کلام اور مضامین نثر اکثر رسالہ خاتونِ مشرق میں شائع ہوتے رہتے ہیں اس سے زائد ایک ایسی لڑکی کے اور کیا حالات ہو سکتے ہیں جو ابھی تک انفرادیت کے دَور سے گزر رہی ہو"

محترمہ کے کلام کا انتخاب جو موصوفہ نے اس کتاب کے لئے راقم الحروف کو ارسال فرمایا ہے، درج ذیل ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ محترمہ کا اندازِ بیان پختہ اور کلام سنجیدہ ہے جذبات میں متانت و وقار موجود ہے۔ زبان صاف و سادہ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ آپ اساتذہ کے کلام سے متاثر ہوئی ہیں:

مایوسِ آرزو ہے، مجبورِ التجا ہے
دل ہے مگر وہ دل بھی اب دل نہیں رہا ہے

اللہ! تو ہی حافظ آج اس کا سامنا ہے
لاکھوں قیامتیں ہیں اک جانِ مبتلا ہے

دل نذر کر رہا تھا اب جان بھی فدا ہے
وہ حسن ابتدا تھی یہ حسنِ انتہا ہے



خالدہ بیگم 'خالدہ'



ہالہ ، محمودہ ہالہ

یہ بیخودی کا عالم، دیوانگی کا نقشہ
میں دل کو ڈھونڈتا ہوں دل مجھکو ڈھونڈتا ہے

تجھ کو مری محبت کا واسطہ بتا دے
آخر مجھے مٹا کر کیا بات چاہتا ہے

یہ غمِ محبت، یہ ہجر ہجرِ جاناں
کیا خالدہ بتاؤں آفت کا سامنا ہے

پابندِ اختیار اثر اُف زباں نہیں
وہ سُن کے کہہ رہے ہیں تری داستاں نہیں

یہ منظرِ حیات ذرا تو بھی دیکھ لے
وہ بے نشانِ عشق ہوں جس کا نشاں نہیں

وہ اور وعدہ وصل کا قاصد غلط غلط
کیا بات کہہ رہا ہے کہ جس کا گماں نہیں[1]

بیٹھا ہوں کچھ سمجھ کے اٹھونگا نہ حشر تک
تو ہی بتا دے کیا یہ ترا آستاں نہیں

خوش ہوں ہیں خالدہ مرا انجام ہو بخیر
عمرِ رواں سے آگے کوئی کارواں نہیں

قربانِ محبت ہوں
تصویرِ مسرت ہوں

پھولوں کی ہیں نکہت ہوں
دنیا کی ہیں جنت ہوں

مشرق کی ہیں عورت ہوں

دریائے لطافت ہوں
اک گوہرِ عصمت ہوں

اک رازِ حقیقت ہوں
پروانے کی فطرت ہوں

---

[1] امیر مینائی ؎ وہ اور وعدہ وصل کا قاصد نہیں نہیں
سچ سچ بتا یہ لفظ انھیں کی زباں کے ہیں

مشرق کی میں عورت ہوں

میں پیکرِ فطرت ہوں مانوسِ محبّت ہوں
سرمایۂ راحت ہوں میں حسنِ قیامت ہوں
مشرق کی میں عورت ہوں

شیریں کی صباحت ہوں لیلیٰ کی ملاحت ہوں
فرہاد کی غیرت ہوں مجنوں کی میں حسرت ہوں
مشرق کی میں عورت ہوں

شمشیر ہلاکت ہوں تفسیر قیامت ہوں
چنگیز کی خصلت ہوں محمود کی عادت ہوں
مشرق کی میں عورت ہوں

حضرتِ جگر کے ایک شعر کی تضمین

منھ میں زباں جو دی بھی تو ٹل کیوں دیا مجھے فطرت سے اپنی کس نے کیا آشنا مجھے
انکی نگاہِ ناز سے کہنا پڑا مجھے مانوسِ اعتبارِ کرم کیوں کیا مجھے
اب ہر خطائے شوق اسی کا جواب ہے

ایضاً

نگاہوں سے اپنی وہ تڑپا رہا ہے تبسّم کے ساغر وہ چھلکا رہا ہے
یہ دل جوشِ طوفاں سے گھبرا رہا ہے وہ حرفِ غلط ہے مٹا جا رہا ہے

محبّت کی دنیا نرالی ہے سب سے
انوکھی یہ بزمِ خیالی ہے سب سے

ہر اک رنگ سے آزمایا گیا ہوں — چڑھا کر نظر سے گرایا گیا ہوں
بھری بزم سے میں اُٹھایا گیا ہوں[1] — کہاں پھر کہاں سے میں لایا گیا ہوں

محبّت کی دنیا نرالی ہے سب سے
انوکھی یہ بزمِ خیالی ہے سب سے

تڑپ خالدہ دل میں ہوتی ہی اکثر — مصیبت میں ہر آنکھ روتی ہے اکثر
سنو دل کی دھڑکن یہ کہتی ہے اکثر — یہ شمع ہے وہ جل کے بجھتی ہے اکثر

محبت کی دنیا نرالی ہے سب سے
انوکھی یہ بزمِ خیالی ہے سب سے

شوخیاں بن کے جو چھا جائے نظر ساقی — ہے کوئی موج بھی ایسی ترے پیمانوں کی
زندگی میری کہیں حرفِ مکرر تو نہیں — برق کیوں ڈھونڈھتی پھرتی ہی نشیمن میرا[2]
نمودِ حسن سے اظہارِ آرزو کیا ہے — سمجھ رہا ہوں یہ اندازِ گفتگو کیا ہے[3]
دیوانگی میں تو میری نیت بھی دیکھ لے — کس درجہ احترام ہے عہدِ شباب کا

---

[1] شاد عظیم آبادی
لحد میں کیوں نہ جاؤں منہ چھپائے — بھری محفل سے اُٹھوایا گیا ہوں

[2] غالب ش:- یارب زمانہ مجھکو مٹاتا ہی کس لئے :: لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں

[3] غالب ع:- تمہیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے۔

خورشید امراوتی (برار)

اس شاعرۂ نادرہ کا نام خورشید آرا بیگم اور تخلص خورشید ہے، نہایت عالم و فاضل خاتون ہیں۔ فارسی کی منتہی ہیں۔ آپ کا وطن امراوتی (برار) ہے، بہت عرصہ پہلے آپ منشی فاضل اور ادیب فاضل کے امتحانات پاس کر چکی تھیں۔ اور ومن کالج ناگپور میں پرشین پروفیسری کے فرائض انجام دے رہی ہیں۔

آپ کی طبیعت کا رجحان بچپن ہی سے شعر و شاعری کی طرف تھا اور اب آپ ملک کی ایک مسلم الثبوت وقادر الکلام شاعرہ ہیں۔ آپ کا شمار گنتی کی ان چند خواتین میں ہے جن کی شاعرانہ قابلیت ہندوستانی خواتین کے لئے باعث فخر کہی جا سکتی ہے۔ ان کی بلند پایہ اور موثر نظمیں بڑی قدر و وقعت کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں۔ آپ کے کلام و زبان میں فارسی کا عنصر غالب ہوتا ہے۔ آپ کے خیالات نہایت بلیغ، سنجیدہ اور پُر وقار ہوتے ہیں، طرزِ ادا نہایت پختہ اور اُستادانہ ہے۔ کلام میں فلسفہ کا بھی امتزاج ہے اور ضرورتِ زمانہ کا بھی لحاظ۔ آپ نے نہایت کامیاب منظر کشی بھی کی ہے۔ جذبات نگاری پر آپ کو بڑی قدرت حاصل ہے۔

محترمہ خورشید آرا بیگم خورشید فارسی کی بھی ایک بلند پایہ شاعرہ ہیں۔ مولانا رازق الخیری ایڈیٹر رسالہ عصمت آپ کے متعلق رقمطراز ہیں:-

"...... بالعموم وہ فارسی میں لکھتی ہیں، انھوں نے تقریباً پانچ چھ ہزار اشعار اب تک فارسی میں کہے ہونگے، پُر شکوہ الفاظ

میں مناظرِ قدرت کی مصوری، جذبات کی ترجمانی، درد و اثر، سوز و گداز،
ان کی نظموں کی خصوصیات ہیں۔ عورتوں کے حقوق اور فرائض پر
ان کی بیداری اور ترقی کے سلسلہ میں خورشید آرا بیگم صاحبہ کی
نظمیں سب سے زیادہ شائع ہوئی ہیں۔"

زندگی

زندگی جبروتِ فطرت کا پریشاں خواب ہے
زندگی مجبوریِ انساں کی درد آگیں کراہ

زندگی ناکامیوں کی قسمتِ سیماب ہے
زندگی افسردہ ارمانوں کی غم پرور نگاہ

زندگی مایوسیوں کا روح فرسا منظر ہے
زندگی پامالیوں کی آہِ وحشت آفریں

زندگی ہے کاوشوں کا کشمکش زا انقلاب
زندگی ہے نقطۂ پرکارِ افکارِ حزیں

زندگی تسکینِ برہم کی دعائے ناقبول
زندگی ناکام بہجت کا قیامِ مستقل

زندگی اک سعیِ ناشکورِ جذباتِ ملول
زندگی تقدیرِ واژوں کی امیدِ مضمحل

زندگی قدرت کا انساں سے زبردست انتقام
زندگی جنگِ عناصر کا مصائب زا سماں

زندگی ہے شورشوں کی داستانِ ناتمام
زندگی پاداشِ جرمِ آدمِ جنت مکاں

وہ گراں بارِ امانت ہے حیاتِ آدمی
محترز جس سے ہوئے تھے کوہ و افلاک و زمیں

مل گئی ناداں و ظالم[1] کو سزائے الٰہی
ہو گیا خورشید وہ تیغ و مصائب کا امیں[2]

---

[1] آیۂ پاک کے الفاظ "ظلوما جهولا" کا لفظی ترجمہ ہے

[2] محترمہ کی یہ نظم دیکھنے سے پہلے راقم السطور نے بھی اس جذبہ کو اس طرح ادا کیا تھا

زندگی اک خوابِ وحشت ہے — زندگی اک سرابِ الفت ہے بقیہ اگلے صفحہ پر

صرفِ فغاں ہو گئیں آج نوا ریزیاں
آنسوؤں میں کھو گئیں آہ کی بیتابیاں

جانتا ہوں میں آرزو کا مآل
آرزو پھر بھی دل کی عادت ہے

دل کی رگ رگ سے خوں ٹپکتا ہے
زندگی صد ہزار کلفت ہے

زندگی نالہ ہائے بے تاثیر
زندگی گریہ ہائے حسرت ہے

زندگی داستانِ رنج و الم
زندگی قہر ہے، مصیبت ہے

زندگی بیکسی و محرومی
زندگی سوز و دردِ فرقت ہے

زندگی نامرادئ پیہم
زندگی کرب ہے اذیت ہے

ہر تمنا کا خون ہوتا ہے
کیا یہی زندگی کی غایت ہے؟

کس کو جرأت کہ لب ہلائے جمیلؔ
زندگی شاہکارِ فطرت ہے

اسی مضمون کو ردیف و قافیہ کی تبدیلی کے ساتھ اس زمین میں ایک اور جگہ بھی ادا کیا تھا۔ اس وقت صرف ایک شعر یاد ہے ؎

نہ زندگی، زندگی نہیں یارب!
زندگی، زندگی کا ماتم ہے

میرے یہ اشعار ایک اضطراری لمحہ کی وقتی تخلیق ہیں جو میرے نظریۂ حیات کی طرف ہدایت نہیں کرتے۔ یوں نہ صرف یہ کہ میں اس نظریہ کا قائل نہیں بلکہ اس کو انسانی زیست کے مفاد اور حیات کی تکمیل مقاصد کے لئے ضرر رساں اور غلط سمجھتا ہوں، حیات، بے پناہ امکانات کی جولانگاہ ہے اس کی تحدید انفعال دراصل، ہماری کم کوشی و بے بصری کا نتیجہ ہے۔ "ج"

نقش سکوں دھو ئیں درد کی گہرائیاں
یاس سے خوں رو گئیں ضبط کی ناکامیاں

آج سویدائے دل بن گیا داغِ الم
ہر نفس گرم ہے دودِ چراغِ الم
دودِ چراغِ الم وجہ شراغِ الم

عورت

(۱)

ازل میں سلسلہ تخلیق کا سرعت سے جاری تھا
اور تکمیل مذاقِ زیست میں مصروف تھی فطرت
کمالِ آفرینش بیقرارِ کامگاری تھا
عطا کی جا رہی تھی زندگی کو مضطرب قسمت

(۲)

مگر ناواقفِ رمزِ گداز و سوز تھا نغمہ
صباحت سے سحر اور رنگ و بو سے گل تہی داماں
خمار و کیف سے ناآشنا تھی فطرتِ صہبا
بہارِ شام سحر آئیں نہ تھی رنگینیاں ساماں

(۳)

جنوں سے عشق بیگانہ تھا فرقت بیقراری سے
تجلیاتِ حسنِ حشر پرور زیرِ پردہ تھیں
وفا و عزم تھے محروم ذوقِ استواری سے
ادا و عشوہ محوِ خواب امیدیں فسردہ تھیں

(۴)

نہ تھی معصومیت آئینہ دارِ عفت و عصمت

نہ تھی دوشیزگی ملبوسِ تقدیس و حیا پرور

نہ مقرونِ لطافت تھا خیالِ راحت و عشرت

نہ جذباتِ شباب و شاعری وجدانیت پرور

(۵)

نہ دارائے اثر آہ و دعائے صبح گاہی تھی

نہ حسیاتِ انسانی امین رنگ خودداری

نہ حورِ زندگی مرہونِ حسنِ بے گناہی تھی

تھا فقدانِ رفاقت، سر بہ زانو شوقِ غمخواری

(۶)

کیا محسوس فطرت نے جمودِ ذوقِ اشیاء کو

ہوئی مجبورِ بیداری، جذباتِ فسردہ پر

شبابِ حسن و رعنائی وفا و عزم و تقویٰ کو

کیا یک جا تبسم کی لطافت باریاں لے کر

(۷)

کیا عفت کو شامل اور بنایا اک حسیں پیکر

جو یکسر شعر و نغمہ تھا سراپا سوزشِ الفت

مجسم جذبۂ خودداری و شرم و وفا پرور

پھر اس کا نام اے خورشید فطرت نے رکھا عورت“ [۱]

---

[۱] محترمہ کی اس نظم کو علامہ اقبالؒ کی اس نظم کے ساتھ پڑھیئے۔

محبت

عروسِ شب کی زلفیں تھیں ابھی ناآشنا خم سے ستارے آسماں کے بےخبر تھے لذتِ رم سے

[بقیہ اگلے صفحہ پر]

ہے موسمِ برشگال عریاں، فلک ہے ملبوسِ ابرِ در بر
فتادگی سے نسیمِ عنبر چکاں ہے مستِ خرامِ یکسر

[پچھلے صفحہ سے]

قمر اپنے لباسِ نَو میں بیگانہ سا لگتا تھا
نہ تھا واقف ابھی گردش کے آئینِ مسلّم سے

ابھی امکاں کے ظلمت خانے سے اُبھری ہی تھی دنیا
مذاقِ زندگی پوشیدہ تھا پہنائے عالم سے

کمالِ نظمِ ہستی کی ابھی تھی ابتدا گویا
ہویدا تھی نگینہ کی تمنّا چشمِ خاتم سے

سنا ہے عالمِ بالا میں کوئی کیمیاگر تھا
صفا تھی جس کی خاکِ پا میں بڑھکر ساغرِ جم سے

لکھا تھا عرش کے پائے پہ اک اکسیر کا نسخہ
چھپاتے تھے فرشتے جس کو چشمِ روحِ آدم سے

نگاہیں تاک میں رہتی تھیں لیکن کیمیاگر کی
وہ اس نسخہ کو بڑھکر جانتا تھا اسمِ اعظم سے

بڑھا تسبیح خوانی کے بہانے عرش کی جانب
تمنائے دلی آخر بر آئی سعیٔ پیہم سے

پھرایا فکرِ اجزا نے اسے میدانِ امکاں میں
چھپے گی کیا کوئی شے بارگاہِ حق کے محرم سے

چمک تارے سے مانگی، چاند سے داغِ جگر مانگا
اڑائی تیرگی تھوڑی سی شب کی زلفِ برہم سے

تڑپ بجلی سے پائی، حور سے پاکیزگی پائی
حرارت لی نفس ہائے مسیحِ ابنِ مریمؑ سے

ذرا سی پھر ربوبیت سے شانِ بے نیازی لی
ملک سے عاجزی افتادگی تقدیرِ شبنم سے

پھر ان اجزا کو گھولا چشمۂ حیواں کے پانی میں
مرکّب نے محبّت نام پایا عرشِ اعظم سے

مہوّس نے یہ پانی ہستیٔ نوخیز پر چھڑکا
گرہ کھولی ہنر نے اس کے گویا کارِ عالم سے

ہوئی جنبش عیاں، ذرّوں نے لطفِ خواب کو چھوڑا
گلے ملنے لگے اٹھ اٹھ کے اپنے اپنے محرم سے

خرامِ ناز پایا آفتابوں نے ستاروں نے
چٹک غنچوں نے پائی، داغ پائے لالہ زاروں نے

[بانگِ درا صہ ۱۱۵ و ۱۱۶]

صبح غنچے تبسّم آگیں، سبک رو و نرم سیرِ طائر

تجلّیٔ شام حسن پیرا، ہے آہ وقت وداع نیّر

ہوا ہے بیدار حسنِ فطرت، فضا ہے رنگینیاں بداماں

رواں دواں نغمہ ریز نہریں، ہے جامِ گل میں شرابِ احمر

شفق سے رنگیں اُفق ہوئی ہے، جہاں پہ نشہ سا چھا رہا ہے

ضیائیں ہمدوش تیرگی ہیں، کہیں کہیں جلوہ زا ہیں اختر

ہیں مائلِ آشیاں عنادل، ہیں اہلِ عالم سکون خواہاں

کنارِ راحت میں سوئے زحمت، پئے سکوں شورشیں ہیں مضطر

جمالیات و تجلّی آگیں، فضا ہے لیکن کنارِ چشمہ

خموش بیٹھی ہے اک دوشیزہ جمال و رنگ و شباب پیکر

ہیں ساعدِ تابناک عریاں، شگوفہائے سمن بداماں

ہے موجِ نقرہ بدوش ہر دم حسین پیروں پہ سجدہ گستر

ہیں گیسوئے عنبریں پریشاں، نگاہ یکسو لگی ہوئی ہے

ہیں بے نیازِ نظارہ آنکھیں، ہیں خشک لب زرد روئے انور

سکوت کا بت ہے یا الٰہی شبیہِ مایوسی و الم ہے

ہوئی ہے یا محویت مجسّم، یا بیخودی کا جمیل پیکر

نگاہیں ساکن، زبان ساکت، ہے دل میں جذبات کا تلاطم

مثالِ سیماب ہر رگِ جاں، جگر میں غم کے لگے ہیں نشتر

گدازشیں آرزو کی دل سے ہیں کرعیاں راز و سرِّ مخفی

ہاں مقتضی وقت فہم و دانش نہ رکھ نہاں جذبہا مضطر
اے غنچۂ باغِ آفرینش زبانِ خموشی نواز کب تک
تری تمنا بنی رہے گی نہاں کدہ دل میں راز کب تک[1]

درخشاں

محترمہ آر۔ کے۔ درخشاں بجنور کی مشہور شاعرہ ہیں۔ خاتونِ مشرق میں کلام اکثر شائع ہوتا رہتا ہے۔ آپ کی زبان صاف و سادہ اور اندازِ بیان پُر کیف اور پُر اثر ہے۔ کلام کا نمونہ یہ ہے:۔

گدا تیرے در کا بنا چاہتی ہوں — محبت میں تیری فنا چاہتی ہوں
کہے اب وہ رودادِ غم آکے مجھ سے — تصور میں لیکن سُنا چاہتی ہوں
ہوا کس طرح قلبِ تاریک روشن — عیاں رازِ پنہاں کیا چاہتی ہوں
کہا آکے گلشن میں بلبل نے ہنس کر — میں پھولوں سے دامن بھرا چاہتی ہوں
ہوئی محفلِ شوق تاریک میری — تجھے دل میں جلوہ نما چاہتی ہوں
کہانی میرے غم کی بکھری ہوئی ہے — غمِ عہد یکجا کیا چاہتی ہوں
نہ دیکھے تصور میں بھی کوئی مجھکو — لطافت میں ایسی چھپا چاہتی ہوں
گناہوں کا نظروں پہ اتنا اثر ہے — میں بحرِ خجل میں بہا چاہتی ہوں

درخشاں مرے شعر ہیں دل کے ٹکڑے
میں کاوش کا اپنی صلا چاہتی ہوں

---

[1] ساغر نظامی۔ ہاں تو لب خاموش کو نطق کی دے اجازتیں
ناز سے یوں ہو نغمہ گر گونج اُٹھے فضائے ساز

دل آرا

دل آرا بانو نام اور دل آرا تخلص ہے۔ زبان سہل اور صاف لکھتی ہیں۔ محاورات بھی نہایت خوش سلیقگی سے استعمال کرتی ہیں۔ نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے:-

یاد ہیں وہ دن کہ جب آپس میں اک سنجوگ تھا
کوئی صدمہ تھا نہ غم تھا اور نہ کوئی روگ تھا

یاد ہیں وہ دن کہ تھی گلزارِ اُردو پر بہار
اور چلا کرتی تھی اٹھلا کر نسیمِ مشکبار

یاد ہیں وہ دن کہ اُردو کی ترقی کیلئے
لکھنؤ اور شاہجہاں آباد دونوں ایک تھے

تھی انھیں دونوں کے دم سے جوئے اُردو کی بہا
اور انھیں دونوں سے تھا جادوئے اُردو کا نکھار

ان کے ہاتھوں ہی سنوری تھی اُردو کی دلہن
انکی کوشش سے ہی تھی آباد اس کی انجمن

لکھنؤ دلّی سے ہی اُردو کی آرائش ہوئی
متحد کوشش سے ہی اُردو کی افزائش ہوئی

ایک وہ دن ہے نہیں صدیوں سے تھا میل جول
پر خدا جانے کہ بولے کس نے تھے بڑھ بڑھ کے بول

جن سے چرخِ فتنہ پرور کو بہانہ مل گیا
تیرِ فرقت کیلئے عمدہ نشانہ مل گیا

ہو گئی دونوں میں رنجش پڑ گئی دونوں میں پھوٹ
چرخ نے دستِ خزاں سے کہہ دیا گلشن کو لوٹ

جاگ اُٹھے فتنے کرم پرور فرشتے سو گئے
لکھنؤ دلّی کے دل جو ایک تھے دو ہو گئے

لیلئ اُردو تری زلفیں پریشاں ہو گئیں
ہاں تری رنگیں شعاعیں نذرِ زنداں ہو گئیں

دل فسردہ ہو گیا چہرہ فسردہ ہو گیا
ہائے وہ اک رشکِ جنت پھول مردہ ہو گیا

ہائے وہ صدیوں کا دلّی لکھنؤ میں اتحاد
ہائے وہ مدّت کا کیف رنگ و بو میں اتحاد

کیا خبر تھی حادثوں کے ہاتھ سے لٹ جائیگا
ساتھ جو مدّت سے تھا وہ یک بیک چھٹ جائیگا

لکھنؤ کو گھر سمجھ کر شاعرانِ دہلوی
جا کے رہتے اور بستے تھے بصد جوشِ دلی

متحد ایسے ہی تھے اک نیک مقصد کیلئے
ہو نہ سکتے تھے جدا وہ ایک مقصد کیلئے

ہائے یہ کس کی فسوں سازی کا جادو چل گیا
کیا فلک تیری نگاہِ بد کا جادو چل گیا

ہے زباں بھی ایک رنگِ شاعری بھی ایک ہے
غور سے دیکھو تو طرزِ زندگی بھی ایک ہے

پھر بھی دونوں کے دلوں میں ہے جدائی ہائے ہائے
گلشنِ اردو پہ کیسی آفت آئی ہائے ہائے

کاش اب پھر درمیاں سے رنگِ باطل دور ہو
کاش پھر دونوں دلوں سے حدِ فاصل دور ہو

کاش صنفِ نازنیں کا دل ذرا جرأت کرے
مرد جس کو کر نہ سکتے ہوں اُسے عورت کرے

حق تعالیٰ سے دل آرا کی ہے روز و شب دعا
دونوں مرکز ایک کر دے دونوں بچھڑے دل کو ملا

پھر دلوں سے اے خدا زنگِ کدورت دور کر
اب جو ناخوش ہیں انھیں پھر شاد کر مسرور کر

راز

امت الشکور نام اور راز تخلص ہے۔ آپ کی صرف ایک طرحی غزل دستیاب ہوئی ہے جو آپ نے لکھنؤ کے ایک زنانہ مشاعرہ میں پڑھی تھی۔ یہ مشاعرہ ۱۷ دسمبر سنہ ۱۹۴۰ء کو محترمہ کنیز فاطمہ حیا کے مکان پر بیگم حبیب اللہ صاحب کی صدارت میں ہوا تھا۔ آپ موجودہ دور کی ایک اچھی شاعرہ ہیں، زبان و بیان میں سلاست، صفائی اور شائستگی موجود ہے۔

سفینہ لا پتہ ہے ناخدا کیا
مرے اشکوں کا طوفاں ہے بپا کیا

بہار آتے ہی کھل جاتے ہیں غنچے
بدل جاتی ہے گلشن کی فضا کیا

وہی ہوگا جو قسمت میں لکھا ہے
کسی سے ہم کریں جا کر گلا کیا

نظر آتی ہے صورت رہزنوں کی
بنائیں ہم کسی کو رہنما کیا

چلے آتے ہیں میکش میکدے میں
فلک پر جھوم کر آئی گھٹا کیا

اجل کا رات دن رہتا ہے کھٹکا | نکالے دل کا کوئی حوصلا کیا
نہ لی کروٹ بشر نے رازؔ مر کر | گئی ہے کان میں کہہ کر قضا کیا

رازؔ

محترمہ سیّدہ جمیل رازؔ مظفر نگر کی شاعرہ ہیں۔ آپ کا کلام اکثر خاتونِ مشرق میں شایع ہوتا رہتا ہے۔ آپ کے دل میں اسلامی و قومی درد ہے۔ آپ اقبال کی شاعری سے متاثر ہوئی ہیں۔ اگر آپ برابر لکھتی رہیں اور کلام و زبان میں تھوڑی اور پختگی پیدا ہو گئی تو آپ اُردو کی ایک بلند پایہ شاعرہ ہونگی۔

خدا سے التجا

اے خدا اُمّتِ عاصی پہ کرم کر اپنا | تیرے بندے ہیں گنہ گار رحم کر اپنا
قوم مسلم تری گمراہ ہوئی جاتی ہے | ناؤ اسلام کی بدراہ ہوئی جاتی ہے
آہ مسلم کی وہ پہلی سی طبیعت نہ رہی | اب تری اور ترے محبوب کی الفت نہ رہی
حالتِ امّتِ عاصی میں بتاؤں کیونکر | داستاں درد بھری آہ سناؤں کیونکر
شاہ اسلام کے ارشاد کو ہم بھول گئے | انتہا ہے کہ تری یاد کو ہم بھول گئے
ہم تو وہ تھے کہ دو عالم کو ہلا دیتے تھے | نام پر تیرے رگِ جاں کو کٹا دیتے تھے[1]
ناز اسلام کو تھا ان ہی مسلمانوں پر | سر بسجدہ ہوئے بُت ان ہی کے ایمانوں پر[2]

---

[1] علامہ اقبال رح۔ نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہمنے :: زیر خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہمنے (شکوہ)

[2] علامہ اقبال رح کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے
منہ کے بل گر کے ھواللہ احد کہتے تھے (شکوہ)

ان کا بھولا ہوا افسانہ سنا دے ان کو
مئے توحید کا پھر جام پلا دے ان کو
آہ مقصود کی پھر شمع دکھا دے ان کو
کون تھے سیدۂ کونین بتا دے اُن کو

خوابِ غفلت میں ہیں مدہوش جگا دے ان کو
نالۂ دردِ دلِ راز سنا دے ان کو

رفعت

سکندر جہاں نام اور رفعت تخلص ہے لکھنؤ مولد و مسکن ہے ۔ آپ دورِ حاضر کی ایک قابل اور تعلیمیافتہ خاتون ہیں ۔ آپ نے علیگڑھ یونیورسٹی سے بی ۔ اے کا امتحان پاس کیا ہے ۔ لیکن جہاں اکثر دوسری خواتین انگریزی پڑھنے کے بعد مغربی تہذیب میں کھو جاتی ہیں اور اپنی تہذیب و معاشرت، اپنے تمدن و مذہب ہر چیز سے کچھ بیگانہ اور متنفر سی نظر آتی ہیں، وہاں محترمہ سکندر جہاں رفعت بی ۔ اے کرنے کے بعد بھی مشرقی تہذیب اور اسلامی تعلیمات و نظریات کی دلدادہ ہیں ۔ آپ مغربیت کے اس تباہ کُن طوفان سے اپنی دوسری بہنوں کو بھی بچانے کی خواہشمند ہیں اور اپنے ان اصلاحی خیالات کا اظہار اکثر اپنی شاعری کے ذریعہ فرماتی رہتی ہیں ۔ آپ کے ذیل کے اشعار پڑھکر حضرت اکبر الہ آبادی کی وہ رباعیات یاد آجاتی ہیں جو انھوں نے پردہ کے متعلق لکھی ہیں ۔

پردہ

اے مشرقی خاتون سن
پردہ ہے تیری آبرو

چھوڑا اگر تو نے اسے بدنام ہو جائے گی تو
فطرت کا تو اک پھول ہے پردہ ہے اس کا رنگ و بو
دنیا ہی کی زینت نہیں ہے دین کی بھی زیب تو
اسلام کی گر ہے طلب ایماں کی ہے گر جستجو
عصمت اگر مقصود ہے پردے ہی میں پائیگی تو
پردہ ترقی میں تیری حائل نہیں اے نیک خو
ہر خدمتِ قوم و وطن پردے میں کر سکتی ہے تو
اے مشرقی خاتون سُن
پردہ ہے تیری آبرو

روشن آرا

محترمہ روشن آرا دہلی کی ایک قابل اور ہونہار خاتون ہیں۔ شعر و سخن سے بھی ذوق ہے۔ نظمیں خوب لکھتی ہیں۔ زبان میں فارسی کی آمیزش زیادہ ہے، رنگ صاف اور اسلوبِ بیان پُرکیف ہے۔

اُردو زبان

دلربائے ہند اے اُردو زباں نغمۂ شیریں ہوا رطب اللساں
یادگارِ سطوتِ اسلامیاں نورِ چشمِ مادرِ ہندوستاں
بادۂ مے خانۂ جنت نشاں بادۂ رنگینِ جانِ مے کشاں
حاصلِ شیریں کلامیِ زباں مایۂ صد نازشِ اہلِ جہاں

تجھ سے ہے آباد اپنا بوستاں

تجھ میں دل آویزیٔ گلزار ہے
تجھ میں رنگ و کیفِ لالہ زار ہے

تیرا ہر گل آج عنبر بار ہے
اس لئے گلشن نرا تاتار ہے

تیرا ہر غنچہ دہانِ یار ہے
تیرا جو گل ہے گلِ بے خار ہے

تیرا دامن بحرِ گوہر بار ہے
تیرا سینہ معدنِ اسرار ہے

قبلۂ ہر شاعر و نثار ہے

ہے سراپا کیف تیرا ہر سخن
باعثِ وارفتگیٔ انجمن

نازشِ نغمہ سرایانِ چمن
یعنی فخرِ نکتہ سنجانِ وطن

روح پرور، قاطعِ رنج و محن
شاہدِ اربابِ علم و اہلِ فن

تیرا ہر نکتہ عروسِ سیم تن
ماہ وش، حجلہ نشیں، غنچہ دہن

اور تو اس کا مناسب پیرہن!

ریحاںؔ

حسن آرا نام اور ریحاں تخلص ہے۔ آپ عصمت کی شاعرہ ہیں کلام میں اسلامی رنگ نمایاں ہے۔ آپ کی زبان شائستہ اور پُروقار ہے، کلام میں جوش و اثر موجود ہے۔ "نذرِ حسین علیہ السلام" کے عنوان سے آپ نے جو نظم لکھی ہے وہ خواتین کی شاعری کا ایک اچھا نمونہ کہی جا سکتی ہے یہ نظم نہایت بلند اور پُرشوکت ہے ہر شعر عقیدت و محبت سے لبریز اعلیٰ جذبات کا حامل ہے۔

نذرِ حسین علیہ السلام

تپش سوزِ محبت کی نہ دنیا سے کبھی تو نے
بجھالی آبِ تیغِ ظلم سے دل کی لگی تو نے

دلِ قاتل میں لرزہ پڑ گیا تھا جب سنائی تھی
نگاہِ واپسیں میں داستانِ آخری تو نے

سرِ لاشِ پسر ہر سے تبسّم ہائے پنہاں پر
زمانہ محوِ گریہ ہے ہنسی تھی وہ ہنسی تو نے

جزاک اللہ مختارِ دو عالم ہو کے بھی رن میں
دکھا دی اہلِ عالم کو بشر کی بے بسی تو نے

نہ کیوں شاہا ترا ماتم سبق آموزِ عالم ہو
فنا ہو کر سکھائی ہے جہاں کو زندگی تو نے

قیامت تک کہے گی سجدہ گاہِ کربلا محو لا
سکھا دی ایک سجدہ سے جہاں کو بندگی تو نے

یقیناً غرق ہو جاتا سفینہ امتِ احمد کا
مگر ہاں آبرو رکھ لی حسینؓ ابنِ علی تو نے

یہ دنیا منحرف ہو جاتی ساری کلمہ گوئی سے
بنائے لا الٰہ از سرِ نو ڈال دی تو نے[1]

دلِ پُر درد میں اک درد پیدا ہو گیا ریحاں
عجب انداز سے یہ داستانِ غم لکھی تو نے

---

[1] حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح — سر داد و نہ داد دست در دستِ یزید: حقا کہ بنائے لا الٰہ ہست حسین رض

رئیسہ

ربیعہ خاتون نام اور رئیسہ تخلص ہے آپ محترم ربیع حسن صاحب کی شریکِ حیات ہیں اور اس نسبت سے ادبی دنیا میں مسز ربیع حسن کے نام سے مشہور ہیں گولکنڈہ (دکن) کی رہنے والی ہیں۔ پرانے رنگ تغزل میں لکھتی ہیں۔ کلام میں جذبات نگاری کم اور خیال بندی زیادہ ہے۔

"کیفِ ترنم"

ہے تصور کار فرما عشق کی تاثیر پر
آشیاں باندھا ہے بلبل نے گلِ تصویر پر

گو مقید ہے قفس میں پر ہی شکوہ سنج کر
کیا گلہ صیاد کا قانع ہے خود تقدیر پر

کاکلِ شبگوں کا ظالم کیا ہو تیرے تذکرہ
رشک ہے دار ورسن کو زلف کی زنجیر پر

نالۂ شبگیر بلبل کا اثر غنچوں میں دیکھ
ہے وفورِ شوق اس کا وقف کرتا ثیر پر

تھام لیتے ہیں جگر ہجو دیکھے جلتے ہیں وہ
کس غضب کا ہے اثر بیتاب ہیں تقریر پر

طبع موزوں ہے رئیسہ کچھ تری اشعار پر
وقف کر دے فکر کو اور شاہ ہو تشہیر پر

زیب صاحبہ

آپ موجودہ دور کی ایک خوش گو خوش فکر شاعرہ ہیں۔ اپنا نام اور تخلص ظاہر کرنا نہیں چاہتیں۔ اُردو غزلوں اور نظموں کے علاوہ آپ ہندی رنگ میں بھی لکھتی ہیں۔ اور خوب لکھتی ہیں۔ آپ کی اس قسم کی نظموں میں ہندی شاعری کا سا رس اور شیرینیت ہے۔ جذبات میں بڑا کیف اور لوچ ہے

طرزِ ادا نہایت سادہ اور پُر اثر ہے۔ آپ کی اس رنگ کی ایک نظم درج ذیل ہے:-

من میرا ہے پریم کی بستی
پریم کا نام من، میری ہستی
جان کے بدلے پیت ہے سستی
یہ سنسار ہے پریم کا گیت

جس کے من میں بسے نہ میت
وہ کیا جانے پریت کی ریت

پریت کرے اور من کو گنوائے
پیت میں جیون اپنا بتائے
من ہارے پر میت نہ جائے
من کی ہار ہے پریت کی جیت

جس کے من میں بسے نہ میت
وہ کیا جانے پریت کی ریت

جب آنکھوں میں میت سمائے
اور کوئی پھر نظر نہ آئے
من میں میت بسے، من جائے
پریم نگر کی اُلٹی ریت

جس کے من میں بسے نہ میت

وہ کیا جانے پریت کی ریت

اُس نے پایا جس نے کھویا
پیت بِنا کوئی میت نہ ہویا
جوگی ہو، یا کوئی اتیت

جس کے من میں بسے نہ میت
وہ کیا جانے پریت کی ریت

زاہدہ۔ محترمہ زخ۔ش مرحومہ (علیگڑھی)

محترمہ زخ۔ش کے حالات جو انکی بھانجی محترمہ ناجیہ اکرم شیروانیہ نے اس تذکرہ کے لئے خود تحریر فرما کر ارسال کئے ہیں درج ذیل ہیں:-

"نام زاہدہ خاتون۔ نسل شیروانی پٹھان۔ اس شاعرۂ شعلہ نوا نے دسمبر ۱۸۹۴ء میں والد مرحوم آنریبل نواب بہادر ڈاکٹر سر محمد مزمل اللہ خاں شروانی خان بہادر کے۔سی۔آئی۔ای۔او۔بی۔ای ایل ایل۔ڈی کی قدیم سکونت گاہ بھیکم پور ضلع علیگڑھ میں جنم لیا اور جدید فردوگاہ "ظفر منزل" میں پرورش پائی (جو بھیکم پور سے ۱۶ فرلانگ پر واقع ہے)

زاہدہ خاتون شروانیہ نے دس گیارہ سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کیا۔ اُن کا کلام مختلف ناموں سے اکثر و بیشتر رسائل میں شائع ہو کر خراجِ تحسین وصول کرتا رہا۔ مثال کے طور پر چند نام درج ذیل ہیں:-

"سخن گو خاتون" "نادر خاتون" "ایک شریف بی بی" "ز۔خ۔ش"

وغیرہ۔ موصوفہ کو علمی دنیا زیادہ تر مؤخر الذکر نام سے جانتی ہے۔

ہماری شاعرہ جب تک حیات رہیں انھوں نے کبھی اپنے اصلی نام مقام اور شخصیت سے دنیا کو روشناس نہ ہونے دیا بلکہ تا دمِ آخر گوشۂ گمنامی میں رہیں۔ باوجود اس کے کون ہے جو آج بھی ز۔خ۔ش کے شاہکاروں سے واقف نہیں۔

مرحومہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ انھوں نے اپنا زانوئے ادب کسی اُستاد کے سامنے مدت العمر تہہ نہیں کیا۔ اور اپنی خداداد ذہانت کی بدولت دنیائے ادب میں اُستادِ سخن بنکر چمکیں چنانچہ وہ خود کہتی ہیں

بے فیض تلمذ ہوئی استادِ سخن ہیں
یہ فخر ہے اس احقر خود ساز کو مخلص

مرحومہ نام و نمود کی شائق نہ تھیں چنانچہ اکثر اشخاص نے مرحومہ کے کلام کو ایک مرد کا کلام سمجھا اکبر الہ آبادی مرحوم کو بھی یہی شک پیدا ہوا جس کو انھوں نے اپنے ایک خط کے ذریعہ ظاہر کیا۔ لیکن بعد میں محترمہ خواجہ بانو صاحبہ اہلیہ خواجہ حسن نظامی صاحب کے توسط سے یہ شک دور ہوا۔ موصوفہ نے ادبی دنیا کے اس حوصلہ شکن سلوک کو بہت محسوس کیا اور کچھ عرصہ تک اپنا کلام شائع نہ کرایا۔ لیکن قدر دانوں کے پیہم تقاضوں نے مرحومہ کو پھر اس راہ پر گامزن کر دیا۔

ز۔خ۔ش ابھی چار۔ پانچ سال ہی کی تھیں کہ مشیت ایزدی سے

شفقتِ مادری سے ہمیشہ کیلئے محروم ہوگئیں۔ چنانچہ ان کی تعلیم و تربیت کی تمام ترذمہ داریاں ان کے والدِ محترم کے کاندھوں پر آپڑی اور یہ انھیں کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ ہے کہ آج ز۔ ح۔ ش کے نام سے تمام ہندوستان واقف ہے۔ مرحومہ کی تعلیم قدیم مشرقی خاندانوں کی طرح گھر پر ہی ہوئی اُن کی تربیت کے لئے ایک ایرانی معلّمہ مقرر تھیں جن کا نام خجستہ خانم تھا اور جو ایران کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ فارسی شاعری میں ان معلمہ صاحبہ کو پوری پوری دسترس حاصل تھی چنانچہ ز۔ خ۔ ش کے لئے فارسی زبان مادری زبان کے برابر حیثیت رکھتی تھی۔ اُن کی فارسی شاعری میں وہی یگانگت۔ تسلسل اور روانی پائی جاتی ہے جو ان کی اُردو شاعری کا جزو ہے۔

مرحومہ ایک درد مند اور حساس دل رکھتی تھیں۔ جوان بھائی کی موت۔ شفقتِ مادری سے محرومی وغیرہ یہ تو تھے خانگی سانحات جنھوں نے مرحومہ کو حد سے زیادہ سنجیدہ اور خوگرِ غم و آلام بنا دیا تھا۔ اس کے علاوہ مرحومہ کے دل میں قومی ملکی۔ مذہبی اور طبقۂ نسواں کا درد بھی بدرجۂ اتم موجود تھا کیسے ممکن تھا کہ ز۔ خ۔ ش جیسی شاعرہ رفتارِ زمانہ کا اثر قبول نہ کریں۔ چنانچہ اس بات کا شاہد خود مرحومہ کا کلام ہے۔

نزہت نہایت روشن خیال۔ حریت پسند۔ پکّی مسلمان اور مشرقی اخلاق و اطوار کا نمونہ تھیں۔ باوجودیکہ انھوں نے اپنے عزیز دل اور

مخصوص دوستوں کے علاوہ کبھی اپنے گھر سے قدم باہر نہ نکالا لیکن اخباری مطالعہ اور کتب بینی سے وہ ہندوستان ہی نہیں بلکہ ایشیا یورپ اور دیگر براعظموں سے بھی واقفیت حاصل کر چکی تھیں چنانچہ اُن کی نظمیں "ایلبا سے پیرس" اور "جوشِ محبت" اس بیان کی تصدیق ہیں۔

وہ سماجی بندشوں سے بھی آزاد نہ تھیں۔ انھیں صرف تحریری آزادی کسی حد تک تھی لیکن تقریری نہیں۔۔۔۔۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ خاندان شروانی تعلیم نسواں کے لحاظ سے زمانہ سے بہت پیچھے تھا۔ زاہدہ خاتون مرحومہ اور ان کی ہمشیرہ نکہت شروانیہ خاندان کی پہلی خواتین تھیں جنھوں نے اتنی تعلیم حاصل کی کہ اپنے خیالات کا اظہار آزادی سے کر سکیں۔ مگر باوجود تعلیم یافتہ ہونے کے خاندانی رواج کے مطابق وہ نہ کسی عام جلسہ میں شریک ہو سکیں۔ اور نہ کسی خاص علمی مباحثہ وغیرہ میں جانے کی نوبت آئی۔ اگر اس صورت حال کو مدِّنظر رکھتے ہوئے آپ ز۔خ۔ش کے کلام کا مطالعہ کریں تو یقین ہے کہ آپ کی نظر میں اُن کی اور اُن کے کلام کی وقعت دہ چند ہو جائے گی۔

مرحومہ نے اپنے والد کے مکان پر بعالم دوشیزگی ۴ فروری ۱۹۲۲ء کو رحلت فرمائی۔ اور ہندوستان کی اس نوعمر قومی شاعرہ کو اُن کے خاندانی قبرستان میں مدفون کیا گیا۔

راقمہ: "ناجیہ اکرم شیروانیہ"

محترمہ اسم بامسمیٰ خاتون تھیں۔ نہایت متشرع، عبادت گزار، خوش خلق، نیک سیرت، صاحبِ علم و فضل اور پردہ نشین تھیں۔ آپ نے عصرِ حاضر میں اپنی زندگی سے دنیا میں خاتونِ اسلام کا ایک صحیح نمونہ پیش کیا تھا جو ایمان کی دولت کے ساتھ ساتھ علم کی برکتوں سے بھی فیضیاب تھا۔ آپ کی اردو فارسی اور عربی کی استعداد بہت اچھی تھی! دینیات اور اسلامی تاریخ سے آپ کو شروع ہی سے شغف تھا۔

اس وقت تک آپ کے دو مجموعۂ کلام چھپ کر منظرِ عام پر آچکے ہیں "آئینۂ حرم" اور "فردوسِ تخیل" یہ دونوں کتابیں دارالاشاعت پنجاب (لاہور) کی مطبوعات ہیں "آئینۂ حرم" ۳۹ صفحات کا ایک مختصر رسالہ ہے جس میں آپ کا مشہور مسدس "آئینۂ حرم" اور چند دوسری نظمیں شامل ہیں! یہ کتاب ۱۹۲۱ء کی طبع شدہ ہے۔ "فردوسِ تخیل" محترمہ کی وفات کے بعد ۱۹۴۱ء میں شائع ہوئی۔ اس کو محترمہ نے خود ہی مرتب کیا تھا اور خود ہی یہ نام تجویز کیا تھا۔ یہ ۳۸۲ صفحات کی ایک ضخیم کتاب ہے جو ۱۲۱ منظومات پر مشتمل ہے، اس میں آئینۂ حرم کی نظمیں بھی شامل ہیں۔

اس کے مختلف حصوں کے عنوانات یہ ہیں۔ نذر۔ دورِ اوّل، دورِ ثانی دورِ ثالث۔ مجمعِ احباب، بزمِ طرب، بزمِ عزا۔ حسنِ تضمین، بکھرے ہوئے موتی (قطعات، رباعیات، مفردات)

مگر ان دونوں کتابوں میں آپ کے حالات تو کجا آپ کا پورا نام تک درج نہیں ہے۔ ان دونوں کتابوں پر آپ کا نام صرف ز۔ خ۔ ش لکھا ہے۔

اس کے علاوہ مرحومہ نے اپنی اخلاقی غزلیات کا ایک ردیف وار دیوان بھی مرتب کیا تھا جو اب تک شائع نہیں ہوا ہے۔

اُردو کے علاوہ آپ فارسی و عربی میں بھی شعر کہتی تھیں۔ خصوصاً فارسی کی آپ ایک بلند پایہ شاعرہ تھیں۔ آپ تخلص کبھی زاہدہ اور کبھی نزہت کرتی تھیں۔ فرماتی ہیں،

لے عربی اشعار کا نمونہ

(برقتہ الحمراء سے غازی انور پاشا کی مراجعت پر)

حَمِدْنَا الجَلَالَ فَنَا ذِی الجَلَالِ — فَدْ نَجَّاكَ مِنْ شَرِّ اَهْلِ الضَّلَالِ

قَتَلْتَ الخَبِيثِيْنَ يَوْمَ القِتَالِ — فَاَحْسَنْتَ اَهْلًا وَّ سَهْلًا تَعَالِ

کجا بودی؟ اے انورِ خوش خصال — "کجا بودی؟ اے اخترِ نیک فال

کہ مہ رفتی و آفتاب آمدی" (فردوس تخیل ص۳۴)

فارسی اشعار کا نمونہ

خواہراں! تا چند مہر خامشی بر لب نہیم — تا کجا بازار شکر بشکند تقریر ما

ہاں بفرمائید۔ اکنوں چیست تدبیر فلاح — عدل جوید یا نہ جوید۔ فرقہ دلگیر ما

ہمچنیں باشیم در قعر مذلت سرنگوں — یا کند جولاں بہ گردوں مرکب توقیر ما

تارک آئین شرع پاک شد صنف رجال — آنکہ ہست از حکم رب فرماندہ ما پیر ما

دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیر ما

چیست یاراں طریقت! بعد ازیں تدبیر ما" (آئینہ حرم ص۳۰)

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

پوچھتے ہیں جو مرا حالِ سخن کے نقاد
صاف گو ہوں سخن آرائی سے مجھکو ہے عناد
نہ میں زہرہ سے ہوں آگاہ نہ میں زاہد ہوں
خود فراموش ہوں اتنا ہے فقط مجھکو یاد
فردوس تخیل صـ ۳۰۲

[بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ سے]

کام غمخواراں بر آید آہ پُر تاثیر ما
گشتہ گر وند بوحرماں عاقبت از تیر ما

حاجب باب اجابت بالیقیں خیزد زخواب
از دعائے صبح گاہ و نالۂ شبگیر ما

کرد باید بہر حریت جہاد بے قتال
کر کند گوشش حریفاں نعرۂ تکبیر ما

مایۂ نازِ زنانست امتثالِ امرِ رب
کرد احمد ؐ مدح دین خواہران پیر ما

حکمران ما ہلا شاہ رسولاں است و بس
آرے آرے غیر او ہر گز نباشد میر ما

آنکہ بُد پنہاں بہ قلبش الفت جنس لطیف
آنکہ بُد پیدا از قولش عزت و توقیر ما

طاعت اسلام ما عشق رخش ایمان ما
روضتش فردوس ما خاک رہش اکسیر ما

ما و دست و دامن پیر خمستانِ حجاز
نیست یاراں طریقت غیر ازیں تدبیر ما
(آئینہ حرم صـ ۲۱-۲۲)

"البلاغ المبین"

اے قوم! چند فارغ و بیکار بنشست
غافل ز کید دشمن عیار بنشست

خواہم ز شرم چہرہ بپوشم بخاک گور
ہر گہ سے شریک محفل اشرار بنشست

تقلید پیر غرب دریغا شعار تست
غافل ز اسوۂ سے ابرار بنشست

کج میروی بمنزلِ مقصود کے رسی
باغی ز طوع قافلہ سالار بنشست

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

اور کبھی ز۔خ۔ بھی تخلص کرتی تھیں،

سُبحانک یاذالمجد پڑھے غفرانک اللّٰھم کہے
ہر ذھب سے لب ز۔خ۔ پہ ہے اے بارِ خدا مذکور ترا

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ سے)

گاہے بدستِ خامہ گہ تیغ بے نیام　　خواہم لبانِ حیدر رضؓ کرار بنیمت
در بزم ہمچو دریا، دُرپاش یا ہمت　　در رزم ہمچو ساحل۔ خوددار بنیمت
گلشن جہان و توگل توحید بوئے گل　　اے گل! ببالاکش خلش خار بنیمت
اے نزہت! اے کہ مخزن رازاست سینہ اَت　　خواہم زلب ہمیشہ گہر بار بنیمت
حُسنے نداشت شعرتو۔ الّا ولم ربود
شاعرانۂ۔ فسونگر و سحار بنیمت　　(فردوس تخیل ص۲۵۵)

"ذکرِ حبیبؐ"

بیان عاجز۔ دہاں قاصر۔ زبان الکن۔ بیاں کونہ
ز وصف رب۔ ز مدح شہ۔ ز حمد ایں۔ ز نعت او
ہدیں میداں چو من گنگ و خموش و عاجز و حیراں
دو صد رومی۔ دو صد جامی۔ دو صد سعدی۔ دو صد خسرو
دماغ تو نگاہِ تو۔ زبان تو۔ سرشت تو　　فردوس تخیل ص۲۶۳
معارف داں معارف بیں۔ معارف گو معارف جو